بسم اللہ الرحمن الرحیم

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ محمد آیت ۲۴، القرآن الحکیم

تفسیر عزیزی

پارہ لن تنالوا ۴

محمد لقیط خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا، قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے۔ (القرآن)

تفسیر عزیزی

پارہ لن تنالوا (۴)

آسان ترجمہ، بمعہ ضروری توضیح اور تشریحات کے ساتھ

*

ذوقِ قرآن فہمی اُجاگر کرنے کی سمت ایک کوشش

از

محمد لقیط خان

ادارۂ نشریاتِ ولی
18/927 سمن آباد، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی
فون 6360656 موبائل 0320-5041953

طبع اوّل ۱۴۲۶ھ

تعداد ...... ایک ہزار

سرورق ...... رشید شاہد

باھتمام ...... سلمان نشیط، عدنان لطیف

مطبع ...... شکیل پریس کراچی

ھدیہ ...... ۱۵۰/ ایک سو پچاس روپے صرف

تقسیم کنندگان

- ☆ احمد بک سینٹر اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۷۳۴۸۷ .
- ☆ ویلکم بک پورٹ اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۳۱۵۱_۲۶۳۹۵۸۱
- ☆ فضلی بک سپر مارکیٹ اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۲۹۷۲۰_۵
- ☆ رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۶۶۷۵۱
- ☆ دارالاشاعت اُردو بازار کراچی فون: ۲۲۱۳۷۶۸_۲۶۳۱۸۶۱
- ☆ بیت القرآن اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۳۳۴۲_۲۶۳۰۷۴۴
- ☆ علمی کتاب گھر اُردو بازار کراچی فون:
- ☆ فرید پبلشرز اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۷۰۰۵۷
- ☆ البلال بک سینٹر اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۲۶۶۴
- ☆ البدر بک کارنر اُردو بازار کراچی فون معرفت: ۲۶۳۴۱۴۰
- ☆ ہلال نیوز ایجنسی، ریگل صدر کراچی
- ☆ مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاہور فون: ۷۲۲۴۲۲۸_۷۲۲۱۳۹۵
- ☆ اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی فون: ۵۵۳۱۶۱
- ☆ جہانگیر بک ڈپو اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۶۵۰۸۶
- ☆ کتاب گھر اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی فون: ۵۵۳۹۳۸۰_۵۵۵۲۹۲۹
- ☆ ماسٹر فوٹو اسٹیٹ ڈی ایچ اے phase.4 کراچی فون: ۵۸۹۸۰۶۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَحۡدَہٗ

حرفِ سخن

الحمدللہ چالیس برس سے قرآن حکیم میرے شب وروز کے فکر ونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے غور وفکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وادیٔ علم میں قدم رکھنے کے بعد، مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں، علوم قرآن اور مضامینِ قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں، جس کی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافُل اور جستجو نے تساہُل کیا ہو، علم ونظر کی راہوں میں آج کل علمی سفر، قدیم وجدید کے عنوانات میں قدرے مشکلات کا باعث ہے بہرنوع قرآن کا علم ایک وسیع مطالعہ اور فلسفہ زندگی کا آئینہ دار ہے اور مجھ جیسے طالب علم کے لئے یہ منزل طے کرنا ایک سعادت بابرکت ہے، علم کا ذوق وشوق، قرآن فہمی سے لگاؤ، نے اس جذبہ کو حوصلہ دیا۔

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن مجید، فرقانِ حمید کو جیسا کچھ، جتنا کچھ، سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت وتوفیق بخشی، اس کتاب کے صفحات پر پھیلا دیا ہے۔

میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسلمان، قرآن اور اس کی آیات کا مفہوم خود سمجھ سکے اور تعلیماتِ قرآن سے وہی نتیجہ اخذ کرے جو قرآن کا مُدّعا ہے۔

اس کلامِ پاک کے تراجم، تفاسیر اور علوم کے ہر ہر پہلو پر، ہر زبان میں قیامت تک کام ہوتا رہے گا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

بے شک کون نہیں جانتا، قرآن کی تلاوت بھی کارِثواب ہے، اُس کی تلاوت آنکھوں کا نُور، دلوں کی فرحت وشادابی، چین وسکون، راحت ہے۔ لیکن اصل بات تو قرآن کو سمجھنا، اس کے لفظ میں چھپے ہوئے وسیع وعمیق معنوں پر غور کرنا، اور اس میں بیان کی گئی اَبدی ہدایت کی روشنی میں دینی ودنیوی زندگی بسر کرنا ہے۔ میں نے تفسیرِ عزیزی اُن عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترتیب دی ہے جو قرآنی تعلیمات سے متوّر ہو کر اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر لانا چاہتے ہیں، لیکن انہیں قرآن سے استفادہ کرنا نہیں آتا۔

ہر موضوع میں، آیاتِ مبارکہ اور ان کا ترجمہ، معنیٰ اور مفہوم آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ تفسیرِ عزیزی کی مدد سے ایک مسلمان کا بھی، قرآن حکیم سے قلبی لگاؤ اور حقیقی رابطہ پیدا ہو گیا اور وہ روحِ قرآن کے قریب سے قریب تر آ گیا تو یہ بات میرے لئے باعثِ طمانیتِ قلب ہوگی اور میں یہ سمجھ لوں گا کہ میری بخشش کا سامان ہو گیا۔

ایک عام آدمی کی ضرورت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مطالبِ آیات کو عام فہم، اَسلُوبِ نگارش میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ اس میں نہ تفسیر کی باریکیاں ہیں نہ تفصیلی مباحث، بلکہ اختصار کے ساتھ، قرآن فہمی کے لئے ایک ترغیب ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن اور حدیث پر عمل نہ کریں، نہ تو ہماری دنیا سنور سکتی ہے اور نہ آخرت! بغیر قرآن اور حدیث ہم بھٹکتے ہی رہیں گے۔

مجھے بار بار، بلکہ ہزار بار اعتراف ہے کہ میری مساعی میری اپنی حیثیت سے بہت بڑی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی تشریح، توضیح اور تفہیم پر قلم اٹھانا کارِ طفلاں تو نہیں، لیکن والدین کی خواہش اور اُن کے حکم کے مطابق، اس بارِ گراں کو اٹھانے پر مجبور ہوا، حالانکہ ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی، تاہم تائید غیبی سے حوصلہ ہوا۔

اگر میرے سامنے ہمارے متقدمین کی تفاسیر و تشریحات نہ ہوتیں، جن کی قرآنی خدمت ہمارے لئے علمی خزانہ ہے جنہوں نے قرآن کی ہر زاویہ سے تشریح کی، زیرِ نظر مختصر تشریح و توضیح، انہیں علمائے کرام اور مفسّرین کی خوشہ چینی ہے۔

اگرچہ اس میں کوئی خوبی پائی جائے، تو یہ انہیں اکابرینِ ملّت کا طفیل اور تحفہ ہے اور اگر کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو یہ میری اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

باوجود احتیاط کے، اگر کوئی غلطی، اظہارِ بیان، مفہوم و معنیٰ اور مطالب میں ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہوں۔
باوجود احتیاط کے بشری تقصیر کی وجہ سے ترجمہ قرآن اور تشریح میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا بھی امکان باقی رہتا ہے، اس بناء پر اہلِ دانش اور اربابِ ذی علم سے میری درخواست ہے کہ انہیں اس ترجمہ، تشریح و توضیحات، معنیٰ و مفہوم میں کوئی فروگزاشت نظر آئے، تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اِن اَستدراکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

آخر میں جناب انور صاحب، بدرالغازی صاحب اور محمد جاوید اقبال صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ذریعہ سے یہ کتاب منظرِ عام پر آئی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہر پریشانی سے نجات دے۔

دعا فرمایئے، اللہ میری اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تفسیرِ عزیزی کی اشاعت کا ثواب میرے والدین کے اعمال میں ثبت فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

احقر العباد

محمد لقیط خان عفی عنہ

۱۹؍ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

یوم پیر

۱۸/۹۲۷ سمن آباد، فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى

احوالِ واقعی

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ !تفسیرعزیزی کاپارہ لَنۡ تَنَالُوا (۴) اشاعت وطباعت کے مرحلے سے گذر کر آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق سے حسبِ وعدہ چوتھا پارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے ذوقِ قرآن فہمی کو اُجاگر کرنے کی سمت،میری تحریر اور کوشش کو آپ نے بہ نظرِ تحسین دیکھا،آپ کی کرم نوازی اور عنایت کا خلوصِ دل سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اے ربِ جلیل!یہ محض آپ کا فضلِ عظیم اور کرمِ عمیم ہے،یہ باری تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز ناچیز،بے مایۂ علم وعمل کو ایک والہانہ ذوق وشوق عطا فرما کر تفسیرِ عزیزی کو مرتّب کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائی۔

یاذُاالجلال والاکرام!اپنی رحمتِ خاص،الطاف ونوازش سے اِس تالیف کو بھی اپنی مُربّیانہ بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطافرما!آمین ثم آمین۔

یااللہ!جن دیگر نفوسِ قدسیہ کی مُتبرّک تصانیف سے میں نے اِستفادہ کیا ہے اُن کی ارْواحِ پاک پر اپنی خاص رحمتوں کا دائمی نزول فرماتے رہیے!اور ان سب کو اپنے مقاماتِ قرب ورضا میں بلند درجات عطا فرمائیے۔آمین

یااللہ!اس تفسیر کے مطالعہ کرنے والوں کو بھی اس کے تمام ترعلمی وعملی ذخائر سے بہرہ اندوز فرمائیے اور اطاعت باری تعالیٰ اور اتباعِ اسوۂ رسول حضرت محمد ﷺ کی توفیق عطا فرمائیے۔آمین

تفسیرِ عزیزی کی اشاعت وترتیب میں جن احباب نے میری رہنمائی کی،معاونت کی،مُفید مشوروں سے حوصلہ بخشا اور جنہوں نے فکری اور عملی طور پر میری ہمّت افزائی کی اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔جزاکم اللہ

آخر میں اُن تمام بزرگوں،احباب واغیار کا شکرگذار ہوں جنہوں نے میرے کام میں رہنمائی فرمائی۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطافرمائے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ

احقر العباد

محمد لقیط خان عفا اللہ عنہ

المرقوم ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ یوم جمعۃ المبارک

مطابق ۳ رجون ۲۰۰۵ء

۱۸/۹۲۷ امن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی،پاکستان

حرفِ چند

نام	:	محمد لقیط خان
ولدیت	:	مولوی عبدالبسیط خانؒ
جائے پیدائش	:	حیدر آباد دکن
وطن	:	کوٹ، فتح پور ہسوہ، یوپی، ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی اے۔ ایم اے۔ ایل ایل بی
فیضِ تربیت	:	حضرت مولانا مطلوب الرحمٰنؒ برادر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

خطیب رجنرل سیکریٹری مسجد اعظم، سی ایریا، لیاقت آباد کراچی

ناظم تعلیمات (جامعہ مدرسہ نور القرآن لیاقت آباد، کراچی)

اچھی تحریر ایک نعمت

"تحریر"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

وَمَا كَاتِبٍ اِلَّا سَيَفْنٰى	ہر لکھنے والا عنقریب فنا ہو جائے گا
وَابْقَى الدَّهْرُ مَا كَتَبَ يَدَاهُ	لیکن لکھی ہوئی، شے ہمیشہ باقی رہے گی
فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْءٍ	تو تو، اپنے ہاتھ سے ایسی شے تحریر کر
يَسُرُّكَ فِي الْقِيٰمَةِ اَنْ تَرَاهُ	جسے تو روزِ قیامت دیکھ کر خوش ہو جائے

میری تحریر آپ کیلئے!

الحمد للہ، جو کچھ بیان کیا، وہی جو حق تھا، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا اظہار ہے۔ میں نے، آپ کو دعوتِ دین دی ہے، حق کے ساتھ، سوچنے کی

دعوت کی تلقین کی ہے۔

اب فیصلہ آپ پر ہے کیا حق ہے اور کیا ناحق، آپ بخوبی جانتے ہیں حق بات کیا ہے

اور ناحق بات کیا ہے۔ لیکن اپنے نفسانی خواہشات کی خاطر آپ حق بات چھپا کر

غلط اور جھوٹی بات کرتے ہو، یہ تو بڑا جرم ہے۔ اللہ آپکو روشن ضمیر کرے،

آپ کو ہدایت رحمت باری تعالیٰ مل جائے۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

الرقوم ۲ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الفقیر عزیز عفی عنہ بقلم خود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہم نے آسان کیا ،قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے
(القرآن)

احادیث نبوی ﷺ

زَیِّنُوا الۡقُرۡآنَ بِاَصۡوَاتِکُمۡ

قرآن کو اپنی اچھی آوازوں سے آراستہ کرو۔(ابوداؤد)

لِکُلِّ شَیۡءٍ حلیة و حِلیةُ الۡقُرۡآنِ حسۡنُ الصَّوۡتِ

ہر چیز کا ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور خوش آوازی رالحانی ہے۔

حَسِّنُوا الۡقُرۡآنَ بِاَصۡوَاتِکُمۡ فَاِنَّ الصَّوۡتَ الۡحَسَنَ یَزِیۡدُ الۡقُرۡآنَ حُسۡناً

قرآن کو اچھی آوازوں سے آراستہ کرو بے شک اچھی آواز قرآن کے حسن کو دُوبالا کرتی ہے۔(دارمی)

اِقۡرَؤُا الۡقُرۡآنَ بِلُحُوۡنِ الۡعَرَبِ وَاَصۡوَاتِهَا

قرآن کو اہل عرب کے لب ولہجہ اور اُن کی آواز کے مطابق پڑھو۔(طبرانی/بیہقی)

مَنۡ قَرَأَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ حَرۡفًا فَلَهٗ عَشۡرُ حَسَنَات

جس شخص نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی۔

اَفۡضَلُ الۡعِبَادَةِ تِلَاوَةُ الۡقُرۡآنِ

جملہ عبادتوں میں افضل عبادت تلاوتِ قرآن ہے

(کنز العمال)

فہرستِ مضامین

سُورَۃ الِ عِمرَان پارہ (۴) لن تنالوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ہرگز نہ پاسکو گے تم نیکی کو، جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُن چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ (۹۲)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾

کھانے کی سب چیزیں حلال تھیں، بنی اسرائیل کے لئے البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں، جنہیں تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! تورات لاؤ! پھر پڑھو، اگر تم سچے/صادق ہو۔ (۹۳)

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

اس دلیل کے بعد پس جو بہتان باندھتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا، تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔ (۹۴)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

اے محبوب (ﷺ!) آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے سچ سچ فرمادیا تو تم پیروی اختیار کرو ملت ابراہیم علیہ السلام کی جو ہر باطل سے جدا تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ (۹۵)

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ۚ

بے شک! سب میں پہلا گھر، جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ معظمہ میں ہے بڑا ہی بابرکت ہے اور سرچشمہ ہدایت ہے سب جہانوں کے لئے۔ (۹۶)

الفاظ معانی آیت ۹۲ تا ۹۶

﴿ لَنْ ﴾ ہرگز نہیں۔ ﴿ تَنَالُوا ﴾ تم پہنچو گے یہ نَالَ يَنَالُ سے صیغہ مضارع ہے، جمع مذکر حاضر ہے۔ ﴿ الْبِرَّ ﴾ بِرَّ (نیکی اور بھلائی) کے لفظی اور حقیقی معنی کسی شخص کی پوری ادائیگی احسان، حسنِ سلوک کے ہیں قرآن مجید میں ہے پارہ ۱۶ سورۂ مریم آیت ۳۲ میں ''بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ'' اور مجھے حکم دیا گیا کہ نیک سلوک اور خدمت اپنی ماں کی کرتا رہوں، سورۂ مریم آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے ''بَرًّا ۢ بِوَالِدَیْهِ'' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے پارہ نمبر ۲ سَیَقُوْلُ سُوْرَةُ الْبَقَرہ آیت ۱۷۷ میں ارشادِ ربانی ہے

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

نیکی صرف یہ نہیں کہ تم نے اپنا چہرہ مشرق و مغرب کی طرف پھیرلیا۔

اس آیتِ مبارکہ میں نیکی کے کاموں کی ایک تفصیل دے کر سب کو ''بِرّ'' کہا گیا ہے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ

''تم ہرگز بِرّ کو نہیں حاصل کرسکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں کچھ خرچ نہ کرو''

اس آیت سے پتہ چلا کہ اعمال بِرّ افضل سے افضل ترین یہ ہے کہ اپنی محبوب/مرغوب شے اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے۔

''علامہ بیضاوی رقمطراز ہیں''اپنی محبوب شئے کو اللہ کی راہ میں خرچ کئے بغیر تم نیکی کی حقیقت خیر واحسان تک نہیں پہنچ سکتے''

اسی لفظ بِرّ کی جمع ابرار ہے جو قرآن حکیم میں بکثرت استعمال ہوا بِرّ کا مقابل اور ضد فُجور ہے آیئے بِرّ کے مفہوم کو حدیثِ مبارکہ کے مطالعہ کی روشنی میں سمجھتے ہیں

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا''سچ بولنے کو لازم پکڑو ر سمجھو! کیونکہ صدق ''بِرّ'' کا ساتھی ہے اور وہ دونوں جنّت میں ہیں اور کذب سے بچو کیونکہ وہ فُجور کا ساتھی ہے اور یہ دونوں جہنم میں ہیں۔ (بحوالہ ادب المفرد، امام بخاریؒ ابن ماجہ اور مسند احمد)

بِرّ سے یہاں مراد عملِ صالح یا بہشت ہے (بحوالہ فتح القدیر) حدیث میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری ﷜، حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرا ''بیرحاَ'' باغ مجھے بہت زیادہ عزیز و محبوب ہے میں اسے حق تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ تو نفع بخش ہے'' میری رائے تو یہ ہے کہ تم اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کرو چنانچہ انہوں نے اسے اپنے عزیز و اقارب میں بانٹ دیا۔ (بحوالہ مسند احمد، مسلم اور بخاری شریف)

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ ﴾ تمام کھانے کی اشیاء۔ ﴿ تُنَزَّلَ ﴾ وہ اتاری جائے 'تَنْزِیْلٌ' یہ قواعد کے مطابق مضارع مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب۔ ﴿ فَأْتُوْا ﴾ فَ، پس، اِءْتُوْا، لاؤ تم، اِتْیَان سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿ افْتَرٰى ﴾ اس نے بہتان تراشا، اس نے جھوٹ باندھا، بے مطابق کے مطابق 'اِفْتِرَاءٌ' ماضی کا صیغہ۔ ﴿ وُّضِعَ ﴾ فعل ہے بنایا گیا۔ ﴿ لَلَّذِیْ ﴾ وہ ہے جو۔ ﴿ بِبَكَّةَ ﴾ بِ، میں ہے، بَکَّۃُ مَکَّہ۔ بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ مکہ میں ایک لُغت بَکَّۃ بھی آتی ہے مجاہد نے کہا کہ مکہ اور بَکَّۃ ایک شہر کے دو نام ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا خانہ کعبہ کی جگہ کو بکہ اور تمام شہر کو مکہ کہا جاتا ہے۔

محمد ابن شہاب کا کہنا ہے کہ صرف خانہ کعبہ کو نہیں مکہ ساری مسجد حرام کو بَــــــکَّۃ کہا جاتا ہے اور تمام شہر مکہ ہے۔ ﴿ مُبٰرَكًا ﴾ مُبَارَکًا، بڑی خیر والا، بابرکت قواعد کے مطابق اسم مفعول ہے یہ برکت سے مُشتق ہے۔

تَشْرِیْح وَتَوْضِیْحَات آیت ۹۲ تا ۹۶

آیت ۹۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور تابعداری کا مقام اور مرتبہ محض نمود و نمائش اور فرسُودہ رسومات اپنانے سے نہیں حاصل ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُن چیزوں میں سے خرچ کرنے سے ہوتا ہے، جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں لیکن نیکی کی اصل روح رَبّ سے محبت کا اظہار ہے محبت بھی اس انداز اور جذبۂ خلوص کے ساتھ کہ باریُ تعالیٰ کی رضا کے مقابلے میں دنیا کی کوئی متاعِ عزیز نہ ہو سب سے بڑی نیکی تو یہ ہے کہ مال و دولت اللہ کی راہ میں صرف کی جائے۔ گویا کمال و فضیلت محبوب چیز خرچ کرنے میں ہے تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھی بُری یا حقیر چیز، اللہ اُسے جانتا ہے اس کے مطابق ہی جزا پاؤ گے۔ جس چیز میں دل لگا ہوا ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نیکی کے حصول کا معیار ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا فرمان ہے''جو چیز آدمی اخلاصِ نیّت کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرے اگر چہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو اس سے بھی انسان عظیم ثواب اور بِرّ کامل کا مستحق سمجھا جاتا ہے'' جس کا اس آیت مبارکہ میں وعدہ کیا گیا ہے۔

آیت ۹۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ کھانے کی یہ تمام اشیاء جو شریعت محمدی ﷺ میں حلال ہیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں

اس آیت مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے حضورِ اکرم ﷺ سے کہا ''آپ دعوٰی کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اونٹ (شُتر) کا گوشت اور دودھ کھانے میں استعمال نہیں کرتے تھے، آپ کھاتے ہیں تو آپ ملّتِ ابراہیمی پر کیسے ہوا حضورِ پُرنُور ﷺ نے فرمایا ''یہ چیزیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حلال تھیں'' یہود دعوٰی کرنے لگے، یہ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی حرام تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی حرام تھیں اور ہم تک حرام چلی آرہی ہیں اس پر باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بتایا گیا کہ یہود کا یہ دعوٰی کذِب ہے بلکہ یہ تمام چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، اور یعقوب علیہ السلام پر حلال تھیں اس آیتِ مبارکہ میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے یہ چیزیں شریعتِ ابراہیمی میں حرام تھیں' بلکہ انہیں تو حضرت اسرائیل جن کا نام یعقوب علیہ السلام ہے نے بعض اطباء کے مشورے سے استعمال کرنا چھوڑ دیا بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کے مرض میں مبتلا تھے اس لئے بطورِ احتیاط انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ کا استعمال ترک کر دیا تھا، یہ حرمت ان کی اولاد میں باقی رہی' یہود نے اس کا انکار کیا تو آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ''تورات اس مضمون پر ناطق ہے'' اگر تم اس بات کو نہیں مانتے تو تورات لاؤ، اس پر یہود کو رُسوائی کا خوف ہوا انہیں پتہ تھا حقیقت حال عیاں ہو جائے گی لیکن انہیں جرأت نہ ہوئی کہ کتاب لاتے' انکار کذِب ظاہر ہو گیا اور انہیں نَدامت اٹھانی پڑی۔ (بحوالہ روح المعانی، بروایت واحدی کلبی)

آیت ۹۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اس کے بعد جو لوگ باری تعالیٰ پر جُھوٹ، بُہتان باندھتے ہیں حقیقتِ اظہار تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا شمار ظالموں میں ہے۔

آیت ۹۵ میں اظہارِ بیان وضاحت کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ رَبّ کا فرمان سچّا ہے اور صادق ہے تمہاری تعریف کچھ کام آنے کی نہیں تم تو ''دینِ حنیف'' یعنی ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کو اپنا شعار بنالو، اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام مُشرک نہ تھے۔

آیت ۹۶ میں اظہارِ دعوتِ عملی ہے اور وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مُقرّر کیا گیا وہی ہے جو مکّۃ المکرّمہ میں ہے اس کی برکتوں کا کیا شمار، اس کی برکتوں کا اندازہ تو یہ لگایئے' اس میں ایک نماز ادا کی جائے تو ایک لاکھ نماز کا ثواب عطا ہوتا ہے۔ (بحوالہ ابنِ ماجہ) ایک قرآن پڑھا جائے تو لاکھ قرآن پڑھنے کا اجر ہے (بحوالہ ضیاء القرآن) اور اس کے گھر میں حج' عمرہ ادا کرنے والوں اور اس کے گرد سعادتِ طواف حاصل کرنے والوں پر باری تعالیٰ کی رحمت باراں، رحمتِ کرم کی جو بارش ہوتی ہے اس کا شمار ہی کیا۔ یہ اسی رسول ﷺ کا کعبہ ہے جو رحمۃ للعالمین کے مرتبے پر فائز ہیں کیا شان ہے رسالت مآب ﷺ کی اس لئے اُن کا کعبہ بھی تمام عالم کا قبلہ اور تمام تر عالمِ بَشریت کی عبادت کا مقام ہے اس سے جو پیام دنیا کو ملا اس میں رُشد و ہدایت کی روشنی موجود ہے۔

ذرا یہودیوں کا ایک اور اعتراض دیکھئے، یہود کا کہنا تم نے بیتُ المقدس کو چھوڑ کر کعبۃُ اللہ کو قبلہ کیوں بنالیا جبکہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا قبلہ بیتُ المقدس ہی تھا۔

بیہقیؒ نے اپنی کتاب ''دلائل النبوّۃ'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حضرت آدم و حوّا علیہا السلام کے دنیا میں جلوہ نما ہونے کے بعد رَبِّ جلیل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کو حکم صادر کیا کہ وہ بیتُ اللہ رکعبہ بنائیں اور اس کا طواف کریں ان سے کہا گیا کہ آپ اوّلُ النّاس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر اَوَّلُ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ہے سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

اس میں روشن رکھلی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) ہے اور یہاں جو داخل ہوا اس نے امن پایا، اور اللہ کا یہ حق لوگوں پر فرض ہے جو کوئی یہاں اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت (طاقت) رکھتا ہو، وہ بیت اللہ میں حج کے لئے حاضر ہو، اور جو اس کے بعد انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے اللہ کو سارے جہاں کے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ (۹۷)

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے! اے اہلِ کتاب! کیوں انکار کرتے ہو، اللہ کی آیات کا، اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ اعمال تم کرتے ہو! (۹۸)

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

اے محبوب (ﷺ)! کہہ دیجئے! اے اہلِ کتاب! تم کیوں روکتے ہو، اللہ کے راستے سے جو ایمان لاچکا، اس کی راہ ٹیڑھی (کجی) کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم خود، اس کے راہِ راست ہونے پر شاہد ہو! اور اپنے کرتوتوں سے اللہ کو بے خبر مت سمجھو! (۹۹)

اس آیتِ مبارکہ میں یہودیوں کے اس اعتراض، کہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیوں بنالیا ہے سورۃُ البقرۃ میں تو اس کی وضاحت کی جاچکی ہے اور پھر اس کا جواب دیا گیا کہ بیت المقدس کے بارے میں خود بائیبل کی شہادت موجود ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چارسو پچاس (۴۵۰) سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو تعمیر کیا۔ (بحوالہ بائیبل ا۔سلاطین، باب ۶، آیت ۱) اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے زمانے میں وہ قبلہ اہلِ توحید مقرّر کیا گیا۔ (بحوالہ بائیبل۔باب ۸ آیت ۲۹، ۳۰) تمام عرب اس بات پر متفق ہیں کہ کعبۃُ اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور وہ ایک محتاط اندازے کے مطابق آٹھ یا نوسو برس پہلے گذرے۔

ایک حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے معلوم کیا! دنیا کی سب سے پہلی مسجد کون سی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ''مسجد حرام'' پھر اس کے بعد کون سی مسجد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد ''بیت المقدس'' پھر معلوم کیا گیا ان دونوں کی تعمیر کے مابین کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''چالیس سال کا''

شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا

ع دنیا کے بُت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا اقبالؔ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے وہ لوگو! جوایمان لائے ہو! اگر تم ان اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ/فریق کا کہا مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد، تمہیں کافر، مرتد کر چھوڑیں گے۔(۱۰۰)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور کیونکر! ہوسکتا ہے کہ تم اب پھر کُفر کرنے لگو! جب کہ تم پر کہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے تو وہ پہنچادیا گیا سیدھی راہ ہدایت پر۔(۱۰۱)

الفاظ ومعانی آیت ۹۷ تا ۱۰۱

﴿ فِيْهِ ﴾ فی، میں۔ہ،اس،اس میں۔﴿ اٰيٰتٌ ﴾ نشانیاں ہیں۔﴿ بَيِّنٰتٌ ﴾ کھلی کھلی/روشن۔﴿ دَخَلَهٗ ﴾ اس میں داخل ہوا، دَخل، دُخولٌ، کے مطابق فعل ماضی کا صیغہ۔﴿ اسْتَطَاعَ ﴾ سے مراد لی گئی ہے زادِ سفر بھی ہو، راہ پُر امن ہو اور صحت ایسی ہو کہ سفر کی مشقتیں بھی سہہ سکے۔﴿ استطاعة ﴾ فعل ماضی کا صیغہ، استطاعت کہلاتا ہے وہ تمام اُمور جن میں اتحاد کمال موجود ہو جس کے سبب کوئی کام پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔﴿ حِجُّ ﴾ حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں شرعی معنیٰ قرآن میں بیان ہوئے ہیں طوافِ کعبہ، وقوفِ عرفہ ومزدلفہ۔﴿ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ جو کچھ اعمال تم کرتے ہو۔﴿ تَصُدُّوْنَ ﴾ تم روکتے ہو۔﴿ تَبْغُوْنَهَا ﴾ تم چاہتے ہو اس راہ کو۔﴿ عِوَجًا ﴾ کجی، ٹیڑھا۔﴿ تُطِيْعُوْا ﴾ تم کہا مان لوگے۔﴿ يَرُدُّوْ ﴾ وہ پھیر دیں گے۔﴿ كُمْ ﴾ تم کو۔﴿ يَعْتَصِمْ ﴾ وہ مضبوطی سے پکڑتا ہے، قواعد کے مطابق فعل مضارع ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۹۷ تا ۱۰۱

آیت ۹۷، اس آیتِ مبارکہ میں بیت اللہ، حرمِ کعبہ کی خصوصیات اور فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

اوّل)......اس میں اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اس جگہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس میں مقامِ ابراہیم ہے جب قرآن کا یہ حُکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو، ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى''

دوئم)......جو اس گھر میں داخل ہوا امن پا گیا، کوئی اس کو قتل نہیں کر سکتا، ساری دنیا کے مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو، اس میں جنگ وقتال، خُون ریزی یہاں تک کہ درخت کاٹنا بھی منع ہے۔(بحوالہ صحیحین) یہ آیتِ مبارکہ ہر استطاعت رکھنے والے کے لئے وجوبِ حج کی دلیل اور بُرہان ہے عورت کے لئے حج ادا کرنے کے لئے محرم بھی ضروری ہے (بحوالہ فتح القدیر) احادیثِ مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ حج، زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے یاد رکھئے! باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے کو قرآن نے کُفر بتایا ہے، جس سے حج کی فضیلت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔(بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

''وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ'' اور اگر کوئی اس کا انکار کرے تو ربّ جلیل تمام جہانوں سے بے نیاز ہے بلاشبہ حج کی فرضیت کا منکر تو کافر ہے ہی، اگر کوئی باوجود استطاعت کے حج ادا نہ کرے تو اس کا یہ عمل بھی کافرانہ ہے ہاں کوئی شرعی عذر ہو تو اور بات ہے اگر آپ نائبِ رسول امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول اور منشور کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کوئی آدمی

ایسا مقرر کروں جو ان لوگوں کا پتہ کرے جو باوجود استطاعت کے حج نہیں کرتے تو اُن پر یہ جذیہ لگایا جائے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں''

آیت ۹۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے اہلِ کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیات کا، آیات سے مراد وہ عقلی اور دیگر دلائل ہیں جس سے اسلام کی روح کی حقانیت اور محمد ﷺ کی تعلیمات کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے۔ (بحوالہ بیضاوی)

اس میں رحمۃ للعالمین کے مُعجزات قرآن الحکیم خُلقِ عظیم اور شریعت اسلامیہ کی افضلیت اور پاکیزگی اور اس کے علاوہ تورات اور انجیل کی کُھلی باتیں سب شامل ہیں۔ اے اہلِ کتاب! اب تم ہی بتاؤ! کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ اس روشن حقائق کو جانتے پہچانتے دیکھتے ہوئے ان کا انکار کرو؟ تم اپنی تحریف اور مکرُ وفریب کے ذریعہ چند لوگوں کو تو فریب میں مبتلا کر سکتے ہو، ذرا سوچو تو سہی! اس بزرگ و برتر، رَبِّ جلیل کو کیا جواب دو گے جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے دیکھ رہا ہے گویا وہ تمہارے ظاہر و باطن سے یکساں طور پر باخبر ہے۔

آیت ۹۹ میں اظہار بیان یہ ہے کہ اے اہلِ کتاب تم پر حق وانصاف اور صداقت کی تمام باتیں واضح کر دی گئیں ہیں حق، تو یہ تھا کہ تم خود ایمان لاتے مگر وائے رے تمہاری بدبختی! تم دوسروں کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہو، اور جانتے بوجھتے ہوئے حیلہ اور بہانہ ڈھونڈ کر لوگوں کو گُمراہ کرنا چاہتے ہو! اللہ تعالیٰ تمہارے کرتُوتوں سے قطعی بے خبر نہیں ہے؟ تم جانتے ہو یہ دینِ اسلام "حق" ہے اس کے داعی اللہ کے سچّے رسول ہیں، مسلمانوں سے خطاب ہے یہود و نصارٰی کی گُمراہیوں میں تمہارے لئے درسِ عبرت ہے اے مسلمانو! تم ان کے طور، طریق سے اپنے قلبِ نظر، ذہن رسا کو بچا کر رکھو! اگر تم نے ان کی خواہشات کی اتباع کی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ راہِ ہدایت پا کر بھی گُمراہی کا شکار ہو جاؤ گے۔

"وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ" اور تم خود اس کی سچّائی کے گواہ ہو۔ علاّمہ قرطبیؒ نے شہداء کا معنی عقلاء سے کیا ہے یعنی تم اہلِ دانش ہو بھلا تمہارے جیسا ذِی عقل، ذِی فہم، دانا بینا، اور زِیرک بھی ایسی حرکتوں کا مُرتکب ہو سکتا ہے جن کا انجام دنیا میں ذِلّت و بربادی اور آخرت میں رُسوائی اور ندامت ہو!

آیت ۱۰۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے اہلِ ایمان اچھی طرح سمجھ لو! اگر تم نے ان اہلِ کتاب میں سے کسی ایک گروہ، جماعت کی بات تسلیم کی، تو یہ تمہیں ایمان سے کُفر کی طرف پھیر لے جائیں گے تم یہودیوں کے مکر وفریب سے بچو! تم اُن کی سازشوں سے خبردار رہو! اور قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے اور محمد ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کہیں تم ان کے دامِ قفس، جال میں نہ پھنس جانا واقعہ [1] یہ ہے کہ یہ ایک یہودی شاس بن قیس مسلمانوں سے بُغض رکھتا تھا ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلے اَوس اور خزرج باہم گفت وشنید میں مصروف تھے وہ حاسد، بے چین و بے قرار ہو کر ان میں فتنہ وفساد ڈالنے کی کوشش میں منہمک رہا اس نے ایک نوجوان کو آمادہ کیا اور کہا چلو اُن کے درمیان جا کر جنگ بُعاث کی گُفتگو چھیڑو، یہ جنگ ہجرت سے قبل ان کے درمیان ہوئی تھی چنانچہ رزمیہ اشعار پڑھے گئے جذبات کی آگ بھڑک گئی امکان اس بات کا تھا کہ باہم قتال کی نوبت آجاتی اتنے میں آقا محمد ﷺ تشریف لے آئے اور انہیں سمجھایا تب جا کر اس شیطانی حرکت سے باز رہے۔ (بحوالہ ابنِ کثیر اور فتح الباری)

آیت ۱۰۱ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اللہ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرنا، اے مسلمانو! تمہیں کُفر و باطل کے نظریات کو اپنانے کی قطعی ضرورت نہیں! جبکہ قرآن الحکیم تمہارے پاس آ گیا ہے، محمد ﷺ کی تعلیمات اور ان کی پاکیزہ زندگی تمہارے لئے نمونہ ہے۔ ان ہدایات اور تعلیمات کو اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ سمجھو! تمہیں دنیا میں کوئی قوم سیدھے راستے صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی! "اُمّتِ اوسط" کا فریضہ ادا کرنا تمہارے لئے مشعلِ ہدایت و نُور ہے۔

[1] اس واقعہ کو روح المعانی میں بروایت ابن اسحاق بیان کیا گیا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے تم تو صرف مسلمان ہی کی حالت میں مرنا۔ (۱۰۲)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رَسّی کو مضبوطی سے تھام لو/پکڑ لو اور تفرقہ/پھوٹ نہ ڈالو، اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر کی ہے جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اُس نے تمہارے دلوں کے مابین اُلفت پیدا کر دی، تب تم ہو گئے اس کے احسان سے بھائی بھائی، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تم کو اُس سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی نشانیاں/آیات بیان کرتا ہے تمہارے لئے تاکہ تم راہِ ہدایت پر ثابت رہو۔ (۱۰۳)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ضرور ہونی چاہیے تم سے ایک جماعت، جو راغب کرے/دعوت دیتی رہے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے، بھلائی، فلاح کا اور بدی/بُرے کاموں سے منع کرتی رہے، اور یہی لوگ کامیاب اور کامران ہونے والے ہیں/فلاح و نجات پانے والے ہیں۔ (۱۰۴)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے باوجودیکہ اُن کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ (۱۰۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۰۲ تا ۱۰۵

﴿ اتَّقُوْا ﴾ ڈرو تم اللہ سے، لفظ تقویٰ عربی زبان میں اجتناب کرنے اور بچنے کے مفہوم میں آتا ہے تقویٰ کے کئی درجات ہیں ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے محفوظ رہنا ہے حق تقاتہ سے مراد ہے تقویٰ کا وہ درجہ حاصل کرو جو حق ہے تقویٰ کا۔ ﴿ حَقَّ ﴾ جیسا حق ہے۔ ﴿ تَمُوْتُنَّ ﴾ موت آئے تمہیں۔ ﴿ اعْتَصِمُوْا ﴾ تم مضبوطی کے ساتھ پکڑو، یہ اِعْتِصَام سے ہے جس کا مفہوم مضبوطی سے تھام لینے کے ہیں قواعد کے مطابق فعل امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ اَلَّفَ ﴾ اس نے محبت ڈالی یہ تَالِيْفٌ سے ہے جس کے معنی الفت پیدا کرنے کے ہیں قواعد کے لحاظ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ تَفَرَّقُوْا ﴾ جدا جدا ہونا۔ ﴿ بِحَبْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ کی رَسّی، یعنی وہ چیز جو مقصد تک پہنچنے کا موجب بنے۔ (بحوالہ علّامہ قرطبی) و الحبل الرسن و الحبل العهد، حبل کے معنی رَسّی کے ہیں اور عہد/وعدہ بھی، عربی محاورہ میں حبل "عہد" کو کہتے ہیں، حضور پُر نور سے روایت ہے حبل اللّٰہ القرآن۔ اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے۔

(بحوالہ روایت حضرت علیؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، اور حضرت ابنِ مسعودؓ)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا "كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ"

کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی رَسّی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

﴿اَعْدَآءً﴾ عَدُوٌّ، دشمن، اسم ہے۔ ﴿شَفَا﴾ کنارے، اسم ہے اس کی جمع اَشْفَاءٌ ہے۔ ﴿حُفْرَۃٍ﴾ ایک گڑھے کے قواعد کے مطابق حُفْرٌ سے مشتق ہے اسم ہے۔ ﴿تَکُنْ﴾ وہ ہوتی ہے یہ کَوْنٌ سے مضارع کا صیغہ۔ ﴿اَنْقَذَ﴾ اس نے بچایا۔ ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ نجات پانے والے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۰۲ تا ۱۰۵

آیت کریمہ ۱۰۲ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اے اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے اس کی وضاحت یوں سمجھئے کہ اسلام کے احکام اور فرائض کی تکمیل کے لئے پورے طور پر کی جائے اور منہیات کے پاس نہ جایا جائے ہر فرد اپنی اصلاح پر توجہ دے اور اصلاح کی شرطِ اوّل تقویٰ ہے گویا مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو نا قابلِ تسخیر بنانے کا ایک عمل اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے اور وہ ہے حقِ تقویٰ۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اَنْ یُطَاعَ فَلَا یُعْصٰی وَیُذْکَرَ فَلَا یُنْسٰی وَیُشْکَرَ فَلَا یُکْفَرَ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ"

اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے، ذکر کرے اور کبھی نہ بھولے شکر ادا کرے اور کبھی ناشکری نہ کرے۔ (بحوالہ بحرِ محیط)

شکر ادا کرنا خود ذکر ہی کا نام ہے اور ذکرِ دوام، دل کے ذکر کا نام ہے ذکرِ قلبی اُن فیوض و برکات کا نام ہے جو محمد ﷺ کی نسبت اور صحبتِ فیضِ عشق سے خلقِ خدا کو عطا ہو جائے۔ بات تو یہ سچ ہے نا! جب قلب کی گہرائی اور گیرائی میں ذکر کی کیفیت سما جائے تو اعضاء نافرمانی سے رک جاتے ہیں تقاضائے بشریت تو خطا کی طرف اُکساتی ہے تو دل پر چوٹ پڑ جاتی ہے تو فطری بات ہے رجوع الی اللہ کی سعادت ملتی ہے بقول حضرت بہار کوٹی ؒ۔

ع تم نے دل پر ڈالدی تھی اِک اُچٹتی سی نظر
عمر بھر میری نگاہوں سے دھواں اُٹھتا رہا

ائمہ تفسیر نے تقویٰ کے مفہوم کو یوں واضح کیا ہے حقِ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں کسی کی ملامت اور بُرائی کی قطعی فکر نہ کرے اور ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رہے اگر چہ کے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے میں اپنے نفس، اپنے والدین اور اپنی اولاد ہی کا نقصان ہوتا ہو۔

قرآن الحکیم کی ایک دوسری آیت میں ارشادِ ربانی ہے "اِتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" اللہ سے اتنا ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے۔

حضرت ابنِ عباس ؓ اور حضرت ابنِ طاؤس ؓ نے اس کی تفسیر اور تشریح کی وضاحت یوں کی ہے کہ دراصل حَقَّ تُقَاتِہٖ کی ایک ہی اصل وضاحت ہے گویا گناہ اور معصیت سے بچنے میں اپنی تمام توانائی اور طاقت کو بروئے کار لاؤ تو حقِ تقویٰ ادا ہو گیا۔ اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی توانائی اور طاقت کے ساتھ ڈرنے کا حق ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر)

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

تمہاری موت اسلام ہی پر آنی چاہیے اسلام کے سوا کسی حال پر موت نہ آنی چاہیے

موت بھی اسلام پر آئے اور تقویٰ کے اعلیٰ مقام کے حصول کی کوشش کرتے ہوئے انسان کو چاہیے کہ نہ صرف ایمان پر قائم رہے

بلکہ تا دمِ مرگ اللہ کے محبوب کی اطاعت میں کوشاں رہے، ہر لمحہ ہر لحظہ۔

آیت ۱۰۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور صلاحیت کو باہمی طور پر، مضبوط، مربوط اور ناقابلِ تسخیر بنانے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ باہمی اتفاق واتحاد اور ساتھ ساتھ تفریق واختلاف سے اجتناب۔

رزم گہہِ حیات میں، جہاں شکست وفتح، تعمیری وتخریبی عناصر، اور فنا وبقا کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ لامتناہی ہے یہ بات توامرِ حقیقت ہے کہ کوئی قوم عزت وافتخار اس وقت تک نہیں پاسکتی، جب تک کہ اس کے افراد کے مابین اتفاق واتحاد دائم اور قائم نہ ہو، اُمت مُسلمہ رُشد وہدایت کی "امین" ہے اُمت مُسلمہ کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ ہر باطل قوت سے ٹکرانا، صنم و بُت کدہ سے ٹکرا کر اُسے پاش پاش کرنا ہے اس لئے اس قوم کے قلب ونظر میں یہ جذبہ مُوجزن ہونا چاہئے کہ اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنا ہے۔

ع یقینِ محکم کو ساتھ لے کر عمل کی راہوں میں آنکلیئے
اگر ترقی کی آرزو ہے تو ہمارے کہے پر چلیئے

اِس آیتِ مبارکہ میں باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کے لئے باہمی طور پر متحد ہونے کا حکم دیا ہے۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبوط تھامو"

اللہ کی رسّی سے مراد قرآن الحکیم ہے حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس ایک جُملہ میں پُر حکمت اور حکیمانہ اُصول سمجھا دیا گیا ہے کہ ہر انسان پر یہ امر لازمی ہے کہ رَبّ کے عطا کردہ نظامِ حیات یعنی قرآن، فرقانِ حمید پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جائے سب مسلمان باہم اجتماعی طور پر متفق، متحد اور منظم ہو جائیں۔ بقول شاعرِ مشرق

ع ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر اقبالؔ

اللہ کی رَسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کا درس دے کر وضاحت کر دی کہ نجات کے دو اصول ہیں۔ اوّل تقویٰ، دوئم باہمی اتفاق واتحاد اور تفرقہ اور اختلاف سے بچنا "وَلَا تَفَرَّقُوْا" اور پُھوٹ نہ ڈالو، اور جُدا جُدا نہ ہو جانا، ورنہ فرقہ بندی ہے، کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کے اختلاف میں اُلجھن کو مرکزِ اطاعت اور محورِ عقیدت سے ہٹ جاؤ گے، اور یہیں سے اُمّتِ مسلمہ کے افتراق کے لئے فکر یہ بلکہ یوں کہیے شیطان شر انگیزی میں مبتلا کر دے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مُسلم اُمہ کی اجتماعی قوت وصلاحیت بھی متزلزل ہو جائے گی، اچھی طرح جان لیجئے کہ پوری ملت اور اُمت مُسلمہ کا اتفاق صرف اور صرف اسلام ہی کی اساس پر ممکن ہے نسبتی اور وطنی وحدت سے یہ کام نہیں ہو سکتا، قرآن مجید نے ان سب کو چھوڑ کر مرکزِ وحدت کی دعوت، حبل اللہ قرآنِ حکیم کو باری تعالیٰ کے عطا کردہ نظامِ محکم کو قرار دیا اور فیصلہ کر دیا کہ مومن ایک قوم ہے جو قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے اور دوسری قوم کافر ہے جو گمراہی میں مبتلا ہے، چنانچہ پارہ نمبر ۲۸ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سورة التَّغَابُنْ آیت نمبر ۲ میں ارشادِ رَبی ہے۔

هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط

"اُسی نے تم کو پیدا فرمایا، تم سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن"

اِس گفتگو کا مَاحصل یہ ہوا کہ جغرافیائی حدود، اور وحدتین قطعی اِس قابل نہیں کہ اُن کو مرکزِ وحدت سمجھا جائے، کیونکہ یہ وحدت تو

غیر اختیاری اُمور کی حامل ہے جن کو کوئی بشر اپنی کوشش اور عمل سے حاصل کرنے سے قاصر ہے، بھلا بتائیے تو سہی جو کالا ہے بھلا وہ گورا کیونکر ہوسکتا ہے، جو عجمی ہے وہ ہندی کیسے ہوسکتا ہے ان تمام تر وحدتوں کا دائرہ محدود ہے گویا انسان، تمام کائنات کو ایک وحدت پر جمع نہیں کرسکتا البتہ اس وحدت کا ہر ایک فرد و بشر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ حیات کے مطابق اپنے اعمال، اپنے اختلاف کی اصلاح کرلینے کے بعد اپنی دنیوی اور دینی زندگی کی سمت کو درست کرلے گا۔

قرآنِ مجید پر عمل کرنے کے لئے اس کا صحیح طور پر سمجھنا ضروری ہے یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ قرآن فہمی کو اُجاگر کرنے کے لئے سب لوگ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پر بااِیں ہمہ متفق ہوں تو یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ عملِ احسن ہے اور فطرت اور مزاجِ انسانی کے عین مطابق ہے اب رہا سوال یہ کہ یہود و نصاریٰ یا دوسرے مذاہب باطلہ بھی تو، اپنے اپنے مذہب اور دین کو باری تعالیٰ کی طرف سے بتاتے ہیں تو اس کا جواب! بڑا سہل ہے کہ نہ کوئی خاتم النبین ﷺ کی نظیر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور نہ کتاب اللہ کی مثال، قرآنِ مجید نے واضح طور پر بتادیا ہے اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ! ذرا جذبات اور احساسات سے ہٹ کر غور و فکر کوئی کرے تو اُسے یہی ''مینارۂ نور'' دیکھائی دے گا۔

تعلیمات قرآن فرائض نبوت میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق، عمل کرنا ہی اصل اتفاق ہے اور یہی عمل راہِ ہدایت کی تکمیل ہے ورنہ اختلاف رائے پیدا ہوگا، جس سے رَبِ جلیل نے منع کیا ہے ارشادِ رَبّی ہے یہود و نصاریٰ کی طرح دین میں نا اتفاقی مت کرو، علاّمہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اعتقاداً اور عملی طور پر، کتاب و سنّت کو مضبوطی سے تھام لیں ہمارے اتحاد کا مُوجب صرف یہی ہے اور صرف اسی نوعیت سے اتفاق و اتحاد کی نعمت مل سکتی ہے جس سے ہمارے دین و دنیا کے حالات بہتر اَنداز میں سنور سکتے ہیں''۔

(بحوالہ تفسیر قرطبیؒ)

اچھی طرح سمجھ لیجئے! افتراق اور انتشار اور نا اتفاقی کسی قوم کی ہلاکت اور بربادی کی دلیل ہے اسی لئے قرآنِ پاک میں بار بار، مختلف انداز، اسالیب اختیار کرکے اس کی ممانعت فرمائی ہے چنانچہ پارہ نمبر ۸ وَلَوۡ اَنَّنَا سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۹ میں ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال کر جُدا جُدا کردیا اور کئی کئی فرقے رگروہ در گروہ بن گئے، اے نبی (ﷺ!) آپ کا اُن سے کسی چیز میں بھی تعلق نہیں رہا۔ آیت نمبر ۱۵۹ سورۃ الانعام

انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کے واقعات کو بیان کرکے بتایا گیا کہ کس نوعیت سے وہ اُمتیں آپس میں نا اتفاقی اور شقاق کے سبب، مقصد زندگی سے انحراف کرتے ہوئے دنیا و آخرت کی ذِلّت و رُسوائیوں میں مُبتلا ہو چکی ہیں۔

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ ''اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے''

تم آپس میں عُدو ر دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے قُلوب میں اُلفت ڈال دی، اللہ تعالیٰ کے احسان کے سبب تم بھائی بھائی بن گئے، اس آیتِ مبارکہ میں سب سے پہلے مخاطب صحابۂ کرامؓ پھر ساری انسانیت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب! ﷺ کی برکت اور

فیضانِ نگاہِ کرم سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، رحمتِ باری تعالیٰ کی کرم نوازی تو دیکھئے! اُس نے تمہیں آتشِ دوزخ میں گرنے سے بچالیا۔

ذرا ان احسانات اور نعمتوں کو تو یاد کرو رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی ہر طرف تشدّد تھا ظلم ہی ظلم تھا، تاریکی تھی، یہ تھا دنیا کا عالم، عالمِ اسلام سے پہلے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرزمینِ عرب ایک کوہ آتش فشاں تھی جس میں ہر لمحہ ہر لحظہ، ہر ساعت، ہر گھڑی، بُغض وعِناد کی فضا تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا جانی دشمن تھا، جذبات کا ہیجان تھا، نفرت کا بازار گرم تھا، جنگ وجدال کی فضا تھی، نہ کسی کی جان محفوظ تھی نہ کسی کا مال، بنی اُوس وخزرج میں جنگ کا سلسلہ ایک سو بیس (۱۲۰) برس جاری رہا، غرض میں کیا بتاؤں، دنیا کی کیسی غیر حالت تھی، اُسے ایک ہادیٔ اعظم کی شدّت سے ضرورت تھی، وہ ہادی برحق، حضور پُرنور ﷺ جلوہ فگن ہوئے تو نورِ سرِ ورکی شمع رسالت فروزاں / روشن ہوئی، رحمتِ باری تعالیٰ نے اَبرِ کرم برسایا، ظلمت کی تاریکی دُور ہوئی فضائے بسیط پُرنُور کے بادل سایہ فگن ہوئے آمدِ مصطفیٰ ﷺ نے کائناتِ عالم کو اپنے نُور کے دامن میں سمیٹ لیا عداوت نے اُلفت کی جگہ لی، وحشت نے اطمینان کی جگہ لی، ایک انقلاب نو آیا، جس نے سرزمینِ عرب کو پیامِ امن، پیامِ راحت اور پیامِ سکون دیا، اب آپ خود ہی بتایئے وہ کون لوگ تھے جن کو نبی اکرم ﷺ نے شیر وشکر کیا۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور دلوں کو محبت سے بھر دیا، کائنات کی یکسر فضا تبدیل ہوگئی عرب کے متفرق لوگ، اسلام کی سیسہ پلائی دیوار بن گئے، یہ محبّت، یہ خلوص، یہ ایثار، یہ نعمت، یہ رحمت، یہ برکت اور انعام برکاتِ رسول اللہ ﷺ میں سے تھا کہ تم سب اُخوّت کے رشتے میں آکر بھائی بھائی ہوگئے جہاں جہاں اسلام کی شمع روشن ہوتی گئی رحمتِ باری تعالیٰ کا انعام ملتا گیا ذرا غور تو فرمایئے آج تک محبت واخلاص ایثار اور جذبۂ محبت صرف اور صرف اسلام کی برکات میں سے ہے اس بات کو حرزِ جان سمجھئے کہ جہاں دل اللہ جلِ شانہٗ کے لئے ملتے ہیں زمانے کا کوئی انقلاب ان میں تفرقہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اِس گفتگو کا ماحصل کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اس کی اطاعت اور تابعداری کا مظہر ہے، نافرمانی اور مَعصیت کے ساتھ یہ انعام حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لئے اب یہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ اطاعت اللہ، اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنالیں تاکہ ہم لوگ صحیح راہ پر رہیں اور ہدایت پر ثابت قدم رہیں۔

آیت ۱۰۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ ضرور ہونی چاہئے ایک جماعت تم میں سے جو نیکی کی طرف راغب کرے اور فلاح کا پیام دے اور بُرائی اور مَعصیت سے روکے ایسے ہی لوگ کامیابی کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ "دینِ حنیف" جس نے عالمِ بشریت کی تقدیر کا رُخ بدل دیا دینِ اسلام کی ترویج، ترقی، تبلیغ واشاعت کا کام ایک دینی فریضہ ہے اس ملّتِ مسلمہ کے افراد کا کام ہے اس پیغامِ رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردیں تو یہ عالم گیر پیغام رُشد وہدایت، اور ایمانی فراست، قلبی بصیرت وبصارت کی روحانی تربیت سے کُفر کے ظلمت اور قوّت باطل کو مُسخر کرتی رہے گی اور حق کی روشنی اسلام کے نُور سے روشن وتاباں رہے گی۔

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

"وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ" "ضرور ہونی چاہئے تم سے ایک جماعت" کس قدر لطیف اشارہ ہے کہ ایک جماعت کا وجود نا گزیر ہے پھر اس جماعت کے بعض اہم اوصاف کی نشاندہی ہے کہ "يَدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ" وہ بھلائی کی طرف راغب کرے" یعنی دعوت اِلی الخیر اس کا مقصد عظیم ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے "خیر" سے کیا مراد ہے حضرت محمد ﷺ نے اِس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔

"اَلْخَیْرُ هُوَ اِتِّبَاعُ الْقُرْاٰنِ وَ سُنَّتِیْ"

یعنی خیر سے مراد قرآن الحکیم اور محمد ﷺ کی سنت کی پیروی ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

جب کوئی قوم اس مقصدِ اعلیٰ، دعوتِ عمل خیر پر اپنی فکر و نظر مرکوز رکھے اور یہ جان لے! کہ ہمیں علمی بصیرت اور عملی لحاظ سے اقوام عالم پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور اقوام کی تربیت اور احیائے تہذیب ہماری ذمہ داری ہے تو اس کی نا اتفاقی اور افتراق کا یکسر سلسلہ ختم ہو جائے گا، اور پوری قوم اپنے مقصدِ اعلیٰ پانے کے حصول میں لگ جائے گی اب تو یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جانی چاہئے کہ رسول اللہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز اسی میں مُضمر تھا حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے یہ آیت "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا هُمْ خَاصَّةُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یعنی" یہ بالخصوص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے کیونکہ اِن نفوسِ قدسیہ کا ہر بشر اپنے آپ کو "دعوتِ الخیر" کا ذمہ دار جانتا ہے" (بحوالہ ابن جریر)

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تمام اُمت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا اور دیگر اُمتوں پر افضلیت کا موجب بھی اس خاص کام کو بتلایا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْلَیُوْشَكَنَّ اللّٰهُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ فَلَا یَسْتَجِیْبُ لَكُمْ

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم ضرور نیکی کا حکم دو اور بُرائی کے کاموں سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے ساتھ تم سب پر اپنا عذاب بھیج دے، اُس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی"

"وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں" فلاح وسعادتِ دارین انہی کے نصیب کا حصّہ ہے۔

آیت ۱۰۵ر میں اظہارِ بیان ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے روشن دلائل آنے کے بعد تفرقہ ڈالا، اختلاف کیا مطلب صاف ظاہر ہے یہود و نصارٰی کی روش پر مت چلو، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ مسلمانوں کو گروہ بندی اور اختلاف رائے سے دُور رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ گروہ بندیوں اور افتراق اور انتشار کی لعنت میں مُبتلا قوموں کی "حکایتِ خونچکاں" بڑی عبرت ناک اور الم ناک ہے، عجیب داستان ہے کہ یہود و نصارٰی اپنے اپنے دین کے اصولوں کو ترک کر کے فروعی اور جزوی مسائل میں اِس قدر اُلجھ گئے کہ جس کے سبب اُن پر کُفر کے فتوٰی لگائے جاتے اور وحدتِ ملّت کو انتہائی بے رحمی سے پارہ پارہ کر دیا جاتا۔

تاریخ کے آئینہ میں اگر ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو پتہ چل جائے گا ایک ہی سب کا نبی ﷺ، دین بھی ایک، قرآن بھی ایک، کیا عجب بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک، لیکن ہمارے ساتھ بھی معاملہ کچھ اور ہے فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں۔

اِن آیاتِ کریمہ میں بتایا جا رہا ہے تفریق، نفاق اور اختلاف نے سابقہ قوموں کو تباہ و برباد کر دیا ان سے عبرت سیکھو، میں تو آپ سے عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں بقول شاعرِ مشرق اور اپنے میں یہ مرض پیدا نہ ہونے دو۔

ع بُتانِ رنگ و بو میں کھو کر ملّت میں گُم ہو جانا

نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی اقبالؔ

آج ہم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں منقسم کر رکھا ہے ہماری قوم کو علماء سوٗ نے نفرت اور عداوت میں مبتلا کر کے بُغض، کدورت کی دیوار کھڑی کر دی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایمانی فراست اور قلبی بصیرت و بصارت کے ساتھ، تمام اختلافات کو بُھلا کر قرآن کی تعلیمات پر یکسوئی کے ساتھ عمل کریں اور رسول اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات پر سُنّتِ نبوی کے مطابق عمل پیرا ہو جائیں اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے رَبّ کی شانِ کریمی جب چاہے "بُرتوئے چشم زدن" میں ہماری آنکھوں سے ظلمت و تاریکی کا پردہ ہٹا دے اور ہماری زندگی کو صراطِ مستقیم کی طرف گامزن کر دے، اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ آمین یا رَبَّ العالمین۔

''وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا ہی عذاب ہے'' اس عذابِ عظیم کا چشم دید مشاہدہ ہم کر رہے ہیں کُفر، اِلحاد، دَہریت کے طوفانِ بلا نے ہمارے اساسی عقائد میں شگاف ڈال دیا ہے اَخلاقی اِنحطاط، معاشی بدحالی، معاشرتی طرزِ فکر نے ہماری تہذیب و تمدّن کو گہوارۂ عزیمت بنا ڈالا ہے'' تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنَم اور مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اوڑ" کے مصداق، نظامِ اشتراکیت Socialis i m (سوشلزم)، اور نظامِ سرمایہ داری Capitalisim (کیپیٹلزم) کا سیلاب ہے کہ ہمارے در و بام کی طرف اُمڈتا چلا آ رہا ہے اور ہم ان اسلام دشمن تحریکوں کے مہلک اثرات بخوبی سمجھ رہے ہیں یہ سب کچھ ہماری نظروں کے سامنے ہو رہا ہے ہم گروہی نظریات اور مفادات میں اس قدر آب گم کی طرح گُم ہیں کہ اسلامی نظامِ زندگی کا چمنستان، رنگ و بو کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور ہم خاموش محوِ تماشائی بنے بیٹھے ہیں'' وائے رے ناکامی'' کہ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا'' کسی قوم کے لئے بے حسی اور بے بسی سے بڑھ کر کون سا عذاب ہے بتائیے تو سہی، ہمارا عالم تو یہ ہے کہ فضول باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ ہمیں اِس فریضہ کا احساس ہی نہیں رہا جو باری تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا تھا اور نہ ہی ہمیں عقیدہ و اخلاق کے اُن اساسی اصولوں سے کوئی لگاؤ ہے جن پر دراصل انسان کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے اے اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما!۔ کیا بتاؤں عالمِ بشریت کی زَد میں ہے گردوں!

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

وہ دن ہوگا کہ بہت سے چہرے روشن ہوں گے، بہت سے چہرے کالے رسیاہ پڑ چکے ہوں گے، سیاہ چہرے والوں سے کہاجائے گا کہ کیاتم ایمان کے بعد منکر ہو چکے تھے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا۔ (۱۰۶)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور جن کے چہرے روشن ہو چکے ہوں گے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے۔ (۱۰۷)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اے نبی ﷺ! یہ اللہ کی آیات ہیں، حق کے ساتھ ساتھ آپ کو ٹھیک ٹھیک ہم پڑھ کر سناتے ہیں کیونکہ باری تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ (۱۰۸)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۱۰۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۰۶ تا ۱۰۹

﴿ تَبْيَضُّ ﴾ وہ سفید ہوگی، بَیَضَ سے فعل مضارع کا صیغہ، قواعد کے مطابق، جمہور مفسرین کا قول ہے سفیدی سے مراد نورِ ایمان کی سفیدی ہے یعنی اہلِ ایمان کے چہرے نورِ ایمان سے روشن روشن خنداں خنداں ہوں گے۔ ﴿ تَسْوَدُّ ﴾ وہ سیاہ ہوگی، اِسْوَدَّ سے فعل مضارع کا صیغہ، قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿ وُجُوْهٌ ﴾ منہ ر چہرے۔ ﴿ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اہلِ سنّت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہلِ بدعت کے سیاہ ہوں گے۔ (بحوالہ ابن کثیر و فتح القدیر) حضرت عطا کا فرمان ہے مہاجرین اور انصار کے چہرے سفید ہوں گے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (بحوالہ علامہ قرطبی) حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سیاہ چہرے اہلِ کتاب کے اُن لوگوں کے ہوں گے جو محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے تو آپ ﷺ کی تصدیق کرتے تھے مابعدہٗ آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو تائید و نصرت کے بجائے اُلٹی تکذیب کرنی شروع کردی۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی)۔ ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ چکھو تم عذاب۔ ﴿ ابْيَضَّتْ ﴾ سفید ہوئے، دمکنے لگے، یہ بَیَضَ سے فعل ماضی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات میں آنکھوں کے سفید ہونے کے معنی میں مستعمل ہے یہاں چہرے کے روشن تاباں ہونے اور دمکنے کے معنی میں آیا ہے ﴿ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ سو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۰۶ تا ۱۰۹

آیت ۱۰۶ رمیں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یومِ قیامت قلب کی کیفیت چہروں میں نمایاں ہوگی، جن کے دل نورِ ایمان سے منوّر اور تاباں ہوں گے تو روزِ محشر اُن کے چہرے چندے آفتاب اور چندے مہتاب کی طرح روشن ہوں گے اور جن کے باطن میں ظلمت اور گمراہی کی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی اس دن اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے اہلِ ایمان پر فرحت و سرور اُن کی کامیابی اور نجات پانے کے سبب ہوگی، اطاعت اللہ سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ قلب کی گہرائی اور گیرائی میں نور کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے اور ماحول

کو بھی اپنی قوت کے لحاظ سے متاثر کرتا ہے اور پھر تمام فضائے بسیط اس سے مُنوّر ہو جاتی ہے اور کُفر کرنے والے فسق و فجور اور رحمتِ باری تعالیٰ سے محرومی کی بناء پر غم و اَندوہ میں مبتلائے بلا ہوں گے، جس کے اثرات اُن کے سیاہ چہروں پر نمایاں ہوں گے، سیاہ چہرے والوں سے کہا جائے گا تم ایمان لانے کے بعد کُفر کے مرتکب ہوئے تو اب کُفرانِ نعمت کے صلے / بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو!

آیت ۱۰۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے اس میں قیام پذیر ہوں گے، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رحمت سے مراد بہشت ہے یہاں بھی ظاہری طور پر بہشت کو رحمت سے تعبیر کرنے میں ایک حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی نیک، پارسا، متقی، عابد، زاہد کیوں نہ ہو جنت میں مقام محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی پائے گا کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ عبادت کی سعادت بھی توفیقِ باری تعالیٰ کا انعام ہے اس لئے صرف عبادت کرنے سے جنت نہیں ملے گی بلکہ جنت میں داخلہ تو رَبّ کی عنایت اور رحمت ہی سے ہوگا۔ (بحوالہ تفسیرِ کبیر)

آیت ۱۰۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں رَبِّ جلیل کی طرف سے دلائل ہیں حق کے ساتھ ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، اب خلقِ خدا کا کام ہے کہ ان سے ہدایت پائے، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کے ساتھ زیادتی ہو یا کسی کے اعمال کو ضائع کردے یہ اور بات ہے کہ لوگ خود اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں مزید اضافہ کرتے ہیں، جہاں والوں پر ظلم کرنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں! اس لئے ان کو راہِ ہدایت دکھائی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بھی انہیں پہلے آگاہ کئے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے جُرم عذاب نہیں دیتا اور کسی کی نیکی کا اجر کم نہیں کرتا، اس کے بعد بھی جو لوگ کج روی کرتے ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے ہدایت نہیں پاتے وہ خود اپنے آپ پر ظلم کریں گے۔

آیت ۱۰۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ ارض و سماء کی تمام چیزوں کا مالک کل اللہ تعالیٰ ہے اور تمام تر معاملات رَبّ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں گویا تمام اُمور اسی کی طرف پلٹتے ہیں یعنی حقیقی فیصلہ بھی جملہ تمام کاموں کا اللہ تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور تو صاحبِ اختیار نہیں۔ اور کیا عرض کروں۔

ع یہ اپنا کام ہے دستِ طلب دراز رکھیں
یہ اُن کا کام ہے جب چاہیں مُستجاب کریں

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾

تم ایک بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے ظاہر کی گئی رُبھیجی گئی عالم میں، بھلائی کا حکم کرو گے، اور بدی سے روکتے رہو گے اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہلِ کتاب بھی ایمان میں آجاتے تو اُن کے حق میں اچھا ربہتر تھا، ان میں کچھ ایمان والے ہیں اور زیادہ تر ان میں سے نافرمان رفاسق ہیں۔ (۱۱۰)

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾

ایسے لوگ تم کو معمولی ستانے کے سوا، اور کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر لڑائی کا موقع آجائے تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر اُن کی امداد نہ کی جائے گی۔ (۱۱۱)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

اُن پر مُسلّط کر دی گئی ذِلّت اور رُسوائی، جہاں بھی پائے جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رَسّی میں ڈھیل کے طفیل میں اور کبھی لوگوں کی تعلق کی بناء سے بچ گئے تو اور بات ہے، یہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے، حاجت مندی رمحتاجی اور ناداری اُن پر مُسلّط کر دی گئی، یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کُفر کرتے تھے، اور نبیّوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، یہ اس واسطے کی نافرمانی کی انہوں نے، اور حد سے نکل گئے یعنی یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔ (۱۱۲)

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾

ہاں! مگر ان میں سب ایک جیسے نہیں، ایک گروہ اہلِ کتاب میں ایسا بھی ہے جو حق پر قائم ہے اللہ تعالیٰ کی آیات کی رات کے اوقات میں تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے رہتے ہیں۔ (۱۱۳)

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾

یہ اللہ تعالیٰ پر، اور یومِ قیامت پر ایمان بھی رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ایسوں ہی کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ (۱۱۴)

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

اور جو بھی نیک کام وہ کریں گے اُن کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کو خوب جانتا ہے۔ (۱۱۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۱۰ تا ۱۱۵

﴿كُنْتُمْ﴾ تم ہو۔ ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ بہترین اُمّت، یعنی جس قدر اُمّتیں صفحۂ ہستی پر ظہور پذیر ہوئیں ان سب سے تم افضل ہو، اس کی علت کو یوں بیان کیا کہ جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے جو اعجاز تمہارے امر بالمعروف کا ہے جو جلال اور اکرام تمہارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو ایمان تمہارے ایمان باللہ میں مُضمر ہے وہ تم سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں اُمّت

محمد یہ ﷺ کو "خیر الامم" کے عظیم لقب سے نوازا۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں ارشاد ہوا۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اس طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا۔ (پارہ سیقول سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳)

﴿ تَاْمُرُوْنَ ﴾ تم حکم کرتے ہو، یہ اَمْرٌ سے فعل مضارع ہے۔ ﴿ اَلْمَعْرُوْفِ ﴾ نیک کام، اسم ہے۔ ﴿ اَلْمُنْكَرِ ﴾ برا کام، اسم ہے ﴿ اَذًى ﴾ خفیف تکلیف۔ ﴿ ضُرِبَتْ ﴾ مار پڑی۔ ﴿ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ﴾ اُن پر ذِلّت / رسوائی، اگر کوئی جابر کسی کی دولت / ثروت چھین لے اور اُسے ذلیل اور رُسوا کرے تو اُسے ذلّت کہا جاتا ہے، یہود کو ان کے گناہوں کے سبب دو قسم کی سزائیں ملیں، اوّل: تو ان کو عزّتِ نفس سے محروم کیا گیا۔ دوئم: باوجود صاحبِ ثروت ہونے کے ایک ایک پائی کی خاطر جان دیتے ہیں اور ایسی ذلیل حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو کوئی صاحبِ غیرت انسان دیکھنا تک گوارہ نہیں کرتا، یوں سمجھئے بحیثیت قوم ذلیل و خوار ہی رہے۔ ﴿ ثُقِفُوْٓا ﴾ وہ پائے گئے، یہ ثَقْفٌ سے ہے قواعد کے مطابق فعل ماضی مجہول کا صیغہ، مذکر غائب۔ ﴿ يُوَلُّوْ ﴾ پھیرے جائیں۔ ﴿ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾ محتاجی ان پر ناداری، اکثر اوقات انسان اس قدر افسردہ دل ہو جاتا ہے وہ اہلِ ثروت ہونے کے باوجود اپنے کو نادار / محتاج اور فقیر اور جاہ ومنصب کے حصول کے بعد بھی اپنے آپ کو کم تر جانتا ہے اس حالت کو عربی میں مَسْکَنَت کہتے ہیں۔ ﴿ بَآءُوْ ﴾ مستحق ہوئے۔ ﴿ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کسی عہد و پیمان سے لوگوں کی، مراد یہ لی گئی ہے کہ کوئی دوسری قوت / طاقت ان کی پشت پناہی کرے تو اس سہارے کی وجہ سے انہیں طمانیت مل سکتی ہے گویا لوگوں کا دستِ نگر ہو جانا / لوگوں کا دستِ نگر ہونا۔ ﴿ اَعْصَوْا ﴾ انہوں نے نافرمانی کی، مَعْصِيَةٌ اور عِصْيَانٌ سے ہے فعل ماضی کا صیغہ۔ ﴿ اٰنَآءَ الَّيْلِ ﴾ رات کے وقت اسم ہے۔ ﴿ يُسَارِعُوْنَ ﴾ وہ دوڑتے ہیں یہ مُسَارَعَةٌ سے مصدر ہے جلدی کرتے ہیں، فعل مضارع جمع مذکر غائب۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۱۰ تا ۱۱۵

آیت ۱۱۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ کو "خیر اُمت" کے لقب سے سرفراز کیا گیا تمہیں قرآنِ حکیم جو سب کتابوں سے اعلیٰ اور افضل ہے عطا ہوا تمہاری رُشد و ہدایت کے لئے تمہاری اصلاحِ نفس کے لئے حضرت محمد ﷺ جو ختم الرسُل ہیں کو بھیجا گیا، آپؐ کی برکت اور فیوضِ کرم سے کتابُ اللہ کو سمجھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے یہ ایک ایسی سعادت بابرکت ہے کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، "اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ "میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کردی، تم ہی بہترین لوگ ہو، تمام نعمت یہ ایسا انعام ہے جس کی حدود کا تعین کرنا انسان کے بس کا کام نہیں، دوسری قوموں کے فیضانِ ہدایت سے تو صرف ایک مخصوص طبقہ، ایک گروہ، ایک مقرّرہ وقت تک استفادہ کرسکتا ہے لیکن اُمّت محمد ﷺ کا فیضِ جودوسخا، اور رحمتِ کرم جاری وساری ہے تمہاری برکتیں صرف اپنے لئے، صرف اپنوں کے لئے نہیں، سب کے لئے عام ہیں، یہ وہ اعزاز ہے جو کسی کو پہلے نصیب نہیں ہوا، یہ عطائے ربِّ جلیل ہے "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "جو ظاہر ہوئی لوگوں کی ہدایت، فلاح و صلاح کے لئے میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اُمّت محمد یہ ﷺ کی افضلیت اس انداز میں بیان ہوئی ہے، کہ "یہ خلق اللہ" کو نفع دینے کے لئے وجود میں آئی ہے اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خلق اللہ کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی تربیت وفکر، اس کے فریضۂ منصبی ہے تاریخ شاہد ہے سب اُمتوں سے زیادہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" نیکی کرو اور نیکی کا حکم دو، کی تکمیل اس اُمت کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اُمّت محمدیہ ﷺ کے بارے میں رحمتِ عالم ﷺ کی یہ پیشگوئی ہے،

''اس اُمّت میں تا قیامت ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا رہے گی''۔

اِس اُمّت کو وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ''اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو'' سوال پیدا ہوتا ہے ایمان باللہ تو تمام پچھلے نبیوں کی اُمتوں کا وصف مشترک ہے گویا اصلِ ایمان تو سب میں مشترک ہے مگر کمالِ ایمان، درجۂ ایمان اس اُمّت کو عطا ہوا وہ اسی کا حصہ رخاصہ ہے قرآن پر نگاہِ توجہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام اُمتوں نے دنیا میں اپنے لئے چیزیں طلب کیں یہ جرأتِ عظیم اس اُمّت کو نصیب ہوئی کہ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب رہے اور اللہ سے اللہ ہی کو مانگا، ان کی نگاہ غیر اللہ پر نہیں ٹھہری۔

سوال کا جواب مل گیا اصلِ ایمان تو سب میں مشترک ہے مگر کمالِ ایمان کے درجات الگ الگ ہیں اُن میں اُمّت محمدیہ ﷺ کو جو درجہ حاصل ہے وہ پچھلی اُمتوں کے مقابلے میں خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

سابقہ اُمتوں کے لوگ ایک دوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے چنانچہ پارہ ۶ / لَا یُحِبُّ اللّٰہ، سُورَۃُ الْمَائِدَۃ آیت ۷۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ''

''اللہ تعالیٰ کے ناپسند کاموں سے منع نہیں کرتے تھے خود ہی اس میں مبتلا تھے''

''وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ'' ''اور اگر یہ اہلِ کتاب رمراد بنی اسرائیل ایمان لاتے تو یہ ان کے ہی حق میں اچھا تھا'' اگر چہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں آیت کے آخر میں اہلِ کتاب کے بارے میں بتایا گیا کہ اُن میں کچھ مسلمان ہیں یعنی وہ لوگ جو رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لاتے تھے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ایمان جو اُمّتِ محمدیہ ﷺ کو نصیب ہے کمالِ ایمان ہے دل کو ماسوا سے پاک رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت اور رغبت جما دینا کہ دنیا کی غرض باقی رہے نہ دنیوی طمع ہر قدم، ہر سمت صرف اور صرف رَبّ کی رضا کے لئے اسی کی طلب میں اُٹھے۔

آیت ۱۱۱ر میں اظہارِ بیان ہے کہ وہ اہلِ کتاب تم کو ہرگز ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہ اور بات ہے کہ زبانی بہتان تراشی اور ہلکی سی اذّیت دیں اس سے زیادہ ان کی جرأت نہیں، تاہم میدان کارزار میں یہ تمہیں شکست تو دے نہیں سکتے، تم سے مقابلہ ہوگا تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے اور کسی جانب سے ان کی مدد بھی نہ ہوگی تاریخ عالم کے صفحات پر نظر ڈالئے تو پتہ چلتا ہے مدینہ منورہ سے بھی یہودیوں کو نکلنا پڑا، مسلمانوں کا عزمِ صمیم دیکھئے! فتح خیبر مقدر بنا، کُفّار وہاں شکست سے دوچار ہوئے، شام کے علاقہ میں بھی عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھانی پڑی، غزوۂ خندق میں انہوں نے تمام جزیرۃ العرب کو یکجا کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ٹھانی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہمیشہ ذَلیل و رُسوا کیا۔

آیت ۱۱۲ر میں اظہارِ بیان ہے کہ یہودیوں پر ذِلّت اور رُسوائی مُسلّط کر دی گئی ہے خواہ یہ کہیں بھی ہوں۔ ''ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ'' یہودیوں پر ذِلّت و مَسکنت باری تعالیٰ کے عتاب کا نتیجہ ہے، اس عارضی طور پر بچاؤ کی دو اشکال ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں اور قتل سے باز آجائیں جس کی صحیح صورت یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں، دوسرے ''بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ'' یعنی لوگوں سے تعلق اور صُلح معاہدہ کے سبب ان پر ذِلّت و خواری ظہور پذیر نہ ہو اور لوگ مسلمانوں سے معاہدہ صُلح کر کے بے فکر ہو جائیں۔

ذرا یہودی معاشرے کی پوری تصویر پر نظر تو ڈالئے نزولِ قرآن سے لے کر اب تک رسوا ہیں حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت

حال کا نقشہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اہلِ یورپ، امریکہ، برطانیہ اور روس کی ایک مشترکہ چھاؤنی ہے اور اسرائیل حکومت کی قوت کا انتظام اور انصرام جو کچھ ہے وہ سب کچھ غیروں کے بل بوتے پر ہو رہا ہے یہ سب کچھ یہودیوں کے کرتوت ہیں جس کے نتیجہ میں اُن پر ذلت طاری ہے۔

آیاتِ مبارکہ ۱۱۳/اور ۱۱۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اہلِ کتاب سب تو ایک جیسے نہیں، ان میں ایک جماعت وہ بھی ہے جس نے دینِ حق کو تسلیم کیا ہے اس کا نمایاں اثر یہ ہے کہ وہ راتوں کو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں وہ سجود بھی کرتے ہیں یعنی نماز بھی پڑھتے ہیں، اللہ پر اور یومِ قیامت پر کامل یقین بھی رکھتے ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے بچنے کی تلقین بھی کرتے ہیں گویا ان کا شمار صالحین میں سے ہے۔

آیت ۱۱۵/ میں اظہارِ بیان ہے اور وہ جو بھلائی کریں تو اُن کی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور وہ جو بھی نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، یہ لوگ، جو نیکی کے کام سرانجام دیں گے، اس کے ثواب/اجر سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں، اس لئے جب یہودیوں کی برائیوں کا تذکرہ آتا ہے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ ان سب نیک پرہیز گاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور نیکی اور تقویٰ کے مطابق دنیا و آخرت میں اُن کے ساتھ معاملہ میں امتیاز برتا جائے گا۔ ایسے گروہ کے بارے میں سورہ آلِ عمران آیت ۱۹۹ میں ارشاد ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ

اور اہلِ کتاب میں بعضے لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن میں نازل کیا گیا آپ ﷺ پر اُسے بھی مانتے ہیں اور اُن پر بھی جو کچھ نازل کیا گیا اُسے بھی مانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

اِس سے پہلے کتاب والوں اور اُن کے علماء کی خرابیوں اور نقائص کا ذکر تھا جس سے کسی قدر اس بات کا امکان تھا کہ ممکن ہے سب اہلِ کتاب اور اُن کے عُلماء ایک ہی طرزِ فکر اپنائے ہوئے ہیں ایسا نہیں ہے قرآنِ حمید نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا سب ایک جیسے نہیں، ان میں سے کئی ایک کا شمار نیک فطرت، نیک طینت اور سلیمُ الطبع میں ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

بے شک! جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی، اُن کے مال اور اولاد، اللہ کے یہاں کچھ کام نہ آئیں گے، یہ آگ والے جہنّمی لوگ ہیں کہ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۱۱۶)

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

جو کچھ دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ خرچ کر رہے ہیں اُس کی مثال ایسی ہے کہ ایک تند ہوا چلی، چلے (اُس میں سخت ٹھنڈک ہو) جس میں پالا ہو، اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے، جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہوا تھا' اِس تیز طوفان نے اس کو تباہ برباد کر دیا، اللہ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا' بلکہ یہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔(۱۱۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! اپنا راز دار غیروں کو نہ بناؤ' وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھیں گے، اُن کی بڑی آرزو ہوتی ہے کہ تم کو دُکھ پہنچے، اُن کی عداوت/دُشمنی تو خود ان کی زبان سے عیاں ہو چکی ہے، مگر جو ان کے دل میں چُھپا ہوا ہے وہ تو اور بھی اس سے شدید تر ہے، اور تم کو عقل سے کام لینا ہے، تو ہم نے صاف صاف بیان کر دیا اگر تم عقل/خرد رکھتے' ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیات کھول کھول کر سنا دی ہیں۔(۱۱۸)

هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

دیکھو/سُن لو! تم تو پاک دل ہو، کہ اُن سے محبت کرتے ہو، اور اُن کو تم سے تو کچھ بھی اُلفت نہیں، اور تم کتابُ اللہ کی سب کی سب باتیں مان لیتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ''ہم بھی ایمان لے آئے'' اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو تم پر مارے غُصہ کے اپنی اُنگلیاں چباتے ہیں اے حبیب! (ﷺ) کہہ دیجئے! کہ مر جاؤ غُصّہ کی آگ میں جل کر، اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔(۱۱۹)

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

اگر تمہارا بھلا ہوتا ہے/تم کو اگر بھلائی ملے' تو یہ اُن کو ناگوار گزرتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت پڑے، تو انہیں بڑی مَسرت ہوتی ہے، اگر تم صبر کرو'! اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تو ان کا فریب تم کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سب کرتوتوں پر گھیرا ڈال رکھا ہے۔(۱۲۰)

الفاظ و معانی آیت ۱۱۶ تا ۱۲۰

﴿ تُغْنِيَ ﴾ وہ کام آئے گی، یہ اغنــاءٌ سے فعل مضارع کا صیغہ (واحد مؤنث غائب)۔ ﴿ رِيحٍ ﴾ ہوا کی سی ہے۔ ﴿ صِرٌّ ﴾ الصرا لبرد الشدید، اس سخت ٹھنڈ کو کہا جاتا ہے جو جلا دینے والی ہو، سخت ترین سردی۔ ﴿ أَصَابَتْ ﴾ جائے گی۔ یہ اصابۃٌ سے قواعد

کے مطابق فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ فَاَهْلَكَتْهُ ﴾ اس کو تباہ کر گئی / نابود کر گئی، اِهْلَاكٌ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ حَرْثَ ﴾ کھیتی۔ ﴿ بِطَانَةً ﴾ کے معنی ہیں ولی / دوست، راز داں، بھیدی کہ عام طور پر کپڑے کا باطنی استر جو جسم سے ملا رہے اس کو بھی بطانہ کہا جاتا ہے یہ بطن سے مشتق ہے۔ مشہور عربی لغات کتاب "لسان العرب" میں بطانۃ کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں بطانۃ الرجل، کسی فرد کے ولی، اور راز دار اور دوست، جس سے وہ اپنے معاملات میں باہمی مشاورت کرے، مفردات القرآن میں علاّمہ اصفہانی اور علاّمہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ "بطانہ" سے مراد وہ شخص جس کو راز داں، ولی اور ندیم و رفیق سمجھا جائے۔ ﴿ لَا يَأْلُوْنَ ﴾ کمی نہیں کریں۔ ﴿ خَبَالًا ﴾ معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں یہ، خَبَلَ، يَخْبُلُ، کا مصدر ہے۔ ﴿ الْبَغْضَآءُ ﴾ نفرت، مصدر ہے اسم ہے حُبٌّ کی ضد / تضاد ہے۔ ﴿ بَدَتِ ﴾ ظاہر ہوئی بَدَاءٌ سے ماضی کا صیغہ۔ ﴿ وَدُّوْا ﴾ وہ چاہتے ہیں مَوَدَّةٌ فعل مصدر سے انہوں نے تمنا کی۔ ﴿ مَا ﴾ کہ۔ ﴿ عَنِتُّمْ ﴾ تم کو ایذا پہنچی عَنَتٌ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿ عَضُّوْا ﴾ دانتوں میں دباتے ہیں عَضَّ، يَعُضُّ دانت سے کاٹنے کے ہیں۔ ﴿ عَضُّوْا عَلَيْكُمْ ﴾ یہاں مراد ہے علیحدگی میں فرطِ غضب میں انگلیاں کاٹ کاٹ کر چباتے ہیں۔ ﴿ الْاَنَامِلَ ﴾ انگلیاں، اَنْمَلَةٌ کی جمع ہے اسم ہے۔ ﴿ الْغَيْظِ ﴾ غضب و غصہ۔ ﴿ تَسُؤْهُمْ ﴾ بری لگتی ہے۔ ﴿ تُصِبْكُمْ ﴾ تم کو پہنچے۔ ﴿ مُحِيْطٌ ﴾ اس کا مادہ حَوْطٌ ہے ہر طرف سے گھیرنے والا اسم فاعل ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۱۶ تا آیت ۱۲۰

آیت ۱۱۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ بلاشبہ جو لوگ کُفر پر قائم رہے' ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے'۔ ان کے مال اور اولاد اور اللہ جلِ شانہٗ کے عذاب اور عتاب کے مقابلے میں ذرا بھی، اور وہ لوگ جہنمی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے'اس آیت کریمہ کی شانِ نزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود کے روساء نے تحصیل ریاست اور مال کی غرض سے محمد ﷺ سے عداوت کی تھی اس آیت میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے مال و متاع، ثروت و دولت اور اولاد کچھ کام آنے کے نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے عدو / دشمن بن کر ناحق اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مُشرکین قریش کے حق میں اُتری، کیونکہ حضور ﷺ کے دشمنِ عظیم ابوجہل کو اپنی دولت، مال، علم، اور دانش مندی کا بڑا غرور تھا اور ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے انہوں نے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں مُشرکین پر زرِ کثیر خرچ کیا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت تمام کُفّار کے حق میں عام ہے وضاحت کے ساتھ سب کو آگاہ کر دیا گیا مال و اولاد کچھ کام آنے والا نہیں، اور اللہ کے عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہیں۔

(بحوالہ کنز الایمان فی ترجمہ القرآن مولانا احمد رضا خانؒ)

آیت ۱۱۷ر میں اظہارِ بیان ہے کہ یومِ قیامت منکرینِ حق، یعنی کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے اور ان کی اولاد وہ جو ظاہری طور پر فلاحی اُمور میں رقم صرف کر رہے ہیں وہ سب اکارت جائیں گے ان کی مثال ❶ اس دنیاوی زندگی میں اس سخت پالے کی سی ہے جیسے برفانی ہوا، بادِ سموم کے جھونکے کھیتی کو برباد کر دیتی ہے اور ذرا سی دیر میں لہلہاتے کھیت جل کر خاکستر ہو جاتے

❶ اس مثال میں کھیتی سے مراد کشتِ زندگی ہے، جس فصل کو آخرت میں کاٹنا ہے ہوا کا مطلب وہ ظاہری جذبہ ہے جس کے سبب کُفّار فلاحی اُمور میں دولت صرف کرتے ہیں اور پالے کے معنی کامل ایمان ہے لیکن احکامات باری تعالیٰ پر عمل نہیں کیا جس کے سبب اُن کی پوری زندگی رائیگاں گئی۔

ہیں بظاہر ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں اور اس سے فائدے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ ان کی تمام تر امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے، اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک پکا ایمان نہیں ہوگا وہ دنیا میں جس قدر رقم رمال خرچ کر دیں، آخرت میں انہیں اس کا کچھ اجر نہیں ملے گا، باری تعالیٰ ان پر ظلم نہیں کر رہا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم و جور کر رہے ہیں۔

آیات ۱۱۸، ۱۱۹ر اور ۱۲۰ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ اے اہلِ ایمان مسلمانوں کے سوا، کسی کو گہرا راز دان اور رفیق نہ بناؤ کسی کو اپنا مشیر اور ہمدرد نہ جانو! اِن آیہ مبارکہ میں مسلمانوں کے اِن لطیف احساسات کا تقدس برقرار رکھتے ہوئے تلقین کی جارہی ہے دشمنوں سے اُن کی مکروفریب سے محتاط اور چوکنا رہواُن کے بارے میں تمہارے دل تو صاف ہیں تم ان کی مُقدس کتابوں کا تقدس کرتے رہو، اور ان کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے رہو، لیکن ان کا رویہ اور سلوک تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہے وہ تمہارے سامنے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب تم سے علیحدہ ہوتے ہیں تو مارے حَسد، جَلن، بُغض اور کِینہ کے سبب ان کے دل نفرتوں سے بھرے ہوتے ہیں یہ گویا علیحدگی میں فرطِ وغضب سے اپنی اُنگلیاں فگار کرتے ہیں۔

لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا ؕ گویا وہ لوگ تمہیں وبال جان اور فتنہ وفساد میں مبتلا کرنے کا کوئی دَقیقہ فراموش نہیں کرتے اور تمہیں ایذاء دینے کی تمنا رکھتے ہیں، ہم نے تو تمہارے لئے آیات کھول کھول کر بیان کردی ہیں اگر تم عقل سے کام لو! روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک ذمی رغیر مسلم کاتب کو مقرّر کرلیا جو بڑا اچھا کاتب تھا حضرت فاروقِ اعظمؓ کے علم میں یہ بات آئی تو آپؓ نے سختی سے فرمایا "تم انہیں اپنے قریب نہ کیا کرو' جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُور کر دیا، ان کو تو قیر مت دو' جب کہ اللہ نے انہیں رسوا کیا"۔ (بحوالہ روایت ابن ابی حاتمؒ)

ذرا اسلامی مملکتوں کے زوال کے اسباب پر نظر ڈالئے تو پتہ چلے گا زوال کے دیگر اَسباب وعلل کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اُمور کا راز داں غیر مسلموں کو بنالیا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ دیکھ لیجئے، افغانستان میں روس نے حملہ کیوں کیا! اشتراکیت اور کمیونزم کے حامی مسلمانوں کی تہذیب پر اثر انداز ہیں! یہودی کیا عراق پر برسرِ پیکار نہیں؟ کیا یہودیوں کا اہلِ عراق پر ظلم، فراموش کیا جاسکتا ہے؟ یہودی ہوں یا نصرانی مُشرکین ہوں یا منافقین، کوئی جماعت بھی ہو یہ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں یہ اس کوشش میں سرگرداں ہیں ہمیں احمق جان کر نقصان پہنچائیں۔ ہائے رے ہماری بے بسی، آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے۔

ع بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی تو ہی بتا تو سہی اور کافری کیا ہے اقبالؔ

"وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ" یہ وہ پسند کرتے ہیں جو چیزیں تمہیں ضرر رایذاء دے غور تو فرمایئے کہ یہ جملہ کافرانہ ذہنیت کی کس قدر عکاسی کرتا ہے اور مطالعہ کی طرف آیئے "اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَۃٌ "یعنی ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمہیں مسرّت ملتی ہے تو تمہارا "فرطِ طرب" اُن کی تکلیف کا سبب ہے علاّمہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں "اس زمانے میں اہلِ کتاب کو راز داں اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی رکُند ذہن لوگ امیر اور امراء بن گئے ہیں" (بحوالہ تفسیر قرطبیؒ)

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ۟ؒ

"اور تم صبر اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو اُن منافقین کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی"

گویا منافقین کے مکروفریب اور شدید مخالفین کی مخالفت اور ستم بالائے ستم سے محفوظ رہنے کا سہل اُصول اور نُسخہ کیمیاء قرآن نے بیان کردیا ہے گویا غور رسیا جائے تو معلوم ہوتا ہے امدادِ غیبی کا وعدہ انہی دو شرائط یعنی صبر اور تقویٰ پر موقوف کیا گیا ہے اس کی وضاحت

پارہ ۱۳ وَمَآاُبَرِّئُ سورۂ یوسف آیت ۹۰ میں بیان ہوئی ہے

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص پرہیزگاری سے رہے اور صبر کرے تو یقیناً نیکی کرنے والوں کے اجر کو اللہ اکارت رضائع ہونے نہیں دیتا۔

صبر اور تقویٰ اپنانے میں اہلِ ایمان کے لئے فلاح ،صلاح اور کامیابی کا راز مُضمر ہے حضرت ابو ذر ؓ نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''میں ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو اُن کے دین و دنیا کے لئے وہی کافی ہے آیت یہ ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

''جو اللہ سے ڈر کر کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں''

(بحوالہ رواہ احمد آیت ۲ سورۃ الطلاق پارہ ۲۸ قَدْسَمِعَ اللّٰہُ)

ہماری گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ اگر مسلمان صبر اور تقویٰ کو اپنالیں ،تو کوئی طاقت وقوت اُن کو نقصان نہیں دے سکتی اس کارگہِ حیات میں اور دنیا کی امتحان گاہ میں یہ تو قطعی ممکن نہیں ،کہ مخالفت کے طُوفان ،شُوریدہ سَر زندگی میں نہ آئیں مصائب تو آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں آلام و تکلیف کا تسلسل تو برقرار رہتا ہے لیکن حوادث زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے دامنِ صبر اور ایمان بالیقین اور صالح عملِ پیہم کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور ثابت قدمی کو زندگی کا شعار مان لیا جائے گردشِ ایام اور دشمن کے فریب ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بشرطیکہ ربّ کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیا جائے اور اللہ کی اِطاعت اطمینان اور دلی راحت ہے اور نافرمانی عذاب کی علامت! جو صابر ہے، مُتقی ہے، اِس رزم گاہِ زندگی میں کامیابی اور نُصرت اُس کا مقدر ہے۔

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

اے نبی ﷺ! اس وقت کو یاد کیجئے جب صبحدم آپ اپنے گھر سے رخصت ہوکر، ایمان والوں کو میدان جنگ اُحد میں لڑائی کے مورچے پر باقاعدہ ٹھکانوں کا تعین کر کے بٹھاتے جاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ تمام باتیں سنتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے۔ (۱۲۱)

اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا‌ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

جب تم میں سے دو گروہ ہمت ہارنے پر آمادہ ہوئے ر لوگوں کے قدم ڈگمگانے کو تھے اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار رولی تھا اُس نے اِس لغزش سے محفوظ رکھا اور ہر وقت اہلِ ایمان کو صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ (۱۲۲)

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کر چکا ہے بدر کی لڑائی میں جب کہ تم کمزور اور بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو! تاکہ تم کو شکر گذاری اور احسان باری تعالیٰ کا یاد رہے۔ (۱۲۳)

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ؕ﴿۱۲۴﴾

جب آپ اہلِ ایمان کو کہہ رہے تھے کیا تم کو کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتے سلسلے وار بھیج کر تمہاری مدد فرمائے! (۱۲۴)

بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾

کیوں نہیں اگر تم صبر پر قائم رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو اور کافر اسی دم تم پر آدھمکیں تیزی کے ساتھ، تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کو، پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔ (۱۲۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۲۱ تا ۱۲۵

﴿ تُبَوِّئُ ﴾ بٹھا رہے تھے، تربیت سے تعینات کر رہے تھے، تَبۡوِيۡئَةٌ فعل مضارع کا صیغہ۔ ﴿ تَفۡشَلَا ﴾ بددل ہونے کے ہیں یہ فَشَــلٌ سے ہے بمعنی بزدل، ہمت ہارنے والا، قواعد کے مطابق فعل مضارع کا صیغہ۔ ﴿ فَلۡيَتَوَكَّلِ ﴾ پس بھروسہ رکھنا چاہئے، اہلِ تصوّف نے توَکُّل کی تعریف یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل بھرُوسہ اس محکم یقین کے ساتھ کہ اللہ کا حکم اٹل ہے ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کہ لازمی اسباب فراہم کرنے میں پوری کوشش رجدوجہد کو توکل کہا جاتا ہے۔ (بحوالہ علامہ قرطبیؒ) ﴿ اَذِلَّةٌ ﴾ یہ کمزور ربے سروسامان، یہ ذلیل کی جمع ہے قواعد کے مطابق اسم ہے۔ ﴿ يُّمِدَّكُمۡ ﴾ مدد کرتمہاری۔ ﴿ مُسَوِّمِيۡنَ ﴾ نشان لگے ہوئے یہ سُوۡمَةٌ سے بنا ہے، اپنے گھوڑوں کا امتیازی نشان بنانے والا اسم فاعل ہے، سَوِمٌ، واحد ہے، تَسۡوِيۡمٌ، مصدر ہے

تشریح و توضیحات آیت ۱۲۱ تا ۱۲۵

آیت ۱۲۱ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے محبوب (ﷺ) وہ وقت بھی یاد رکھنے کے لائق ہے جب آپ صُبحدم کو اپنے حرم ر اپنے گھر والوں سے رخصت ہوکر شمشیر بکف نکلے، اور مسلمانوں کو کافروں سے آمادۂ جنگ ہونے اور مُقاتلہ کرنے کے لئے ترتیب سے

جمار ہے تھے جمہور مفسّرین کا قول ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کا ہے جو شوال ۳ھ میں ہوا، اس کا پس منظر اور پیش منظر کچھ یوں ہے کہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے سے کُفّار کو ملال تھا، بہ قصدِ انتقام لشکر کُفّار نے فوج کشی کی، ابوسفیان بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے اور اپنی شکست کا بدنما داغ مٹانے کے لئے تین ہزار مسلح لشکر لے کر مدینہ منوّرہ کی طرف لڑائی کے لئے روانہ ہوا، جب حضور اکرم ﷺ کو خبر پہنچی کہ لشکر کُفّار اُحد پہاڑ کی حدود میں خیمہ زن ہے، آتشِ انتقام کا یہ عالم کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں ابوسفیان کی زوجہ ہندہ عورتوں کی قیادت کر رہی تھی دف بجا بجا کر نغمہ زن تھی اور اشتعال کی طرف راغب کر رہی تھی تو آپ ﷺ نے اصحاب سے مشاورت فرمائی اس مجلس مشاورت میں رئیس المنافقین، عبداللہ بن ابی بن سلول کو بھی بلایا گیا اس سے پہلے کبھی اس سے مشاورت نہیں کی گئی اکثر انصار بشمول عبداللہ بن ابی بن سلول نے مشورہ دیا کہ حضور ﷺ مدینہ میں قیام پذیر رہیں اور جب کُفّار یہاں آئیں جب اُن سے مقابلہ کیا جائے آقا ﷺ کا مشورہ بھی یہی تھا لیکن بعض اصحاب کا مشورہ یہ تھا کہ مدینہ کی حدود سے باہر نکل کر میدان میں لڑنا چاہئے، اصحاب نے اس پر اصرار کیا رسول اللہ ﷺ اندر حجرے میں تشریف لے گئے زرہ زیبِ تن ہو کر باہر تشریف لائے، صاحبِ کشّاف نے لکھا ہے یہ گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا امام رازیؒ رقمطراز ہیں ’’چونکہ آپ بیتِ عائشہ سے روانہ ہوئے تھے یہ آیت اس بات پر نص ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی اہل ہیں۔

اب سیّد الکونین ﷺ کو دیکھ کر ان اُصحاب کو اَحساسِ ندامت ہوا، حضور ﷺ آپ کو رائے دینا اور اس پر مُصر رہنا ہماری خطا و تقصیر تھی، آپ اس کو معاف فرما دیجئے! جو آپ ﷺ کا حکم اور مرضی ہے وہی ہمیں تسلیم ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ’’نبی کے شایانِ شان نہیں کہ ہتھیار زیب وتن کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس و پیرہن اتارے‘‘ چنانچہ آپ مسلمانوں کی جمعیت میں ۷ شوال المکرّم ❶ بروز ہفتہ ۳ ہجری ’’مدینہ النبی‘‘ سے مقامِ اُحُد کی طرف عازمِ سفر ہوئے صبح کے وقت مقامِ شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن اُبی بن ملول اپنے تین سو ہم رکابوں کے ساتھ الگ رجُدا ہو گیا، کہ ہماری بات نہیں مانی گئی، لہٰذا ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں، اس کے ہم رکاب رساتھی بھی منافقین کے معروف گُروہ سے تعلق رکھتے تھے، اس کے اس فیصلے سے عارضی طور پر مسلمان بھی متاثر ہوئے اور اپنی کمزوری کا عندیہ دیا۔ (بحوالہ ابن کثیر)

اب مسلمانوں کی تعداد بھی کُفّار کے مقابل چوتھائی سے بھی کم ہو گئی، جبلِ اُحد کے پیچھے کی سمت صَف بندی ہوئی جہاں پر دشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کا اَندیشہ تھا، مخصوص گھاٹی پر، اس جگہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس مجاہدین کے ساتھ تعینات کیا گیا انہیں خاص ہدایت کی گئی کہ خواہ فتح و نُصرت ہو یا شکست، تمہیں بہر نوع یہاں ٹھہرے رہنا ہے، حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا ہوا، لشکر کی ایک سمت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسری سمت حضرت منذر بن عمر کو ٹھہرنے کا حکم ملا، کیا خوش نصیبی ہے کہ اُن کو آقا ﷺ کی شمشیر عطا ہوئی، پھر کیا تھا جذبۂ ایمان بڑھتا ہی چلا گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اُس حصّہ فوج کی مہمانی سے نوازا گیا، زرہ پُوش نہ تھے، آپ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس فوجی طریقہ کار کے نظم وضبط کے ساتھ صفیں ترتیب دیں، بیسویں صدی کے نامور مورخ ٹائم انڈر نے ’’لائف آف محمد ﷺ‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’محمد ﷺ نے فنِ حرب کی بھی نئی راہ نکالی اور مکّہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دُھند جنگ کے مقابلے میں خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم وضبط سے کام لیا‘‘۔

❶ سات شوال بروز سنیچر ۳ھ مدینہ منورہ سے اُحد کی طرف روانہ ہوئے (بحوالہ ضیاالقرآن از محمد کرم شاہ الازہریؒ) مشرکین اُحد میں چہارشنبہ (بدھ) پنجشنبہ جمعرات کو پہنچے تھے رسول اکرم ﷺ بعد نماز جمعہ ایک انصاری کی نماز جنازہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور پندرہ شوال ۳ھ یکشنبہ کو اُحد پہنچے (بحوالہ کنزالایمان احمد رضا خاںؒ)

اس ترتیب، حسنِ انتظام کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے ہی ہَلّا وار میں کُفّار کے قدم ڈگمگا گئے انہوں نے مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاکر پَسپا ہونا شروع ہوئے گھاٹی پر موجود دَستہ نے دیکھا کہ کُفّار شکست کھا گئے تو انہوں نے گھاٹی کو چھوڑ دیا مالِ غنیمت کی طرف مُتوجہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید جو اُس وقت مُشرکین کے رسالے کی کمان سنبھالے ہوئے تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے خالی گھاٹی دیکھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے چند ساتھیوں نے جرأت اور ہمّت سے کام لے کر اس کو روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کر سکے، مسلمان غیر متوقع صورتِ حال سے قدرے سَراسیمہ تو ضرور ہو گئے تاہم کافی صحابۂ کرامؓ میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے اتنے میں خبر اُڑ گئی محمد ﷺ شہید ہو گئے، اِس خبر نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قدرے اَضمحلال سے دوچار کیا، عبداللہ بن قمہ اور عتبہ نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ پر حملہ کر دیا، حضور پُرنور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، رُخ انور سے لہو ٹپکا، اس وقت نبی اکرم ﷺ کے گرد و پیش دس بارہ جانثار تھے، امام رازیؒ ساتھ رہ جانے والوں کے نام بتاتے ہیں ان میں پہلا نام امیر المؤمنین نائب رسول سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے اس کے دیگر ناموں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ (بحوالہ تفسیر کبیر)

کیا خوش نصیبی ہے حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ کی جنہوں نے حضور ﷺ کے سامنے جامِ شہادت نوش کیا، اس کے بعد پرچم حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سنبھالا، قربان جایئے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے لئے ڈھال بنالیا، اور ہر آنے والا تیر اپنے سینہ پر پیوست کرتے، یہی شان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تھی، اپنے بدن کو چھلنی ہونے دیا، لیکن حضور ﷺ کی رفاقت نہیں چھوڑی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مالک بن سنان نے کفار کے عظیم ریلے کو پیچھے دھکیل دیا جب لڑائی میں کافروں سے مصروف کار مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سلامتی کی خبر ہوئی تو سب حضور ﷺ کے گرد حلقہ بہ گوش ہوئے اور کُفّار اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر مَکّہ کی سمت روانہ ہو گئے، اس میں سَتّر (۷۰) سے زیادہ جَلیل القدر صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت نمبر ۱۲۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب تم میں سے دو جماعتوں / دستے کے لوگوں کے قدم ڈگمگانے کو تھے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

جب دو گُروہ یعنی قبیلہ اُوس کے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ کے دل میں میدانِ جنگ میں واپسی کا خیال آیا جب کہ عین وقت عبداللہ بن اُبَی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ الگ ہو گیا، تو مسلمانوں کی تعداد میں قدرے کمی ہو گئی، لیکن باری تعالیٰ نے ان کی دستگیری / مدد کی، اس وَسوسے کو "وُسوسے" اور وَاہمہ سے آگے بڑھنے نہیں دیا، اور اُسے لغزش سے محفوظ رکھا، سچّے مؤمن سے بتقضائے بشریت، خطا سَرزد ہونے لگتی ہے تو رحمتِ باری تعالیٰ اُس کو سنبھال لیتی ہے، مشہور مؤرخ ابنِ ہشام نے اس کی وضاحت "وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا" یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ولی حامی ہے یوں بیان فرمائی ہے کہ یہ جُملہ خود اُن کے مکمل ایمان کی شہادت دے رہا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان کی کوتاہی / کمزوری کو دُور کر کے ان کی ہمّت / حوصلہ افزائی کی، کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں، کے مصداق کم ہمّتی کا جو شعلہ اُبھرا وہ اسی مادّی ضعف کا نتیجہ تھا، اس لئے نسخۂ اکسیر تجویز کیا گیا کہ اُن کے "وَسوسے" اور وَہم و گُمان کا علاج توکّل ہے مؤمنین کا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے گویا ظاہری جملہ اَسباب وعِلَل پر پوری محنت اور ایمان داری سے عمل کرنے

کے بعد نتائج کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں آیت کے آخر میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

آیت نمبر ۱۲۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے، جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم تعداد میں صرف ۳۱۳ تھے وہ بھی سب بے سروسامان، قلتِ سامان/وسائلِ اسباب کا یہ عالم تھا صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ، باقی سب پیدل تھے۔ (بحوالہ ابنِ کثیر) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ الخ

اور تم اس وقت کو یاد کرو جب باری تعالیٰ نے مدد فرمائی بدر میں حالانکہ اُس وقت تم بالکل کمزور تھے

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے کامل "توکّل" کا عملی مظاہرہ کیا اور ربّ تعالیٰ نے اُن کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کیا، بدر مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں کوئی ۸۰ میل کے فاصلے پر پڑاؤ اور منڈی ہے یہاں بدر بن عامر نامی آدمی نے ایک کنواں کھودا تھا، اسی نسبت نام سے اس میدان کا نام بدر پڑ گیا، اب وہ ایک بستی ہے توحید اور شرک کے مابین اس میں سب سے پہلا معرکہ حق و باطل ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری بروز جمعۃ المبارک مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد دوم مفتی محمد شفیعؒ)

دُنیا نے دیکھا کہ چند سر بکف مجاہدینِ اسلام نے میدانِ بدر میں کُفر کو ایسی عبرت ناک شکست دی، جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایک مقامی جنگ دکھائی دیتی ہے لیکن دُنیا کی تاریخ میں ایک عہد آفریں دور کا آغاز ہوا، قرآن نے اس کو "یَوْمَ الْفُرْقَان" کا نام دیا ہے فرنگی ماہرین تاریخ نے بھی اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے امریکی پروفیسر ہٹی اپنی تصنیف "ہسٹری آف دی عربین" میں رقم طراز ہے "یہ اسلام کی سب سے پہلی 'فتح مبین تھی'۔ مجھے کہنے دیجئے پھر "فتح مبین"، "فتح مبین"، "فتح مبین ہے۔"

آخری آیت کے جزو میں ارشاد ہوا ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو

قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر مُنافقین کے بُغض اور شدید مخالفت کے عِناد کے بُرے نتائج سے بچنے کے لئے ایک علاج تجویز کیا ہے اور وہ علاج تقویٰ اور صبر ہے ان ہی دونوں اُمور کے اندر ساری تنظیمی صلاحیت اور اس کی جہدِ مسلسل اور 'فتح مبین' کا راز پوشیدہ ہے غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں صبر اور تقویٰ کی بجائے صرف اور صرف تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ تقویٰ کا اختیار کرنا ایسی جامع صفت ہے، جس میں صبر بھی شامل ہے۔

آیت نمبر ۱۲۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بدر کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ کیا تمہاری تقویت کے لئے اتنا کچھ کافی نہیں! کہ تمہارا ربِّ جلیل تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں کے لشکر جرار سے کرے جو صرف اسی غرض و غایت کے لئے آسمان سے نازل ہوئے ہیں مسلمانوں نے جب یہ محسوس کیا کہ ایک طرف تین ہزار دشمن ہیں اور ہمارے ایک ہزار میں سے تین سو الگ ہو گئے ہیں تو اُن کے دل قدرے ٹوٹنے لگے عین اس وقت رسالت مآب ﷺ نے اُن سے یہ الفاظ کہے تھے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ

جب آپ ﷺ مؤمنوں کو تسلّی دے رہے تھے، کیا تمہیں یہ کافی نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ امداد، محض اس لئے کی کہ مسلمانوں کو غلبہ اور فتح کی بشارت مل جائے اور دلوں کو قرار مل جائے کہ نُصرت و غلبہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ چنانچہ فرشتوں کی کُمک آسمان سے

پہنچی، اس آیت مبارکہ میں تین ہزار فرشتوں کا وعدہ شاید اس لئے کیا گیا کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں تک یہ بات پہنچی کہ زین جابر محاربی کمک کو لے کر کُفار کی مدد کو آرہا ہے، اس سے مسلمانوں کی تشویش بڑھی کیونکہ دُشمن کی تعداد مسلمانوں سے پہلے ہی تین گُنا زائد تھی۔ سورۃ الانفال آیت نمبر ۹ پارہ قَالَ الْمَلَأُ ۹ میں بیان آیا ہے کہ جب میدانِ بدؔر میں مسلمانوں نے اپنے مخالفین کی تعداد ایک ہزار دیکھی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ.

اور جب آپ اپنے رَبّ سے فریاد کئے جا رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرما کر بشارت دی کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے جو سلسلہ وار آئیں گے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔ (سورۃ انفال آیت ۹)

کون نہیں جانتا! انسان کا دل ظاہری اسباب سے قرار پاتا ہے اور قلب کو تسلّی، سکُون اور تسکین ملتی ہے ظاہری طور پر ایک ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی تا کہ اہلِ ایمان نُصرت کے اسباب بھی اپنی نظر سے دیکھ لیں۔ (بحوالہ کنزانی الروح)

آیت نمبر ۱۲۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ہاں! کیوں نہیں، اگر تم صبر، تقویٰ، ثابت قدمی، ہمّت اور استقلال سے کام لو گے تو تین ہزار کے بجائے تمہاری اعانت کے لئے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیئے جائیں گے، جو خاص نشان زدہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے، اب تمہیں کسی تشویش اور اُلجھن میں مُبتلا ہونے کی قطعی ضرورت نہیں، ظاہری اَسباب پر اعتماد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر بھرپور توکّل کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آسمانی لشکر میں پانچ ہزار جنگجو فرشتے بھیج کر کافروں کی طاقت وقوت کو کُچل دیا۔

۞ ۞

لہ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نُصرت کو اتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی اقبالؔ

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱۲۶	یہ بات اللہ نے تمہیں اس لئے بتادی ہے تا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور نصرت و مدد صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑی قوت والا اور دانا اور بینا ہے،غالب وحکمت والا ہے۔(۱۲۶)
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕـبِيْنَ ۝۱۲۷	تا کہ اللہ منکروں کا ایک بازو کاٹ دے یا ذلیل کردے،سارے کے سارے پسپا و نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔(۱۲۷)
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸	آپ کا اختیار کچھ بھی نہیں ہے اس معاملے میں،اللہ تعالیٰ چاہے تو اُن کی توبہ قبول فرمائے یا ان کو عذاب میں ڈالے،پس،وہ ظلم کرنے ہی تو آئے تھے۔(۱۲۸)
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۹	اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،مغفرت کردے جس کی چاہے اور جسے چاہے عذاب میں پڑا رہنے دے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا بخشش والا اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۲۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

﴿ وَمَا ﴾ اور نہیں۔﴿ جَعَلَهُ اللّٰهُ ﴾ بنایا اس کو اللہ تعالیٰ نے۔﴿ وَلِتَطْمَئِنَّ ﴾ اور تسلی،تسکین حاصل ہو۔﴿ يَكْبِتَهُمْ ﴾ انہیں ذلیل،رسوا کردے۔قواعد،گرائمر کے مطابق فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ۔﴿ يَنْقَلِبُوْا ﴾ اِنْقَلابٌ سے ہے وہ لوٹ جائیں،مغلوب کردیں۔فعل مضارع جمع مذکر غائب۔﴿ خَاۗىِٕـبِيْنَ ﴾ نامراد،ناکام خَيْبَةٌ سے اسم فاعل ہے۔﴿ يَتُوْبَ ﴾ تَوْبٌ مصدر،توبہ قبول کرتا ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

آیت نمبر ۱۲۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ فرشتوں کا نزول کامیابی و نصرت کے دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے جب فرشتے میدان میں اُتر آئے تھے،تو ایک کافر کو بھی کسی طرح بھی بچنا نہیں چاہئے تھا،اس کا جواب قرآن میں کس قدر حسین انداز میں بیان ہے" وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى "اور یہ تو صرف اور صرف تمہارے مَسرّتِ قلب اور طمانیت دل کے لئے ہے ورنہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے،اس آیت میں یہ درس ملتا ہے کہ اعتماد اور تُوکّل رَبُّ العالمین کی ذات پر ہی ہونا چاہئے،اس واقعہ کے پیشِ نظر سورۃ الانفال آیت ۱۲ پارہ ۹ میں قَالَ الْمَلَاُ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

جب کہ آپ کا رَب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم اہلِ ایمان کی ہمت بڑھاؤ!

گویا فرشتوں کو مُخاطب کر کے ان کے ذمّہ یہ خدمت تفویض ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو جمائے رکھیں اور تفکر میں مُبتلا ہونے نہ دیں،اللہ تعالیٰ تو غالب حکمت والا ہے۔

آیت ۱۲۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اس امداد کا مقصد و مُدعا یہ تھا کہ کافروں کو ذلیل و رُسوا کیا جائے یا وہ سارے کے سارے ناکام ہو کر واپس چلے جائیں۔

آیت ۱۲۸ میں واضح طور پر اظہار کیا جا رہا ہے۔ " لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ " ہر طرح کا حکم اُن پر لاگو ہو کر رہے گا یہ بات اب آپ ﷺ کے ہاتھ میں نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اُن کی توبہ مبرور فرمائے یا عذاب میں مُبتلا کر دے کیونکہ وہ سراسر ظالم ہیں، اُن کافروں کو ہدایت دینا یا اُن کے معاملے میں کسی بھی نوعیت کا فیصلہ دینا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں حضورِ اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور چہرہ اطہر بھی زخمی ہوا تو آپ ﷺ کو خاصا احساس حُزن و ملال ہوا ارشاد فرمایا " وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرۂ انور کو زخمی کیا " آپ ﷺ نے بعض کُفار کے لئے بددعا بھی فرمائی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بحوالہ بخاری شریف)

اس آیت مبارکہ میں رسولِ اکرم ﷺ کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی۔ (بحوالہ بیان القرآن)

دنیا نے بنفسِ نفیس دیکھ لیا کہ ان حملہ آور لوگوں کی خاصی بڑی تعداد آخر کار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئی اور اللہ کے آگے اُن کے سرِ تسلیم و رضا سے جُھک گئے خالد بن ولید جیسے بہادر نے جو حملہ آور تھے سیف اللہ کا لقب پایا اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل جیسے جلیل القدر صحابہ اور عالی قدر سالار ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے یہ کلمات کس قدر ولولہ انگیز اور ایمان افروز ہیں " اے اللہ کے رسول (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی کہ اب اے ربّ ! زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے اگر حضور ﷺ بھی ہمارے لئے بددعا فرماتے تو ہم تمام ہلاک ہو جاتے بایں ہمہ آپ ﷺ نے دعائے خیر کی اے اللہ میری قوم بے عملی سے یہ کر رہی ہے اس کو معاف فرمائیے " (بحوالہ القرطبی)

آیت ۱۲۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ارض و سما میں اَللّٰهُ اَحَدٌ کا اختیار چلتا ہے سب کچھ جو ان میں ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ بخش دینے میں حیرت کی کوئی بات نہیں " وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ " اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے وہ جس کو مناسب جانے دولتِ ایمان عطا کر دے اور جسے چاہے کُفر کی ظُلمت کے سبب پکڑ لے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو سود نہ کھاؤ یہ تو دُگنے پر دُگنا ہوتا ہے/ یہ تو بڑھتا اور چڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ فلاح/ نجات پا جاؤ۔ (۱۳۰)

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾

اور بچو اس آگ سے جو منکروں کے واسطے تیار کی گئی ہے (۱۳۱)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

اور اطاعت کرو/ حکم مانو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کا تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۱۳۲)

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾

اپنے رَبّ کی بخشش/ مغفرت اور اس کی جنّت کی طرف دوڑو جس کی وُسعت/ چوڑائی آسمانوں اور زمین جیسی ہے جو پرہیز گاروں کے لئے بنائی/ تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۳)

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں آسودگی/ خوشحالی اور تنگ دستی/ بدحالی میں اور غُصّے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کردیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے نیکی کرنے والوں سے اُلفت/ محبت رکھتا ہے۔ (۱۳۴)

الفاظ و معانی آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴

﴿ الرِّبَوٰا ﴾ سُود، سودی نظام کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت/ لین دین کو حلال کیا اور سُود کو حرام، مروّج طریقہ کار یہ تھا کہ کسی نے ایک مقرّرہ مدّت/ میعاد تک قرض لیا جب وہ میعاد ختم ہوئی اور قرض خواہ نے رقم طلب کی تو مقروض کہتا تو مدّت میں اضافہ کردو میں رقم میں مزید اضافہ کردیتا ہوں یہ سلسلہ طویل میعاد تک جاری وساری رہتا یہاں تک کہ اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی جسے سُود در سُود یا مرکب سُود کہا جاتا، اس نظام کو جو ظُلم پر مبنی تھا اسلام نے خاتمہ کی تلقین کی۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک طبقہ میں بخل، حرام خوری اور حرص کے جذبات پائے جانے لگے تو قوم کے دوسرے لوگوں میں حسد، عناد اور منافرت کی فضا بکھری، حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ وہ اُمّت جس کو دنیا میں تبلیغ اور دعوتِ توحید کا فریضہ سرانجام دینا تھا بھلا ایسے عناصر کو کب مروّج ہونے دیتی جس سے ملی وحدت کا شیرازہ مُنتشر ہو جاتا اس لئے بتایا گیا کہ اگر تم نے سُودی نظام کو ترک نہ کیا تو اس عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے جو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

﴿ أُعِدَّتْ ﴾ تیار کی گئی ہے، فعل ماضی کا صیغہ۔ ﴿ وَسَارِعُوٓا ﴾ اور دوڑو، لپکو۔ ﴿ السَّرَّآءِ ﴾ فراغت، آسودگی یہ سَرَّاءٌ سے ہے اسم ہے۔ ﴿ وَالضَّرَّآءِ ﴾ تنگی میں۔ ﴿ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ ﴾ غصّہ کو ضبط کرنے والے۔ ﴿ الْعَافِينَ ﴾ درگذر کرتے ہیں۔ ﴿ الْكَاظِمِينَ ﴾ روکتے ہیں/ دبا لیتے ہیں اِسم ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴

آیت ۱۳۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ سُود مت کھاؤ یہ تو دُگنے پر دُگنا ہے (اس میں رقم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ سے

ڈرو، حقیقت تو یہ کہ سُود میں آدمی محنت وکاوش نہیں کرتا صرف مالِ حرام بغیر خطرہ مول لئے گھر میں بیٹھے دُگنا چوگنا مال بنانے میں پڑا رہتا ہے یہ طریقہ عمل دوسرے کے لئے عُسرت اور مال کی تنگی کا مُوجب ہے۔ دورِ جدید کے ماہرینِ اقتصادیات/معاشیات کے عقل پر بھی پردہ پڑا ہوا ہے "ہائے بچاروں کے اعصاب پر سرمایہ ہے سوار" کے مطابق وہ بھی، اس پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرتے کہ خوشحالی اور بہبُود کا دور لانے کے لئے سُود جیسی لعنت کو طاقت کے زُور پر ختم کرنا ازبس ضروری ہے سُود کا چھوڑنا، اُن لوگوں پر ناگوار گذرتا ہے اس لئے باری تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمہارے تزکیۂ نفس سکونِ دل کے لئے لازم ہے تم قرضداروں کی رقوم یکدم، بہ جنبش قلم چھوڑ دؤ کیونکہ زَر پرستی کی ہوس بے حد بڑھ جاتی ہے اور آدمی بے مروّت اور سنگدل بن جاتا ہے۔ اس میں حرام کی کمائی سے دوسرا خسارہ یہ ہوتا ہے کہ نظم واطاعت کی قوّت وصلاحیت سلب ہوجاتی ہے اور انسان بُخل، کنجوسی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً دُوگنا، چوگنا اس آیۃ کریمہ میں سُود کھانے کی حرمت اور ممانعت کے ساتھ ساتھ سُود کی قباحت کا بھی ذکر کیا گیا ہے اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ اُحد ۳ھ میں ناکامی کا سبب یہ تھا کہ رسول کریم کی نافرمانی اور مال ومتاع، دنیاوی طمع کی طلب تھی، اب طمعِ دنیا کی سب سے بھیانک اور بُری شے سُود ہے، جس کو کھانے سے منع کیا جارہا ہے۔ یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ سُود کم ہو یا زیادہ، مفرد ہو یا مرکب، سب کا سب مطلقاً اور قطعاً حرام ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے۔

آیت نمبر ۱۳۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اُس آگ سے بچو، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے حضرت ابنِ عباس ؓ کا قول ہے کہ اس میں اہل ایمان کو تہدید ہے سُود اور جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے حرام قرار کی ہیں، اُن کو حلال نہ جانیں کیونکہ حرامِ قطعی کو حلال جاننا کُفر ہے۔

آیت نمبر ۱۳۲ میں میں بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے فرمانبردار ہوجاؤ، یہ یادرکھنے کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت/فرمانبرداری طاعتِ باری تعالیٰ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں ہوسکتا، عجیب روش کائنات ہے کہ جن نادانوں کو اطاعت اور عبادت میں امتیاز نظر نہ آیا وہ اطاعتِ رسول ﷺ کو شرک کہنے لگے، چونکہ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ ہوسکی اُس لئے آئندہ کے لئے بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فلاح وصلاح کی اُمید اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کہے پر چلا جائے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو شعار بناؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرسکو۔

آیت نمبر ۱۳۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ لپکو مغفرت اور بخشش کی طرف جو تمہارے رَبّ کی طرف سے ہے، مال ودولت، اور حرصِ دُنیا کی خاطر، آخرت کی تباہی مُول لینے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت، اور اس کی بہشت کا راستہ اختیار کرو جو اہلِ تقوٰی کے لئے بنائی گئی ہے۔ ذرا اس حقیقت کو سمجھئے تو سہی، جو شئے/چیز جس قدر چوڑی ہوتی ہے اس کی لمبائی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے بہشت کی چوڑائی جب سات آسمانوں اور زمین کے مساوی ہے تو لمبائی لاکھوں گُنا کہیں زیادہ ہوگی اس سے اس بات کا پتہ چلا کہ جنّت آسمانوں اور زمین سے وُسعت/پھیلاؤ اور کشادگی میں کہیں زیادہ ہے یہ بات ہم کو گنجائش کے اندازے کے قریب لانے کے لئے بتائی گئی ہے ورنہ جنّت کی وُسعت/گنجائش کا صحیح صحیح اندازہ کرلینا ذہنِ انسان کے بس کا کام نہیں، چونکہ انسان کے دماغ میں آسمان وزمین کی وُسعت سے زیادہ اور کوئی وُسعت نہیں آسکتی اس لئے (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور یہ وہ لوگ ہیں جب اُن سے کوئی فحش/ناشائشتہ کام سرزد ہوجاتا ہے یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں اور بخشش طلب کرنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی، اور خوب سمجھ لو! کون گناہوں کو بخشتا ہے سوائے اللہ کے وہ جان بوجھ کر/دیدہ دانستہ اپنے کئے پُر اصرار نہیں کرتے/باوجود علم رکھنے کے بُرے کام پر اَڑتے نہیں۔(۱۳۵)

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

یہ وہی لوگ ہیں جن کو توبدلے میں اُن کے رَبّ نے ایسی معافی دے دی اور بہشت بھی عطا کردی جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اوران میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک عمل کرنے والوں کا ثواب/اجر کیا ہی اچھا ہے۔(۱۳۶)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

تم سے پہلے بھی بہت سے دَور/واقعات عُروج وزوال کے گُذر چکے ہیں تو چل پھر کر زمین میں دیکھ لو آخر کیا انجام ہوا جُھٹلانے والوں کا۔(۱۳۷)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) سمجھانے کی خاطر بہشت کے عرض کواس سے تشبیہ دی گئی تا کہ جنّت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھا جا سکے اور عرض کی یہ کیفیت ہے تو طُول کا حال جانے کیا کچھ ہوگا، رَبّ کی ذاتِ کمال اور وُسعتِ کمال کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے بقول خواجہ میر درد۔

ع ارض وسماء کہاں تیری وُسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جتنی وُسعت کا تم تصوّر کر سکتے ہو، جنّت اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہے۔

آیت ۱۳۴ میں اظہارِ بیان کیے جو لوگ محض فَراغت اور خُوشحالی میں ہی نہیں بلکہ تنگی کے موقع پر بھی، گویا ہر حال اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غُصّہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور معاف کرنے والے ہیں لوگوں کی تقصیر وخطاء، تو باری تعالیٰ ایسے احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے گویا اہلِ تقویٰ کی صفات کا اظہار ہے جن کے لئے بہشت کی بہاریں مُنتظر ہیں تقویٰ کی خوبی ہے (۱)......غیظ، شدّتِ غضب برداشت کرنا ہے۔(۲)......اپنا مال غیر کو دینا۔(۳)......عفو ودَرگذر سے کام لینا۔(۴)......انتقام سے بے نیاز ہو کر معاف کرنا۔(۵)......احسان کرنا۔(۶)......طلبِ مغفرت کے لئے کوشاں رہنا۔

بے شک نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾	یہ کُھلا ہوا بیان ہے عام انسانوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں/متقی کے لئے ۔(۱۳۸)
وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾	اور نہ تو تم ہمت ہارو رنہ تو دل شکستہ ہو اور نہ غمگین ہو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تم ہی غالب رہو گے ۔(۱۳۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۳۵ تا ۱۳۹

﴿ فَاحِشَۃً ﴾ حد سے بڑھی ہوئی ایسی بُرائی جس کا اثر دوسروں پر پڑے، قواعد کے مطابق اسم ہے۔﴿ اَوْظَلَمُوْٓا ﴾ سے مراد وہ گناہ ہے جن کا اثر اُن کی اپنی ذات ہی تک محدود ہو۔(بحوالہ بیضاوی) ﴿ فَاسْتَغْفَرُوْا ﴾ ف، پھر بخشش طلب کرنا۔﴿ لِذُنُوْبِھِمْ ﴾ اپنے گناہوں کی/اپنے خطاؤں کی۔﴿ اُولٰٓئِکَ ﴾ یہی لوگ۔﴿ نِعْمَ ﴾ اچھا/بہتر۔﴿ سُنَنٌ ﴾ جمع ہے سنّت کی، اور سنّت وہ راہِ عمل نبی اکرم ﷺ کی وہ طرزِ زندگی ہے جس کی بالالتزام پابندی کرنی چاہئے۔﴿ فَسِیْرُوْا ﴾ پس سیر کرو۔﴿ فَانْظُرُوْا ﴾ پھر دیکھ لو، اُنْظُرُوْ، تم دیکھ لو، تَنْظُرُ، سے قواعد کے مطابق فعل امر کا صیغہ ہے۔﴿ عَاقِبَۃُ ﴾ انجام۔﴿ وَلَا تَھِنُوْا ﴾ تم سستی مت کرو/تم شکستہ دل نہ ہو، یہ وَھْنٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع حاضر ہے۔﴿ تَحْزَنُوْا ﴾ تم غمگین/افسردہ ہونے لگو، حُزْنٌ سے فعل مضارع کا صیغہ۔﴿ لَا تَحْزَنُوْا ﴾ تم غم نہ کھاؤ، قواعد/گرائمر کے مطابق فعل نہی ہے۔﴿ الْاَعْلَوْنَ ﴾ غالب بلند مرتبہ، اعلیٰ کی جمع ہے، قواعد کے مطابق اسم ہے۔﴿ بَیَانٌ ﴾ بولنا اسم مصدر ہے کسی شئے کو واضح کرنے کو بیان کہا جاتا ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۳۵ تا ۱۳۹

آیت ۱۳۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اہلِ تقوٰی کی خوبی یہ ہے کہ "مغفرت طلب کرتے ہیں، کون نہیں جانتا ہے انسان خطاً ونسیان کا پیکر ہے جب اس سے بشریت کے تقاضے کے مطابق کسی اور گناہ کا ارتکاب ہو تو فوری طور پر توبہ [1] اور استغفار کا اہتمام اور انصرام کرتا ہے تقوٰی رکھنے والے اہلِ ایمان کو اپنی خطاؤں پر احساسِ ندامت ہوتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کو معاف کرنے والا صرف باری تعالیٰ ہے تو اللہ تعالیٰ کے حُضور عجز وانکساری کے ساتھ وہ حقیقی توبہ کرتے ہیں۔ حفیظ جالندھری نے کیا خوب کہا ہے۔

ع　میری توبہ کے بعد بھی یہ سماں　　میرے اللہ میری توبہ ہے

واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ جلِ شانہٗ کے سوا اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہو، یہ بیان ہے اُن گناہ گاروں کا جو معافی پا جائیں گے پہلی بات تو یہ کہ جب کسی کھلے گناہ کے مُرتکب ہوتے ہیں اور اپنی جانِ عزیز پر ظُلم کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو کبھی بھولتے نہیں اپنی خطاؤں پر اَحساسِ ندامت کے ساتھ نادم ہوتے ہیں اور اپنے تقصیر پر اَڑ کر نہیں بیٹھتے، سمجھ میں آجانے کے بعد جانتے بوجھتے کسی بُرے کام پر جمے رہنا پسند نہیں کرتے۔

آیت ۱۳۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اطاعت شعاروں کے لئے بہترین اَجر ہے اہلِ تقوٰی کی جزاء اُن کے رَبّ کے پاس یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ہمیشہ رہیں

[1] ...... امام رازی کا قول ہے "ذکر نسیان کے مقابل ہے"

گے کیسا اچھا صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ جنّت میں داخل ہونے والوں کو کبھی وہاں سے نکلنا نہیں ہوگا قربان جایئے! شانِ کریمی کے، یہ اطاعت کرنے والوں کا کتنا بہترین بدلہ ہے احسن کام تو قلیل مدّت تک سرِ انجام دیا مگر انعام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عطا ہوا۔

آیت ۱۳۷ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے جُملہ احکامات باری کی تصدیق زمیں کے خِطّے خِطّے چَپّے چَپّے پر موجود ہے کیا تمہیں پتہ نہیں، تم لوگوں سے قبل بھی زمین آباد تھی جس میں ہر طرح کے لوگ اچھے اور بُرے آباد تھے اُن کے واقعات/حالات اور معاملات کا مطالعہ بہ نظرِ غائر کرو تو تمہیں اس بات کا قطعی طور پر اَندازہ ہوجائے گا۔ اطمینان اور سکون، عزّت وتوقیر ہمیشہ دین داروں کے حِصّے میں رہی، کُفّار تو ہمیشہ ہَراساں پریشاں بے قرار اور مُضطرب رہے اُن کا انجام تباہی و بربادی رہا اُن کی اُجڑی ہوئی بَستیاں اور اُن کے نشاں آج بھی ہنوز مقامِ عبرت ہیں۔ ❶

اے رَہ نوردِ شوق! اگر تمہیں صاحبِ حُسن وعشق بننے کی تمنّا ہے تو ماضی کے واقعات سے درسِ عبرت لو! تم سے پہلے ایسے واقعات گذر چکے ہیں "ملتیں جب مٹ گئیں اَجزائے ایمان ہوگئیں" کے مصداق جن قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی عَداوت اور دُشمنی اور حق کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مُنہ پھیر کر ظُلم، جبر اور عصیان پر نازاں رہے اُن کا کیسا بُرا انجام ہوا۔ ارے بھئی یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو! اُن کی تباہی دیکھو! بَربادی کے آثار دیکھو! وہ راہِ راست پر نہ آئے انہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک/ برباد کردیا دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہے" کے مصداق اِن واقعات پر غور وفکر کرنے کے لئے مَعرکۂ حق و باطل غزوۂ اُحد کے دونوں حریفوں کو سبق سیکھنا چاہیے مُشرکین جو نبی ﷺ کی عَداوت اور دُشمنی میں حق کو مٹانے کے لئے نکلے وہ اپنی وقتی فتح پر فخر اَنبساط نہ کریں کہ ان کا آخری انجام بجُز ہلاکت اور رُسوائی کے کُچھ بھی تو نہیں، فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا، پس سیر کرو زمین میں پھرو اور دیکھ لو! بتایا جارہا ہے اے مسلمانو! کُفّار کی سختی اور ایذاء رسائی سے مایُوس اور ملول ہونے کی قطعی ضرورت نہیں، حق غالب ہوکر رہے گا فتح بہرِ نوع تم کو ملنی ہے شرط یہ ہے کہ خلوصِ دل سے محمد ﷺ کی اِتباع اختیار کرو۔

آیت ۱۳۸ میں اِس حقیقت کا اظہار ہے کہ نیک بندوں کو بَشارت اور غلط رَوش پر چلنے والوں کے لئے نصیحت اور ترغیب کی راہ دکھائی گئی ہے۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن درحقیقت بیان ہے اور اہلِ تقویٰ مؤمنین کے لئے ہدایت اور نصیحت سے پُر ہے

آیت ۱۳۹ اظہارِ بیان یہ ہے کہ نہ تم دل شکستہ ہو، نہ حُزن وملال میں مُبتلا ہونے کی ضرورت ہے غلبہ تو تم ہی کو عطا ہوگا اگر تم سچّے مؤمن ہو، غزوۂ اُحد میں ہونے والے واقعات سے ممکن تھا کہ ہمّت، ہار جاتے اس لئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا گھبرانے کی اور رَنج والَم کی ضرورت نہیں، تم ہی کو اس جنگ کی شدّت سے شکست خوردہ ہونا زیب نہیں دیتا فتحِ مُبین بہر حال تم ہی کو ملنی ہے ایمانِ کامل اور عملِ صالح کو اپنا شِعار بنالو، نبی اکرم ﷺ سے نسبتِ کاملہ حاصل کرلو یہ حق ہے اور ہمیشہ حق غالب رہتا ہے۔ یاد رکھو! حق کسی حال میں باطل سے مَغلوب نہیں ہوتا اگر تمہارا عقیدہ صحیح رہا اور اتباعِ سنّت پر عمل رہا تو اور تو عارضی دُکھ، تنگی حرماں نصیبی کوئی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

❶ ...... بھارتی جرائد کی خبر، بھارت میں شدید زلزلے کے جھٹکے، سری لنکا میں زلزلہ، دنیا کے آٹھ ممالک زلزلہ اور طوفان کی زد میں، سمندری طوفان لاکھوں افراد مرگئے، خبر۔ ۲۰۰۴ء دسمبر اور جنوری ۲۰۰۵ء میں کافروں کے لئے قیامت صغریٰ نشانِ عبرت ہے۔ (بحوالہ اخبار جنگ کراچی)

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تم کو چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمہارے مخالف، حریف / مقابل قوم کو بھی لگا ہے ہم ان ایام کو لوگوں کے مابین بدلتے رہتے ہیں تا کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور بعض کو تم میں سے شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۴۰)

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور اس لئے کہ اللہ جلِ شانہٗ نکھار کر سامنے لائے اہلِ ایمان کو، اور کافروں کو مٹادے / رنابود کردے۔ (۱۴۱)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا تم نے حساب لگالیا / کیا تمہارا خیال ہے کہ یونہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں، باری تعالیٰ نے اُن لوگوں کو، جنہوں نے جہاد کیا / ابھی تو اللہ نے اپنے علم سے ظاہر ہی نہیں کئے جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور مصائب کو سہہ کر صبر سے ڈٹے رہنے والے کون ہیں۔ (۱۴۲)

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور تم تو موت آنے سے پہلے، موت کی بڑی آرزو رکھتے تھے، سو تم نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا، اور بس دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے گویا اُسے اپنی نظروں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔ (۱۴۳)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) معنی نہیں رکھتی اگر موجودہ حالات میں غزوۂ اُحد میں تکلیف پہنچی، تو اسی سے قبل غزوۂ بدر میں تمہارے مقابل کو زخموں نے چُور چُور کردیا تھا، تاریخ گواہ ہے دَورِ رسالت مآب ﷺ میں اور اس کے بعد بھی باطل سے صحابۂ کرام ؓ کی لڑائی ہوئی تو صحابۂ کرام ؓ ہی فتح سے ہمکنار ہوئے، بات یہ ہے کہ

ع اللہ کے وعدہ پر مجاہد کو یقین ہے ☆ پھر فتح مُبین، فتح مُبین، فتح مُبین ہے (رئیس امروہوی)

آیئے تاریخ کے آئینہ میں دیکھتے ہیں حضرت سیّدنا بلال ؓ نے دہکتی ہوئی ریت کے انگاروں پر لیٹ کر، حضرت خباب ؓ نے تختۂ دار پر تبسم فرما کر، اور جاں نثار سمیّہ ؓ نے نیزہ کی بوچھاڑ سے اپنا جسم گھائل کر کے، اور حضرت یاسر ؓ نے اُونٹوں سے اپنا بدن پاک چِروا کر جو نصرت و عظمت کی داستان رقم کی، وہ ایمان کی قوت، دُنیا کی تمام مادّی اور افرادی قوتوں سے زیادہ توانا ہے، مجھے کہنے دیجئے قلب میں ایمان کی حرارت اور یقین کی شمع فروزاں ہوجائے تو نورِ ایمان اور یقینِ کامل کا فیضان مل جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو شکست نہیں دے سکتی، جب تک اُمّتِ مسلمہ ایمان اور ایقان سے مالا مال ہے ہر میدان میں فتح ہمارے قدم چومتی رہے گی الحمدللہ۔

ع پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا

الفاظ و معانی آیت ۱۴۰ تا ۱۴۳

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ ﴾ اگر پہنچا ہے تمہیں / لگی ہے تمہیں۔ ﴿ قَرْحٌ ﴾ زخم / چوٹ، کسی بیرونی شئے سے پہنچنے والا زخم، قواعد کے

مطابق اِسم ہے۔ ﴿ نُدَاوِلُهَا ﴾ ہم اس کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ فعل مضارع جمع متکلم۔ ﴿ حَسِبْتُمْ ﴾ تم نے حساب لگایا، گمان کیا یہ حَسْبَان سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ ﴿ يَتَّخِذَ ﴾ بناتا ہے وہ۔ ﴿ وَلِيُمَحِّصَ ﴾ تا کہ خالص کر دے، صاف کر دے، فعل مضارع واحد مذکر غائب، تَمْحِيْص، کے ایک معنی چُن لینا مراد ہیں، ایک معنی تطہیر / پاک اور ایک معنی تخلیص کے بتائے گئے ہیں آخر کار دونوں کا مفہوم گناہوں سے پاکی اور خلاصی لیا جاتا ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ اَلْاَيَّامُ ﴾ اوقات / دن، اس کا واحد یَوْمٌ ہے اسم ہے۔ ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ سے مراد جانثار شہیدِ جہاد ہیں، انہیں کے خون کے قطروں نے مِلّت وقوم کی تاریخ کو نیرنگئ حیات عطا کی ہے اور شہداء سے مراد وہ اکابرین مِلّت ہیں، جن کا عمل اور سیرت حُسنِ عمل اس دنیا میں اسلام کی بقا اور حقانیت پر عدل وانصاف کا گواہ ہے اور جن کا علم اور بصیرت یوم قیامت اُن کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ ﴿ يَعْلَمَ اللّٰهُ ﴾ اللہ ایمان والوں کو ظاہر کر دے، تا کہ اللہ جان لے، ایک علم تو یہ ہے آئندہ یوں ہوگا یہ تو ابد سے ہے جب شئے عدم سے وجود میں آگئی تو اسی علم پر جزاء اور سزا ہے جسے ظہورِ علم کہا جاتا ہے۔ (بحوالہ المنار) ﴿ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ ﴾ موت کی آرزو، یہ تَمَنِّیْ سے مضارع کا صیغہ ہے۔ ﴿ تَلْقَوْهُ ﴾ ملاقات کرو، کسی کے مقابل ہونے کے ہوتے ہیں یہ لِقَاءٌ سے فعل مضارع کا صیغہ۔ ﴿ رَاَيْتُمُوْهُ ﴾ اور ﴿ تَنْظُرُوْنَ ﴾ دونوں کے مفہوم سمجھنے کے ہیں تاکید اور مبالغہ کی خاطر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے شمشیر کی چمک، جانثاروں کی صف آرائی، نیزے کی تیزی تیروں کی یلغار وغیرہ میں تم نے موت کو قریب سے خوب مشاہداتی طریقہ سے دیکھ لیا۔ (بحوالہ ابن کثیر اور فتح القدیر)

تشریح وتوضیحات آیت ۱۴۰ تا ۱۴۳

آیت ۱۴۰ میں اظہارِ گفتگو یہ ہے کہ اگر تم زخمی ہوئے تو تمہارے مخالف بھی ایسے ہی زخم خوردہ ہوئے ہیں، کیا خوب انداز ہے باری تعالیٰ کے بیان کرنے کا، گویا مسلمانوں کو تشفی کے بول بتائے جا رہے ہیں اگر غزوہ میں تمہارے کچھ لوگ زخمی ہوئے تو آخر کیا ہوا! تمہاری دشمن قوم تو غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے آغاز میں اسی طرح زخمی ہوئے اچھی طرح جان لو! اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہار جیت کے دن کو بدلتا رہتا ہے کبھی غالب کو مغلوب کر دیا جاتا ہے اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

"قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

اور ہم دونوں کو باری باری بدلتے رہتے ہیں جس میں رموزِ حکمت مضمر ہیں

اِس آیت میں ایک قاعدہ کُلیّہ اور ضابطہ اُصول کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ باری تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اس عالم میں یہی ہے کہ وہ دُکھ سُکھ، تکلیف، رنج و اَلم، اور فرحت و راحت نرمی اور سختی کے اَیّام میں لوگوں میں شکست وفتح کے تغیّر اور تبدّل / ادل بدل کرتے ہیں اگر کسی باطل طاقت کو وقتی نُصرت و کامرانی مل جائے تو جمعیتِ حق کو اس سے قطعی طور پر غمگین اور مضمحل نہیں ہونا چاہئے اور یہ بھی نہ سوچ لیا جائے کہ ہم کو ہمیشہ ہی ناکامی / شکست ہوگی، بلکہ اسباب کا پتہ لگا کر ان اسباب کا تدارک کماحقہٗ کیا جائے تو انجام کار تو یہی ہے کہ ہمیشہ فتح اہلِ ایمان کی ہے۔ "وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ" اور بعض کو تم میں سے شہادت کے لئے پسند کرے / چُن لے گویا باری تعالیٰ کچھ لوگوں کو شہادت کی توفیق وسعادت بخشنا چاہتا تھا بات یہ سمجھ میں آرہی ہے مطلب واضح ہے اہلِ ایمان اور مُنافقین کی مخلوط جماعت / درجہ بندی میں جس پر اِس وقت تم مشتمل ہو اور اُس کو الگ الگ چھانٹ لینا چاہتا تھا، اور اہلِ ایمان کو منصبِ جلیل عطا کرنا چاہتا تھا، اہلِ ایمان کو شہادت ملنا اور اہلِ ایمان کا غالب ہونا، فتح اور شکست حالات پر موقوف ہے ورنہ اللہ کافروں سے کبھی

راضی نہیں کہ اُن سے مسلمانوں کو شکست ہو جائے فتح تو مؤمن کا مقدر ہے۔

ع شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی اقبالؔ

آیت ۱۴۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نکھار دے انہیں جو ایمان لائے، حقیقت تو یہ ہے ایمان کی عظمت کا نکھار اور رنگِ توحید کی ملاوٹ کھلاوٹ اور بہار ظاہر ہوتی ہے اور سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم کو بتایا جائے، واقعہ در حقیقت تو یہ ہے کہ ہر واقعہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی باری تعالیٰ کو معلوم ہو جاتا ہے' بشارت دی جا رہی ہے کہ تمہیں یہ نعمتیں میّسر آ جائیں اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کو پاک صاف کر دے اور کُفّار کو نیست و نابود کرے، دنیا کے عارضی رنج و الم مؤمن پر پڑتے ہیں تو صبر و استقامت سے کام لیتا ہے تو یہ تکالیف رفع ہو جاتی ہیں اور صبر کرنے کا ثمر بھی ملتا ہے اور یہی مُوجب ہے ترقی اور درجات اعلیٰ مقام کا، عنداللہ کچھ مقامات اور منازل ایسے ہیں جو بغیر مصائب اُٹھائے حاصل نہیں ہوتے، غور کیجئے تو پتہ چلتا ہے جہاد اور منزلِ شہادت ہیں تو دیکھئے اس منزل کو پانے کی طلب "تجھ کو پانے کی طلب" "تجھ کو اپنا کا خیال" کے مصداق راہِ حق میں نقدِ جان لُٹانا بھی پڑتا ہے اور اکثریوں بھی ہوتا ہے کہ انسان سے بھول چوک بھی سَرزد ہو جاتی ہے تو شاید ان مصائب کو جھیلنے سے ان مصائب کا مداوا ہو جاتا ہے بر خلاف اس کے کُفّار کی بدنصیبی تو دیکھئے ان پر شدید عذاب اور مصائب بطورِ عقوبت وارد ہوتے رہتے ہیں جن کے سبب ان کو دنیا میں ذلیل و رُسوا ہونا پڑتا ہے اُن کی ہزیمت ہوتی ہے اور بدستور اس پر قائم رہیں، تو بالآخر تباہی و بربادی اُن کا مُقدر ہے اور تو اور، پھر ابدی ذِلّت اور رُسوائی سے دوچار ہوتے ہیں۔

آیت ۱۴۲ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ کیا تم نے گُمان کر رکھا ہے، تم جنّت میں یوں ہی بلا مشقّت اور بغیر تکالیف کی آزمائش کے چلے جاؤ گے حقیقت تو یہ ہے کہ جنّت تو اِن لوگوں کے مقدر کا حصّہ ہے جو امتحان اور آزمائش میں پورے اُتریں گے سورۃ البقرہ آیت ۲۱۴ پارہ سیقول (۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے بس بہشت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے، جب کہ تم پر ابھی وہ حالات ہی نہیں آئے، جو تم سے پہلے لوگوں پر آ چکے رگذر گئے انہیں تنگدستی نے آ گھیرا اور تکالیف رایذا ئیں پہنچیں اور خوب ہلائے گئے۔"

کیا تم نے خیال کر رکھا ہے صَبر اور مُجاہدہ کے بغیر جنّت حاصل کر لو گے، جنّت کے اعلیٰ مقامات اور بلند درجات تک پہنچنے کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ضرورت ہے اور ثابت قدم رہنا ہے سختیاں جھیلنی ہیں اور قربانیاں دینی ہیں مصائب کا ہمّت و عزم کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے چنانچہ سورۃ العنکبوت پارہ ۲۰ اَمَّنۡ خَلَقَ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۝

"کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور اُن کی آزمائش نہ ہو گی"

آیت ۱۴۳ میں یہ بیان مذکور ہے کہ تم تو موت کے آنے سے قبل موت کے متمنّی تھے سو تم نے موت کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں اُن سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں تو کیا اگر اُن کا وصال رانتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر گیا، وہ اللہ جلّ شانہٗ کو کیا ضرّ رنقصان پہنچا سکے گا! اور اللہ تعالیٰ شکر گذار لوگوں کو ثواب رجزا دے کر رہے گا۔ (۱۴۴)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِينَ ﴿١٤٥﴾

اور کوئی ذی روح اللہ جلّ شانہٗ کے حکم راذن کے بغیر مر نہیں سکتا، موت کا مقرّر وقت تو لکھا ہوا ہے، اور جو کوئی دنیا میں بدلہ رثواب پانے کے ارادے سے کام کرے گا، اُسے دنیا میں دے دیں گے اور جو کوئی آخرت کا اجر رثواب چاہے گا تو اُس کو اُس میں سے دیں گے، شکر کرنے والوں کو اور احسان ماننے والوں کو بہت جلد نیک بدلہ جزا ضرور عطا کریں گے۔ (۱۴۵)

لیا اور بس دیکھتے ہی رہے۔ اس آیتِ مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے جو صحابہٗ کرام ﷺ غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم تھے شہدائے بدر کے فضائل، مرتبے اور درجات اور اُن پر اللہ کے احسان و انعام کا بیان سُنا تو جو مسلمان وہاں موجود نہ تھے انہیں قدرے حسرت ہوئی! پھر انہوں نے اپنی تمنا کا برملا اظہار کیا! اے کاش! کسی جہاد میں انہیں بھی شرکت کی سعادت نصیب ہو جائے اور شہادتِ عظمیٰ کے بلند درجات اور مقامات اعلیٰ سے انہیں بھی نوازا جائے اِن لوگوں نے آقا محمد ﷺ پر غزوۂ اُحد پر جانے کے لئے درخواست کی اُن کے حق میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

انہیں صحابہ ﷺ نے غزوۂ اُحد میں جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر مدینہ منوّرہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا، اس کے بعد جب مسلمانوں کی کامیابی کافروں کے اچانک حملے سے ناکامی کا باعث بنی تو پھر یہ جوشیلے مجاہدین قدرے مضمحل ہوئے اور بعض نے تو راہِ فرار اختیار کی، اور چند ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ثابت قدمی کو اپنائے رکھا۔ (بحوالہ فتح القدیر)

حدیثِ مبارکہ میں مذکور ہے "لِقَـاءِ عَدُوٌ" "تم دشمن سے مُڈبھیڑ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت کے طلب گار رہو اور جب از خود حالات ایسے ہو جائیں کہ تمہیں دشمن سے جنگ کرنی پڑے تو پھر ثابت قدمی سے جمے رہو، اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو! کہ "جنّت تلواروں کے سائے تلے ہے" (صحیحین، بحوالہ ابن کثیر)

✿✿

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور کتنے ہی گذرتے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر رہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ کے چاہنے والوں نے لڑائی میں حصہ لیا پھر اللہ کی راہ میں انہیں جو بھی تکلیف پہنچی، نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ ہی کمزوری دکھائی اور نہ وہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے اور کسی سے دبے بھی نہیں! اور اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔(۱۴۶)

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دعا کے اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہ معاف کردے اور ہمارے کام میں جو بے جا زیادتی ہم سے سرزد ہوئی معاف فرمادے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔(۱۴۷)

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

پھر دے دیا اللہ نے اُن کو بدلہ رثواب دنیا کا اور آخرت کا تو خوب اجر عطا کیا، اور اللہ تو نیکی پر چلنے والوں سے بڑی اُلفت رمحبت رکھتا ہے۔(۱۴۸)

الفاظ و معانی آیت ۱۴۴ تا ۱۴۸

﴿ اَفَاۡئِنْ ﴾ کیا پھر اگر۔ ﴿ اَعْقَابِكُمْ ﴾ تمہاری ایڑیاں، اَعْقَابٌ، قواعد کے لحاظ سے عَقْبٌ اس کا واحد ہے بمعنیٰ ایڑی اِسم ہے۔ ﴿ مُؤَجَّلًا ﴾ وقتِ مُقررہ رتعین مدت۔ ﴿ يُرِدْ ﴾ چاہے گا، چاہتا ہے۔ ﴿ سَيَجْزِي ﴾ بدلہ رصلہ۔ ﴿ كَاَيِّنْ ﴾ بکثرت ،اسم ہے۔ ﴿ رِبِّيُّوْنَ ﴾ اللہ والے، ربیوں کی راء پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں ربیون، بکسر الراء، وتشدید الباء، مکسورۃ وضم الباء، رَبّ کی طرف منسوب ہے زمخشری نے اس کا معنیٰ رَبّ والے ہی کیا ہے، علامہ قرطبیؒ نے "انبوہ کثیر" میں اس کے دوسرا معنیٰ تحریر کیا ہے الرّبیّون الجماعَتِ الکثیرۃ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اس کا واحد رِبّی ہے اور رِبّۃ بمعنیٰ جماعت کی طرف مُنسُوب ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے رِبِّیُّونَ اللہ والے سے یہاں کون لوگ مراد ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اس سے مراد علماء وفقہا ہیں (بحوالہ روح المعانی) ﴿ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ﴾ پھیر دیا اللہ نے اُن کو۔ ﴿ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ ثواب دنیا ثواب کے معنیٰ ہیں "نتیجہ عمل" ثواب دنیا سے مطلب لیا جاتا ہے وہ فائدے اور اُمورِ نافع رنفع جو انسان کو جدوجہد عمل کے نتیجہ میں اسی دنیا کی زندگی میں ملیں۔ ﴿ وَحُسْنَ ﴾ اور اس سے بہتر رعمدہ۔ ﴿ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ﴾ ثوابِ آخرت سے مراد ہے وہ فائدے رنفع جو اس جہدِ پیہم اور عمل کے نتیجہ میں آخرت کی پائیدار زندگی میں ملے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کُن سوال یہی ہے کہ کارزارِ زندگی میں کوشش دنیا کے لئے ہے یا اُخروی نتائج پر۔ ﴿ وَهَنُوْا ﴾ وَهْنٌ سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے ضعف اور کمزوری، قواعد کے مطابق فعل ماضی معروف جمع مذکر غائب ہے۔ ﴿ ضَعُفُوْا ﴾ وہ کمزور ہوئے ضَعْفٌ، ضُعْفٌ سے فعل ماضی کا صیغہ۔ ﴿ اسْتَكَانُوْا ﴾ اِسْتِکَانَۃ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ دب جانے اور عاجز ہو کر رُک جانے کے ہیں۔(بحوالہ بیضاوی)

تشریح و توضیحات آیت ۱۴۴ تا ۱۴۸

آیت ۱۴۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ ہی کے تو رسول ہیں۔ اُن کا وصفِ امتیاز رسالت ہے ان سے قبل بھی بہت سے اللہ تعالیٰ کے رسول گزر چکے ہیں۔ رسول دُنیا میں باری تعالیٰ کا پیام اور پیغام، اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور اپنا فریضۂ منصبِ رسالت کی تکمیل کر کے قانونِ قدرت کے عین مطابق اس دارِ فانی سے رحلت کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملتے ہیں اگر آپ ﷺ کی وفات ہو جائے، یا آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے تو کیا آپ ﷺ کا لایا ہوا دین، اور آپ ﷺ کا پیغام چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں ایسا تو نہیں، بلکہ یہ عمل بدستور جاری اور ساری رہے گا، فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہے گا یہ بات تو قطعی مناسب اور درست نہیں کہ تم رسول کی موت کے بعد اتباع ترک کر دو گے، کیا صرف تم نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ دُنیاوی کے دوران ہی پیروی کرو گے، اور آپ کی وفات اگر وقوع پذیر ہو جائے جیسا کہ آپ ﷺ سے قبل لوگوں، نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے تو یقینی طور پر آپ ﷺ پر بھی موت وارد ہوگی، جیسا کہ پارہ نمبر ۲۱ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ سورۃ الْعَنْکَبُوت آیت ۵۷ میں ارشادِ ربّی ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قف ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

''ہر جان دار موت کا مزہ رذائقہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے''

آیت کریمہ نمبر ۱۴۴ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر آپ شہید ہو جائیں تو کیا لوگ اُلٹے پاؤں پھر جائیں گے اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نقصان نہیں، اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اجر دے گا۔

سرزنش رتنبیہ کے طور پر بتایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنا ہے، اس سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ اس عارضی ناکامی (غزوۂ اُحد میں) کے وقت حضور ﷺ کے مجروح ہونے کی خبر تشہیر ہونے میں یہ قدرتی راز مُضمر تھا کہ آپ ﷺ کے بعد جو حالات صحابۂ کرام ﷺ کو درپیش ہوتے وہ آپ ﷺ کی دُنیاوی زندگی میں ظاہر کر دیئے جاتے، تا کہ ان میں جس لغزش کا امکان ہو اس کی اصلاح خود نبی کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے ہو جائے۔

اس آیتِ مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ اُحد میں کسی کافر ❶ نے یہ خبر پھیلا دی کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے آقائے نامدار ﷺ کے بھی لہو بہہ رہا تھا اور آپ ﷺ قدرے گر پڑے تھے۔ مسلمانوں نے حضور ﷺ کو نہ پایا تو کہرام کی سی کیفیت ہوئی، پھر آپ ﷺ اُٹھے اور جنگ کی کمان اپنے دستِ مبارک میں لے کر مسلمانوں کو صدا دی ❷ پھر لڑائی اختتام پذیر ہوئی، کافر بھاگ گئے اس موقع پر سعد بن ابی وقاص ؓ، اور ابو طلحہ ؓ اور قتادہ بن نعمان ؓ وغیرہ نے بڑی جانثاری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ ربّ تعالیٰ نے اس واقعہ پر فرمایا رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین کو فنا نہیں، اور دعوتِ دین کا کام اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس پر مسلمانوں کو قائم اور دائم رہنا ہے اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ انبیاء کے بعد بھی اُمتوں پر اُن کے دین کا اتباع لازم ہے حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد بعض لوگ مُرتد ہوئے تو سیّدنا ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں قتل کیا، اور جو دین پر قائم رہے انہیں شاکر بتایا،

❶ ...... مفسرین لکھتے ہیں یہ خبر لگانے والا آواز لگانے والا ابلیس تھا، جب حضور کا چہرۂ انور زخمی ہوا اور مسلمانوں کا لشکر نہایت ابتری کی حالت میں لڑ رہا تھا تو آواز آئی محمد ﷺ قتل ہو گئے ایک صحابی نے آپ کو پہچان لیا اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ پندرہ سو جانثار تھے۔ (بحوالہ اسرار التنزیل پیر محمد اکرم اعوان) ❷ ...... ''اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا رسول ہوں'' محمد ﷺ۔

جو دین اور دعوت کو دنیا میں پھیلانے پر مصروف عمل رہے ان کو بڑا ثواب ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے سانحۂ وصال / وفات کے بعد جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شدّت جذبات میں مغلوب ہو کر "وفاتِ نبی" کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت تدبر اور حکمت عملی کو اپناتے ہوئے منبر رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر ان ہی آیات طیبات کی تلاوت فرمائی جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انہیں یہ انداز خیال ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

آیت ۱۴۵ میں بیان کیا جارہا ہے کوئی ذی روح حکمِ ربی کے بغیر نہیں ہوسکتا موت کا وقت مُقرّر ہے اور لکھا ہوا ہے یہ حقیقت ہے بقول مرزا غالب

ع موت کا ایک دن مُعیّن ہے
نیند رات بھر کیوں نہیں آتی غالبؔ

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ موت کے خوف / ڈر سے تمہارا بھاگنا، فضول سی بات ہے کوئی فرد / بشر اللہ کے تعیّن کردہ وقت سے پہلے مرسکتا ہے نہ اس کے بعد جی سکتا ہے گویا جب وقتِ مقرّر آجائے تو موت کو ٹالا نہیں جاسکتا، ان حالات میں گھبرانا کیسا، موت سے خوفزدہ ہونا کیسا، بھلا موت کے ڈر سے جہاد میں شرکت نہ کرنا قطعی سودمند نہیں، بات اتنی سی ہے کہ اس "زندگی" کو جو "پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی" کو جس نے حصولِ دنیا اور طلبِ دنیا میں صَرف کردیا وہ صرف دنیا ہی کو پاسکا، آخر کار دنیا اور رنگینیٔ کائنات کو تو چھوڑنا ہی پڑتا ہے اور جس نے یہاں رہ کر آخرت کی تیاری کرلی اور اجر کے لئے کام کیا اُس کا کیا کہنا، اے طالبِ حُسن و عشق! آخرت کے طلبگاروں کو آخرت میں اُخروی نعمتیں تو عطا ہوں گی ہی، دنیا میں اللہ انہیں عزّت، توقیر اور نعمتیں عطا فرماتے ہیں، ایسے ہی حق شناسوں کو اُس کا اجر ملتا ہے۔

آیت ۱۴۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ اس سے قبل بھی کئی انبیاء علیہم السلام نے جہاد میں حصہ لیا اور اللہ کے بندوں نے ان کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی جان! جانِ آفریں قُرباں کی اور کٹھن حالات اور مُشکلات میں بھی انہوں نے ہمّت اور جرأت سے کام لیا نہ تو تساہُل کیا اور نہ ہی لشکرِ کُفار سے مرعوب ہوئے، بلکہ عظیم قربانی کے ساتھ ساتھ صبر و استقامت کا دامن بھی نہیں چھوڑا، دولتِ صبر پانے سے اور استقامت پر ثابت قدم رہنے سے وہ اللہ کے محبوب ہوئے۔ آیت ۱۴۷ میں دعائیہ کلمات ہیں اے رَبِّ جلیل ہماری خطاؤں کو معاف فرما، جو گناہ ہم سے سرزد ہوئے ہیں معاف فرمادے! اے اللہ! ہمیں ثابت قدم رکھ۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما! اور ہمیں کُفار کے مقابلے میں فتح و نُصرت عطا کر، ہم اپنی کوتاہیوں پر تیری بخشش کے طلب گار ہیں۔ آیت ۱۴۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ نے اُن کو دنیا میں ثواب دیا دنیا میں نصرت و فتح، اور فتح مندی کا سکّہ بٹھادیا اور آخرت میں جو بہترین اجر عطا ہوگا، اس کا کہنا ہی کیا، کیسی کیسی نعمتوں کے مستحق ہیں فرمانبردار لوگ! حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست رکھیں گے اور عمل صالح سرانجام دینے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہیں گے تو صدقِ دل اور سراپا اخلاق کے ساتھ عمل کرنے والے، فرمانبردار لوگوں سے اللہ جلّ جلالہٗ محبت رکھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں پھیر دیں گے، کُفر کی طرف رمرتد کر دیں گے پھر تم بڑے خسارے رنقصان میں جا پڑو گے۔ (۱۴۹)

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

بلکہ اللہ ہی تمہارا حامی رمددگار ہے اور وہ سب سے بہترین مدد کرنے والا ہے۔ (۱۵۰)

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور ہم بہت جلد عنقریب کافروں کے دل میں رُعب رہیبت ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنالیا، جس کی اللہ نے کوئی دلیل رسند نہیں اُتاری اُن کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے، اور کیا بُرا ٹھکانہ ہے اِن بے انصافوں اور ظالموں کا۔ (۱۵۱)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم کو سچ کر دکھایا، جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تم جب بزدل ہو گئے رپست ہمتی اختیار کی اور حکم میں تنازعہ رجھگڑا کیا، اور نافرمانی کی، یہ سب کچھ تم نے اس کے بعد کیا جبکہ اللہ نے تم کو تمہاری پسند رچاہت کی چیز دکھائی کوئی تم میں سے دنیا کا طلب گار تھا، اور کوئی آخرت کا طلب گار، پھر اس نے تمہارا رُخ دشمنوں سے پھیر دیا تا کہ تم کو آزمائش میں ڈالے رآزمائے بے شک اس نے معاف کر دیا تم کو اور باری تعالیٰ ایمان والوں پر بے حد فضل وکرم کرنے والا ہے۔ (۱۵۲)

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

جب تم دُور بھاگے جا رہے تھے اور پیچھے مُڑ کر کسی کو بھی دیکھتے بھی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کے رسول تم کو ندا رآواز دے رہے تھے تب اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پہ غم پہنچایا رتو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور جو چیز کھو گئی ہے اور جو مصیبت راُفتاد پڑ چکی اس پر افسوس نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے تمہارے سارے کاموں کی۔ (۱۵۳)

الفاظ و معانی آیت ۱۴۹ تا ۱۵۳

﴿ اِنْ ﴾ اگر۔ ﴿ تُطِيْعُوا ﴾ پیروی کرو گے رتم کہا مانو، یہ اِطَاعَۃٌ سے مضارع کا صیغہ ہے جمع مذکر حاضر۔ ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا ﴾ تم پھر جاتے ہو، تم پلٹ جاؤ گے، اِنْقِلَابٌ فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿ نُلْقِيْ ﴾ ہم ڈالیں گے رڈالنے کو ہیں اِلْقَاءٌ مصدر ہے فعل مضارع جمع متکلم۔ ﴿ مَوْلٰىكُمْ ﴾ مَوْلٰی مضاف رحامی و مددگار رکارساز۔ ﴿ الرُّعْبَ ﴾ ہیبت، دبدبہ ردھاک، یہ رَعْبٌ،

بِرُعْبُ کا مصدر ہے اسم ہے۔ ﴿ النّٰصِرِیْنَ ﴾ مدد کرنے والا/ نَصْرَۃٌ سے اسم فاعل جمع مذکر۔ ﴿ تَحُسُّوْنَھُمْ ﴾ تم ان کو قتل کرتے۔ قواعد کے مطابق فعل مضارع کا صیغہ۔ ﴿ تَنَازَعْتُمْ ﴾ تم نے جھگڑا کیا، یہ تنازعٌ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ فَشِلْتُمْ ﴾ بزدلی کے ساتھ کمزور ہونا، پست ہمّتی، فَشْلٌ سے مصدر ہے۔ ﴿ تُصْعِدُوْنَ ﴾ اس کا مادہ اِصْعَادٌ ہے بمعنیٰ وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں زمین دور تک دوڑے چلے جانے کو اصعاد کہا جاتا ہے (بحوالہ بیضاوی) ابو حاتم نے کہا بلندی پر جانے کو صُعُوْد اور ہموار زمین اور وادی میں چلنے کو اصعاد کہتے ہیں۔ (بحوالہ قرطبی) ﴿ لِیَبْتَلِیَکُمْ ﴾ تا کہ تمہیں آزمائے، اس کا مفہوم یہ ہے "غزوۂ اُحد میں" جو عارضی شکست کی صورت پیش آئی ہے یہ بطور سزا نہیں بلکہ آزمائش/ امتحان کے لئے ہے۔ ﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ﴾ اور البتہ معاف کردے گا تم کو، گویا واضح انداز میں خطاتقصیر کا اعلان کردیا۔ ﴿ فَاَثَابَکُمْ ﴾ پھر پہنچایا تمہیں، یہ اَثَابَۃٌ سے بمعنیٰ عمل کے جزا دینے کے ہیں خواہ اچھا یا بُرا عمل ہو۔ ﴿ فَاتَکُمْ ﴾ تمہارے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ ﴿ تَعْمَلُوْنَ ﴾ جو تم کرتے ہو۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۴۹ تا ۱۵۳

آیت ۱۴۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے صاحبِ ایمان! اگر تم نے کافروں کی پیروی اختیار کی، تو وہ تمہیں کُفر کی طرف مائل کریں گے گویا جس کُفر کی کیفیت سے تم نکل کر آئے ہو اُسی سمت یہ تمہیں واپس لے جائیں گے یاد رہے کہ مُنافقین اور یہودی غزوۂ اُحد کی عارضی ناکامی کے بعد مسلمانوں کو غلط روش پر چلانے کی کوشش کر رہے تھے، پہلے تو یہ خبر پھیلا دی کہ محمد ﷺ شہید ہوگئے پھر جب جنگ کا رُخ پلٹتے دیکھا تو انہیں ایک شرارت سوجھی مسلمانوں سے کہنے لگے جب آپ ﷺ نہ رہے تو ہم اپنا دین کیوں نہ اپنالیں جس سے سارے تنازع ختم ہو جائیں گے، گویا یہ شرارت اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمن بھی ہیں اور بدخواہ بھی ہیں اِس لئے اس آیت میں کُفار کی اطاعت سے روکا گیا ہے کیونکہ اُن کی پیروی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا دامن چھوٹ جائے گا اور مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوجائے گی، اس لئے آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ان دُشمنانِ اسلام کی باتوں پر کان نہ لگائیں/ دھریں اُن کو باہمی مُشاورت میں شریک نہ کریں اور ان کے کسی مشورہ کو تسلیم نہ کریں۔ اس سے قبل کی آیات میں اللہ والوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا، اس میں مُنافقین اور مُخالفین اسلام کی باتوں پر عمل نہ کرنے اور ان کے شَرّ سے بچنے کی تلقین اور ہدایت ہے کامیابی کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مُضمِر ہے اور اللہ سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔

آیت نمبر ۱۵۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولا ہے اسی کا کہنا ماننا چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی کی مدد پر کامل بھروسہ کرنا چاہئے، جس کا حامی وناصر اللہ تعالیٰ ہو بھلا اس کو کیا حاجت کہ کسی اور کے آگے سرِ تسلیم خم کرے، رَبِّ جلیل ہی تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ صرف باری تعالیٰ پر توکل کریں اور اسی کی مدد پر مکمل اعتماد کریں اگر مُخالفین تمہاری نصرت وتائید کی کچھ تدبیریں کریں تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ان پر عمل کرنے سے اجتناب کرنا، اور جان لو! تمہارا مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

آیت نمبر ۱۵۱ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے ہم کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیں گے، کہ وہ ہیبت، وَحشت، دَہشت، اور خوف وحزن سے مرعوب ہوکر تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ کرسکیں گے، ہوایوں کہ اُحد کی شکست سے بعض کُفار کے دل میں وسوسہ ہوا کہ یہ گھڑی مسلمانوں کے بالکلیّہ خاتمہ کے لئے اچھی ہے لیکن رحمتِ باری تعالیٰ تو دیکھئے اس موقع

پر ان کے قلوب پر مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا پھر انہیں اپنے خیال باطن کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ (بحوالہ فتح القدیر)

کُفّار کے دلوں کو مرعوب کر دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے شرک کا ارتکاب کرتے، جس کی کوئی سند/دلیل نہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ شرک کا وبال ہمیشہ انسان کو مختلف انداز سے بھٹکاتا رہتا ہے اور اِک اِک شے کا ڈر اُن کو سراسیمہ کرتا ہے جس سے خوف دل میں بیٹھ جاتا ہے یہ خوف، یہ حُزن، یہ ملال، یہ بیچارگی، یہ اضطراب تو دنیا میں ہے آخرت میں مُشرک کا ٹھکانہ آتش/جہنّم ہے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے اور ایسے بے انصافوں اور ظالموں کے لئے سزاوار ہے۔

ع ''ہر دل پہ چھا رہا ہے رُعبِ جمال تیرا'' کے مصداق جب تک مسلمان، مسلمان رہے کافر ان سے خائف اور مرعوب رہے، دور کیوں جایئے آج بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

ع آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا اقبالؒ

باوجود مسلمانوں کے انتشار، بدنظمی اور ضُعف تنزّل کے دنیا کی تمام کافر قوتیں مسلمانوں سے خوف زدہ ہیں انہیں یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ قوم بیدار نہ ہونے پائے علمی، تحقیقی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہ رُعب غالب ہے۔

اس دلیل کی روشنی میں صحیحین کی حدیث کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ان میں ایک یہ ہے۔ ''نُصِرتُ بِالرُّعبِ مَسِیرَۃَ شَهرٍ'' دشمن کے دل میں ایک مہینے کی مسافت پر میرا رُعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ محمد ﷺ کا رُعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا۔ مُفسرّین نے اس سے نتیجہ اَخذ کیا کہ آپ کے ساتھ آپ کی محبوب اُمّت یعنی مسلمانوں کا رُعب بھی مُشرکین پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کا سبب اُن کا ''شِرک'' ہے یہ بات تو حقیقت ہے کہ ''مشرک کا دل'' دوسروں کی ہیبت اور جَلال سے لرزاں لرزاں رہتا ہے یہ اور بات ہے کہ جب کسی قوم میں مُشرکانہ عقائد و اعمال کا غلبہ ہوتا ہے تو دشمن کو مرعوب کرنے کے بجائے وہ خود دشمن سے خائف ہو جاتے ہیں ورنہ حقیقتِ احوال تو یہ ہے۔

ع کافر ہو تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی اقبالؒ

آیت ۱۵۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ یقیناً باری تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچّا کر دکھایا، جب کہ تم ابتداء میں ان کُفّار کو بحکم رَبّی قتل کر رہے تھے اور یہ تمہارا غلبہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ رائے میں تم نے پَست ہمّتی دکھائی اور کمزور ہوتے گئے یہ بات ذہن نشین رہے کہ نافرمانی مسلمانوں کی کمزوری ہے گویا جو حکم رسالتِ مآب حضرت محمد ﷺ نے تیر اندازوں کو دیا تھا انہوں نے اس کے برعکس کیا، نتیجہ یہ نکلا آپس میں جھگڑنے لگے کسی کا کہنا تھا، ہم کو اسی مقام پر جمے رہنا چاہئے کچھ نے خیال ظاہر کیا یہاں قیام کی چنداں ضرورت نہیں، جا کر مالِ غنیمت حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے اس جوش میں صَف بندی کا توازن ٹوٹ گیا اور ترتیب برقرار نہ رکھی جاسکی، اور فوجی کمان مُنتشر ہو گئی اور تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے مُشرکین نے اس سے فائدہ اُٹھایا اسی سمت اور راستے سے دفعۃً حملہ آور ہوئے دوسری جانب حضور ﷺ کے قتل کی خبر پھیلی، یہ دلوں میں کمزوری/ضُعف پیدا ہونے کا سبب بنی، یہاں تک کہ یہ لوگ بزدل ہو گئے اور تنازع میں اُلجھ گئے، اسی تنازع کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا کے مال و متاع پر اپنی توجہ مرکوز کئے تھے گویا

کافروں کا پیچھا کر کے مالِ غنیمت جمع کرنا چاہتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے ''میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب ہے'' اور تم میں بعض وہ تھے جو صرف اور صرف آخرت کے طلب گار تھے اس آیت مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے اب تم اُن کے سامنے سے بھاگنے لگے تمہاری خطا اور نسیاں، عصیاں اور کوتاہی سے معاملہ اُلٹا، گویا اس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ اب نوید مسرت سنائی جا رہی ہے کہ تمہاری غلطی رخطا کو تمہارے رحیم وکریم نے معاف فرما دیا ہے کوئی شبہ نہیں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔

آیت ۱۵۳ میں غزوۂ اُحد کا ہی اظہارِ بیان ہے اور مسلمانوں کی اُبتری افراتفری کی عکاسی کا احوال بتایا جا رہا ہے۔ وہ وقت یاد کرو جب تم جدھر کو بھی منہ اُٹھاتے، اسی سمت بڑھنے لگتے، اور میدانِ کارزار میں تمہاری یہ حالت تھی کہ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں پر چڑھے جا رہے تھے نہ کوئی منزل نہ جادۂ منزل، ہوشِ دل ربائی کا یہ عالم تھا کہ گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر کسی کو دیکھنا بھی گوارا نہ تھا اُس وقت اللہ کے رسول ﷺ بدستور اپنی زبان سے ارشاد فرما رہے تھے، اللہ کے بندو! میری طرف آ ؤ'' مگر تم نے سنا ہی نہیں، بھلا تم تشویش واضطرابی کیفیت میں آواز کہاں سے سنتے، بالآخر جب حضرت کعب بن مالکؓ نے زُور سے صدا بلند کی تب لوگوں نے سماعت پر توجہ دی اور اپنے نبی ﷺ کے گرد اِکٹھا ہو گئے تمہاری کوتاہی کی بناء پر تمہیں غم پہ غم ملا گویا تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل سے سرتابی کر کے، حضور پُرنور ﷺ کو رنج سے ہمکنار کیا اس کے عوض تمہیں بھی رَنج واَلم سے دوچار ہونا پڑا۔ غَمًّا بِغَمٍّ سے مطلب یہ بیان کیا گیا کہ پہلے غم سے مراد، مالِ غنیمت کافروں پر فتح ونُصرت سے محرومی کا غم۔ دوسرے غم سے مفہوم یہ لیا گیا کہ مسلمانوں کو بشارت اُن کے زخمی ہونے اور حضور ﷺ کے حُکم سے سرتابی اور آپ ﷺ کی خبرِ شہادت سے پہنچنے والا غم،

(بحوالہ ابنِ جریر اور ابن کثیر)

غم پہ غم اس لئے دیا گیا تا کہ تمہارے اندر غم برداشت کرنے کا حوصلہ رہے اور مصیبت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے تم پھر مغموم نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

پھر اللہ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت رتسلی دینے کے لئے تم پر اُونگھ رغنودگی طاری کردی جو ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ ربعضوں کو اور بعضے ایسے بھی تھے جن کو صرف اپنی جانوں کی فکر لاحق تھی اور بلاوجہ اللہ کے ساتھ، جہالت سے پُر بدگمانیاں کررہے تھے کہتے تھے، کیا اس کام میں ہمارا بھی کچھ اختیار ردخل ہے، آپ ﷺ کہہ دیجئے اختیار کُل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے، اگر ہمارے بس کا کچھ کام ہوتا تو اس جگہ ہم قتل نہ کئے جاتے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے! اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے، پھر بھی جن کے نصیب میں قتل ہونا لکھا جاچکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے، اور اللہ کو تو آزمانا تھا تمہارے دلوں کی باتوں رسینہ کے بھید کو، اور نکھارنا تھا تمہارے دلوں کو اور اللہ کو سینوں میں چھپی بات بھی معلوم ہے۔ (۱۵۴)

بے شک وہ لوگ جو تم سے پیٹھ پھیر گئے تھے جس روز دو جماعتوں کے مابین مُڈ بھیڑ ہوئی تھی انہیں شیطان نے ہی لغزش دی، ان کے بعض اعمال رکرتوتوں کے باعث، گویا بعض گناہوں کی شامت سے شیطان نے اُن کو ڈگمگادیا تھا پھر بھی اللہ نے ان کو معاف کردیا، یقینی طور پر اللہ بخشنے والا نہایت بُردبار رتحمل والا ہے۔ (۱۵۵)

الفاظ ومعانی آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵

﴿ اَمَنَةً ﴾ تسلی رسکون رچین۔ ﴿ نُّعَاسًا ﴾ اُونگھ رنیند رغنودگی، اسم ہے۔ ﴿ نُّعَاسًا ﴾ أَمَنَةً سے بدل ہے۔ ﴿ طَآئِفَةٌ ﴾ ایک جماعت رگروہ واحد اور جمع دونوں صورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ اَهَمَّتْهُمْ ﴾ فکرمند کردیا رتردد میں بتلا کردیا۔ ﴿ يُبْدُوْنَ ﴾ اَبدَاء سے فعل مصدر ہے وہ ظاہر نہیں کرتے مضارع منفی جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿ بَرَزَ ﴾ وہ نکلا، یہ بُرُوزٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب، کُھلم کھلا، عیاں رنمایاں ہونے کے ہیں۔ ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ اور مصائب اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ آزمائے جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا رمضمر تھا۔ اس سے اندازہ یہ ہوا کہ غزوۂ اُحد میں جو مصائب وآلام صحابۂ کرامؓ کو پہنچیں وہ بطورِ سزا نہیں تھیں بلکہ یہ تو آزمائش رامتحان تھا تاکہ اس نسبت سے مؤمن مخلصین اور منافقین میں امتیاز کا اظہار مقصود تھا۔ ﴿ مَضَاجِعِهِمْ ﴾ قتل گاہیں رمقتل۔ قواعد کے مطابق اسم ظرف ہے۔ ﴿ يُمَحِّصَ ﴾ تمحیص سے فعل مصدر ہے تاکہ نکھاردے رشفاف کرے مضارع مذکر غائب کا صیغہ۔ ﴿ الْتَقَى ﴾ لڑجائیں رمڈبھیڑ رگتھم گتھا۔ ﴿ الْجَمْعٰنِ ﴾ دوگروہ رجماعتیں یہ جمع سے تثنیہ ہے، قواعد کے مطابق اسم ہے۔ ﴿ اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ شیطان نے انہیں بہکادیا۔ ﴿ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾

بوجہ کوئی سابقہ لغزش۔ اس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ شیطان بوجہ ان کے کسی عمل کے انہیں اس روز پُھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ زجاج سے منقول ہے کہ شیطان نے اُن کو بعض اُن کے گناہ یاد دلائے جن کے سبب حق تعالیٰ سے ملنا ان کو بھلا نہ معلوم ہوا اُس لئے جہاد سے پھر گئے تاکہ بعد میں وہ اپنی روش سُدھار کر پھر جہاد میں حصہ لیں اور شہید ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملیں۔ (بحوالہ روح المعانی) حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ نے ایک حدیثِ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے واضح کیا کہ معصیت رگناہ سے دل میں ایک طرح کی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے اور جب دل ظلمت اور تاریکی میں آجاتا ہے تو شیطان قابو پالیتا ہے۔ (بحوالہ مسائل السلوک)

﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ﴾ معاف کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کا قصور۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵

آیت نمبر ۱۵۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حزن وملال کے بعد تمہیں راحت اور تسکین عطا کی، تو تم میں سے ایک جماعت کو حالتِ سکون میں نیند آنے لگی، ان کی سراسیمگی کے بعد باری تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا اور میدانِ کارزار میں باقی ماندہ مسلمانوں پر غنودگی چھا گئی، یہ اُونگھ اور غنودگی کی کیفیت، سکینت اور کامیابی کی منزل کی دلیل تھی، غزوۂ اُحد میں جب بدن زخموں سے چُور چُور ہو رہے تھے۔ تھکن اور تھکان سے جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا، اعزاء کے لاشے نظروں کے سامنے خاک وخون نہلائے ہوئے تھے، شدتِ غم سے اضطرابی کا عالم تھا، خوف وہراس ہر سمت پھیلا ہوا تھا، اس وقت فضلِ ربی شاملِ حال ہوا ربِّ جلیل نے مخلص مؤمنین پر غنودگی طاری کر دی، یہ باوجود احساسِ تھکاوٹ کے نیا عزم اور بلند حوصلہ لے کر زخموں سے چُور یہ لشکر، ایمان کی بصیرت وبصارت لے کر تازہ دم ہو گیا، حضرت ابو طلحہ ﷺ کا کہنا ہے میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا جن پر جنگِ اُحد کے دِن اُونگھ طاری تھی حتیٰ کہ میری تلوار میرے ہاتھوں سے گر پڑی، میں اُسے پکڑتا وہ پھر پھسل جاتی، اور پھر گر جاتی، میں نے اُسے سنبھالا۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف)

اِس کیفیت میں کچھ لوگوں کا یہ بھی عالم تھا جنہیں اپنی جانوں کی فکر لاحق تھی اور اُن کے خیال وگمان میں حماقت اور جہالت کا پردہ پڑا تھا، عجیب اندازِ گفتگو تھا، ان کا کیا ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے، مطلب صاف واضح تھا، کیا اب ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت وفتح کا امکان ہے کیا ہماری بھی کوئی بات مانی جاسکتی ہے حضورِ اکرم ﷺ سے خطاب کیا جارہا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے سب کچھ باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے دائرہِ اختیار میں ہیں، یہ لوگ بہت سی باتوں کو دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں جو بظاہر ظاہر بھی نہیں کرتے، حقیقت تو یہ ہے کہ تقدیر جو باری تعالیٰ نے رقم کر دی ہے، اس کے سامنے کسی بندہ کی کوئی تدبیر نہیں چلتی، ان کا کہنا تھا کہ اگر قیادت کے اختیار میں ہمارا کچھ دخلِ عمل ہوتا، تو ہم ناحق کیوں مارے جاتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اس قسم کی باتوں کا کچھ بھی تو حاصل نہیں! موت تو بہر نوع آنی ہے اور اسی مقام پر آنی ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دائرہ تحریر میں لکھ دی ہے اچھی طرح جان لو! اگر تم گھروں میں مُقیم ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا وہ کیسے! کہاں! اور کس طرح بچتے، ان کو تو مقامِ شہادت تک پہنچنا ہی تھا، یہ جو کچھ ہوا، اس کا مدعا تو یہ بھی تھا کہ تمہارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے نُورِ ایمان، یقینِ ایمان، عملِ ایمان اس کی آزمائش ہو جائے تاکہ منافق جدا ہو جائیں اور تمہارے قلوب کو شیطانی وسوسے سے پاک کیا جائے۔

آیت ۱۵۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے اور جس روز دو فریق باہم گتھم گتھا ہو گئے، سو اُن کو تو شیطان نے بہکا دیا اور شیطان تو پُھسلانے اور معصیت کے کاموں میں ملوث کرنے میں مصروفِ عمل رہتا ہے جب بھی اہلِ خلوص سے بعض اوقات

کوئی خطا گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ایک گناہ کی لغزش سے شیطان کو اور بہکانے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے غزوۂ اُحد میں جو مخلص مسلمان لغزش کا شکار ہو گئے تھے، تو پچھلے گناہ کی پاداش شامتِ اعمال سے شیطان نے فریب دے کر ان کے قدم ڈگمگائے ایک تقصیر تو یہ کہ تیر چلانے والوں کی خاصی بڑی تعداد نے فرمانِ محمد ﷺ کو ماننے سے گریزاں، گریزاں رہے یہ قول کتنا صادق ہے کہ نیکی کا صلہ یہ بھی ہے اس کے بعد مزید نیکی کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے اور بُرائی کا پہلو یہ ہے کہ بُرائی کرنے کے بعد مزید بُرائی کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت وکرم تو دیکھئے! اس کی شانِ کریمی کا فیضانِ رحمت تو دیکھئے، باوجود حکم عدولی کے باری تعالیٰ نے انہیں اس کی سزا میں انہیں کوئی تباہ کُن شکست سے ہمکنار نہیں کیا بلکہ اس غزوہ میں جن لوگوں سے قصور ہوا تھا انہیں معاف کر دیا گیا۔

اِس گفتگو کا مَاحَصل یہ ہوا کہ اس آیت کی روشنی میں یہ بات بڑی واضح طور پر معلوم ہوئی رَبِّ جلیل کی بارگاہ میں حضرت محمد ﷺ کے رفقاء اور ساتھیوں کی محبوبیت کا وہ اَعلیٰ اور اَرفع مقام حاصل ہے کہ باوجود خطا، تقصیر اور لغزش کے اُن کے ساتھ صرف عفو ودرگذر کا ہی معاملہ نہیں رہا بلکہ لطف وکرم بھی عطائے رَبِّ کریم ہے یہیں سے اہلِ سنّت والجماعت کے اس عقیدہ اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ مَعصیت سے مَبرا نہیں، گناہوں سے معصوم نہیں، لیکن جب اللہ نے اور اللہ کے محبوب ﷺ نے ان کی خطاؤں اور لغزش کو معاف کر دیا اور لُطف وکَرم سے نوازا تو پھر کسی کو کیا استحقاق حاصل ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ بُرائی کا تذکرہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر غزوۂ اُحد کا تذکرہ چھیڑ کر طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ نے اعلان کر دیا ہو اس پر کسی کو طعن کرنے کا کیا حق ہے۔ (صحیح بخاری شریف)

حافظ ابنِ تیمیہؒ رقمطراز ہیں ''اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلافات آئے اور قتل وقتال ہوئے ہیں اُن پر کسی الزام واعتراض سے باز رہنا چاہئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ کے آئینہ میں جو مندرجات ان کے عُیوب پر مشتمل ہیں اُن میں اکثریت کِذب پر مَبنی ہیں، جو غلط طور پر دشمنوں نے اُڑائی ہیں اور بعض تو ایسی ہیں جن میں کمی وبیشی کر کے انہیں اصلیّت کے خلاف کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ '' اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ '' گویا عملِ صالح سے بُرے اعمال کا بھی کُفّارہ ہو جاتا ہے اس لئے کوئی بھی مجاز نہیں کہ اُن کے اعمال پر مُواخذہ کرے اور کسی پر طَعن اور اعتراض کی زبان استعمال کرے۔ (بحوالہ عقیدہ واسطیہ ملخصاً علاّمہ حافظ ابنِ تیمیہؒ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اے ایمان والو! تم منکروں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہا کرتے تھے اپنے بھائیوں کے لئے، جو سفر میں نکلے ہوں یا ملک میں ہوں یا جہاد میں کہ اگر ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے/قتل کئے جاتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس گمان/خیال کو اُن کے دلوں میں حسرت واندوہ کا موجب بنا دیتا ہے، جلانا اور مارنا تو صرف باری تعالیٰ کے اختیار کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام/عمل جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔(۱۵۶)

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

البتہ، واقعی اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ/مار دیئے جاؤ یا شہید کئے جاؤ، تو بلاشبہ اللہ کی رحمت اور بخشش جو تمہارے حصے میں آئے گی بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔(۱۵۷)

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تم مر گئے، یا مارے گئے، تو اللہ ہی کے حضور تم سب ہر حال میں جمع/اکٹھا کئے جاؤ گے۔(۱۵۸)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور رحمتِ باری تعالیٰ کے باعث آپ ﷺ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ تُند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے/آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے، سو آپ اُن کے قصور معاف کیجئے اور اُن کے لئے بخشش طلب کیجئے! اور اُمور سرانجام دینے میں اُن سے مشورہ بھی کر لیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے کسی بات کا تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(۱۵۹)

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو کون ہے اللہ کے سوا جو تمہاری مدد کو آئے گا اور اہلِ ایمان کو صرف اللہ جلِ شانہٗ پر ہی بھروسہ/توکل کرنا چاہیے۔(۱۶۰)

الفاظ ومعانی آیت ۱۵۶ تا ۱۶۰

﴿ لَا تَكُوْنُوْا ﴾ نہ ہو جانا۔ ﴿ ضَرَبُوْا ﴾ وہ سفر کریں، یہ ضَرَبَ، یَضْرِبُ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے قواعد کے مطابق ﴿ مَا قُتِلُوْا ﴾ وہ نہ مارے جاتے، فعل ماضی مجہول۔ ﴿ حَسْرَةً ﴾ افسوس اندوہ، پشیمان/پچھتاوا، یہ حَسَرَ ہے قواعد کے لحاظ سے مصدر کا صیغہ ہے اور اسم ہے۔

﴿ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے، مفہوم یہ ہے کہ موت وحیات اللہ کے اختیار میں ہے اللہ کی مرضی ہے وہ

چاہے تو مسافر اور جہاد میں شریک رغازی کو سلامت لائے اور گھر میں محفوظ بیٹھے ہوئے کو موت سے ہمکنار کر دے۔

﴿ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ ﴾ تو بخشش اللہ تعالیٰ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے، یہاں مقاماتِ عبدیّت کے تین مقام کا ذکر ہے پہلا مقام تو یہ ہے کہ بندہ جہنّم کے خوف سے ربّ کی عبادت کرے تو اس کو عذابِ دوزخ رآگ سے نجات مل جاتی ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے جو جنّت کے شوق کی خاطر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس کی طرف رَحْمَةٌ سے لطیف اشارہ ہے یاد رہے رحمت بھی جنّت کا ایک نام ہے۔ تیسرا مقام اُن بندوں کا ہے جو عشقِ باری تعالیٰ میں مَسرور ہو کر اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت کرتے ہیں تا کہ ربِّ کائنات اپنی تجلّیات سے انہیں سرفراز کرے۔

﴿ اِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ تو اللہ کی طرف اُٹھتا ہے میں اشارہ لطیف یہ ہے کہ انوارِ باری تعالیٰ کا ظہور اور دیدار یومِ قیامت ہوگا، سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہونا ہے یومِ قیامت میں اس میدان میں اکٹھا کیا جائے گا اور قربِ الٰہی کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کرلیں گے، سُبحان اللہ کیا شان ہے ربّ کریم کی، ہم اعتراف کریں گے، ہم سب اُس کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ ﴿ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ضرور بہ ضرور اکٹھے کیے جاؤ گے۔ ﴿ يَجْمَعُوْنَ ﴾ جمع کرتے ہیں یہ جَمْعٌ سے ہے قواعد کے لحاظ سے فعل مضارع جمع مذکر غائب۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ ﴾ رحمت کے باعث رسبب کا لفظ یہ بتا رہا ہے کی ان صفاتِ کمال کا حضرت محمد ﷺ کے اندر پایا جانا اللہ کی رحمت سے ہے کسی کا ذاتی کمال وصف نہیں، پھر لفظ رحمت کو نکرہ کی صورت میں استعمال کر کے رحمت کے عظیم تر اور وسیع تر ہونے کی طرف لطیف اشارہ ہے وضاحت ہوئی کہ یہ رَحْمَتْ صرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ پر بھی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور اللہ کی رحمت کس قدر عام ہے آپ ﷺ اُسی کی رحمت سے سب کے ساتھ، نہایت نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں لُطف وعنایت اور کرم ومہربانی کی صفات ذاتِ محمد ﷺ میں مُضمر ہیں اسی رحمت کے سبب اِصلاح خلائق کا کام آپ ﷺ کے ذمّہ ہے۔ ﴿ فَظًّا ﴾ تندخو۔ ﴿ لَا نْفَضُّوْا ﴾ وہ متفرق ہو گئے اِنْفِضَاص سے ہے جس کے معنیٰ متفرق ہو گئے کے ہیں قواعد کے مطابق فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔

﴿ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ اور اُن کے لئے مغفرت طلب کی جائے راور اُن کے لئے آپ ﷺ استغفار کریں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد ﷺ ربّ سے بخشش طلب کی جائے تا کہ اللہ کے عذاب سے بچا جا سکے۔

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ ﴾ سو معاف کرلو اُن کو اُن سے جو خطاً ہوگئی آپ ﷺ اس کو معاف فرما دیں اس کا مفہوم یہ ہوا کہ مصلح کے لئے لازم ہے کہ عوام کی غلطی سرزَد ہونے پر انتقام نہ لیں، عفوودرگذر سے کام لیا جائے ایذاء پہنچانے والوں سے نرمی کا سُلوک رَوا رکھا جائے۔

﴿ وَشَاوِرْهُمْ ﴾ اور کاموں میں اُن سے مشورہ کیا جائے، مشورہ کے معنی ہیں کسی امر میں رائے معلوم کرنا، اس سے اجتہاد کا جواز اور قیاس کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے (بحوالہ مدارک اور خازن) مشورہ کے بارے میں سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵ ''اِلَیْہِ یُرَدُّ'' آیت ۳۸ میں بیان مذکور ہے ''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص'' اور آپس کے کام مشورے سے کرتے ہیں'' شَاوِرْهُمْ، اُن سے مشورہ کر شَاوِرْ، مُشَاوِرَةٌ سے ہے قواعد کے مطابق فعل امر کا صیغہ ہے۔ امام ابی عبداللہ القرطبیؒ

رقمطراز ہیں کہ ''مشورہ شریعت کے مُسلّمہ اُصولوں اور اہم ترین احکام میں سے ہے'' لفظ اَمر کا اطلاق عربی زبان میں کئی معانی کے لئے مُستعمل ہے عام معنی جس میں قول وفعل شامل ہے۔ دوسرا معنی حکم، جس کے لئے قرآن میں لفظ اولی الامر استعمال ہوا ہے۔ تیسرا معنیٰ مخصوص صفت کے الامر کله۔

سورۃ شوریٰ کی آیت ۳۸ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قابلِ غور بات/معاملہ جس میں کوئی اہمیّت اِفادیت ہو، خواہ وہ حکم وحکومت سے متعلق ہو یا دیگر اُمور، ان میں سچّے مسلمان کا کام تو یہ ہے باہمی مشورے سے اُمور سَرانجام دیئے جائیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہر ایک ایسا معاملہ جس میں مختلف آراء ہوں، کسی دوسرے سے باہم مشورہ کر لینا نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور یہ امر دنیا وآخرت میں باعثِ برکت ہے۔

''شعبُ الایمان'' میں بیہقیؒ رقمطراز ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کام کا ارادہ کرلے اور باہمی مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو رَبّ کی طرف سے اس کو درست صحیح اور مُفید ہدایت مل جاتی ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے مشورہ کرتے وقت ازواجِ مطہرات کی رائے کو بھی مدِّ نظر رکھا، مشورہ میں کسی عورت کی رائے بھی لی جا سکتی ہے اس کے ثبوت کے طور پر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳ پارہ ۲ سَیَقُوْلُ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط

''پھر اگر یہ دونوں آپس میں رضا مندی اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں''

اس میں چونکہ معاملہ کا عورت سے تعلق ہے اس لئے خاص طور پر عورت کے مشورہ کا پابند کیا گیا ہے۔﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ ﴾ پھر جب مصمم ارادہ کرلو، تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ عَـزَمْتَ، پختہ ارادہ کرلو، فَتَـوَكَّـلْ، ف، پس۔ تَـوَكَّـلْ کے معنیٰ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور کاموں کو اللہ کے سُپرد کرنا ہے۔

''کشفُ الاسرار'' میں ابوعلی دقاق رقمطراز ہیں کہ ''توکّل'' کے تین درجے ہیں۔ (۱)......اوّل اللہ پر بھروسہ/توکّل/اعتماد۔ (۲) دوئم......تسلیم۔ (۳) سوئم......تفویض۔

① ......توکّل، صاحبِ توکّل وہ ہے جو وعدۂ حق پر اُمید رکھتا ہے۔

② ......صاحبِ تسلیم علمِ باری تعالیٰ پر مطمئن ہے۔

③ ......صاحبِ تفویض اللہ کی رضا پر راضی۔ صاحبِ توکّل عطا کا طالب ہے۔ صاحبِ تسلیم منتظرِ لقا، اور صاحبِ تفویض آسودۂ رضا ہوتا ہے۔ (بحوالہ اسرار التزیل)

تشریح وتوضیحات آیت ۱۵۶ تا ۱۶۰

آیت مبارکہ ۱۵۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح ہر گز نہ ہو جانا جو درحقیقت کافر ہیں بظاہر اسلام کے دعوٰی دار ہیں مُنافقین کا بھی عجب حال ہے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ اخوّت بھائی چارے اپنانے کا حق

جتاتے ہیں لیکن مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور شوق جانثاری کو دیوانگی تصوّر کر کے جب کوئی مسلمان جہاد میں شرکت کر کے جامِ شہادت نوش کرتا تو کہتے اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے، سفر میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، اگر ہمارے یہ بھائی ہمارے پاس ہوتے اور اطاعت رسول ﷺ میں سفر اختیار کرنے سے گریز کرتے جنگ میں حصّہ نہ لیتے تو ہرگز قتل نہ ہوتے نہ یوں اُن کی موت واقع ہوتی۔ دراصل یہ ایک ایسی سوچ ہے جس میں کرب بھی ہے اور ایک حسرت ویأس جو دل کو مُضطرب و بے قرار کر رہی ہے اور یہ صرف کافر ہی کا حصّہ ہے اس آیۂ کریمہ میں اہلِ ایمان کو اس باطل عقیدہ سے اجتناب کی دعوت ہے۔ جس کو کُفّار اور مُنافقین اپنائے ہوئے ہیں، کیونکہ اس عقیدہ باطل کی اُساس بزدلی اور گُمراہی ہے جب یہ عقیدہ راسخ ہو کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب یہ معلوم ہو ''کہ ''موت کا ایک دن مُعیّن ہے'' تو اس سے انسان کی ذات میں عزم حوصلہ، ہمّت اور شجاعت اللہ کی راہ میں جان، جانِ آفریں سپُرد کرنے اور لڑنے کا جذبہ مزید اُبھرتا ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے اُن مُفاد پرستوں کے دامِ فریب میں نہ آنا، حیات و مَمات اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اگر وہ سفر پر یا لڑائی میں نہ جاتے، گھر میں ہی مقیم رہتے، بھلا موت کی آغوش میں جانے سے کیونکر بچ سکتے، موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آجاتی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۷۸ پارہ ۵ وَالْمُحْصَنٰتُ میں ارشادِ ربّی ہے

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

''جہاں بھی تم رہو گے موت ہر حال میں تم کو آ کر پکڑے گی اگر تم مضبوط قلعے میں محصور رمحفوظ رہو گے''

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اس حسرت ویاس سے مسلمان ہی محفوظ رہ سکتے ہیں، جن کے عقیدے راسخ مُحکم اور صحیح ہیں، مارتا، اور جلاتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

آیت ۱۵۷ اور ۱۵۸ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا مارے جاؤ تو یہ کوئی خسارہ نہیں، بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے یہ سودا بڑا سُودمند ہے بھلا سوچو تو سہی، اس زندگی فانی کے بدلے اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت اور مغفرت مُیسّر آجائے تو پھر اور کیا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کائنات کی تمام تر چیزوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔

موت تو بہر نوع، بہرحال اور ہر صورت آنی ہی آنی ہے، لیکن موت اگر ایسی آئے جس کے بعد انسان رَبِّ کریم کی رحمت اور مغفرت کا حق دار قرار پائے تو سُبحان اللہ، کیا کہنا، یہ تو دُنیا کے لُطف اندوز ہونے کے وسائل اور کثرتِ مال واسباب سے بہت ہی بہتر ہے۔ جس کے اکٹھا کرنے اور سمیٹنے میں اِنسان اپنی عمرِ عزیز کو مَتاعِ دُنیا پانے میں مصروفِ عمل رکھتا ہے اس لئے باری تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے گُریز نہیں کرنا چاہیے اس میں رَغبت، شوق وذوق اور اِنہماک اس قدر شدید ہو کہ بخشش ورحمت یقینی ہو جائے لیکن اس کے لئے اِخلاص شرط ہے لیکن اے کافرو تم کو پتہ ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا کتنا بڑا اعزاز ہے، اور شہید کا کیا مقام ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی زبان میں عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

ع　　صلۂ شہید کیا ہے　　تب وتاب جاودانہ

آیت ۱۵۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہ تو سب کچھ رَبّ کی عنایت ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ اُن کے لئے نرم دل ہوئے یہ باری تعالیٰ کی رحمت ہے اگر آپ ﷺ کے مزاج میں برہمی اور سختی ہوتی تو یہ بے چارے آپ ﷺ کے پاس سے سب مُنتشر ہو جاتے، آپ

ﷺ جیسا نرم خو، نبی محترم نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص سے مِلا ہے، آپ ﷺ اِصلاحِ نفس کے ساتھ ساتھ ان کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عفوو درگزر سے کام لیجیے، رَبّ کائنات نے تو اپنا حق معاف کر دیا ہے تا ہم ان کی دل جوئی اور طمانیتِ قلب کی خاطر ہم سے اُن کے حق میں معافی کے طلب گار بن جایئے۔ تا کہ اُن کے شکست خوردہ دل کو قرار آجائے آپ ﷺ کی خوشنودی، اور انبساط اُن کے لئے مُوجب طمانیت ہو، اور صرف معافی دینا ہی کافی نہیں بلکہ صحابۂ کرام ﷺ سے معاملات میں باہمی مشاورت کیا کیجیے، باہمی صلاح مشورے کے بعد طے شُدہ اُمور میں عزمِ صمیم کیا جائے، پھر ذات باری تعالیٰ پر توکّل کر کے ان معاملات کو سر انجام دیجیے، رَبّ توکّل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے حضرت محمد ﷺ سے سوال دریافت کیا گیا ''عزم'' کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ''مُشَاوَرَۃ'' مشاورت کرو۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

آیت مبارکہ ۱۶۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد وہی پاتا ہے جو اپنی قوّت، طاقت، توانائی اور صلاحیت پر بھروسہ نہیں کرتا، اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو چھوڑ دے تو کون ہے ایسا! جو تمہاری امداد کرے؟ اے صاحبِ حسن وعشق! اپنی عقل، رائے، تدبیر اور فہم وفراست پر بھروسہ نہ کر، ہر امر میں مکمل تدبیر اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنا چاہیے، سب اُمور کی انجام دہی اور تدبیر اللہ تعالیٰ کے دائرہ قدرت میں ہے انسان تو بس، بے بس ہے! اس کا علم کیا، اس کا گمان کیا، اس کی رائے اور تدبیر کیا، سب کچھ قدرت اور اختیارت اللہ تعالیٰ کا ہے انسان کو اپنی تدبیر سے رسوائی اور ذلّت کا مشاہدہ ہی کرنے میں مصروف عمل ہے مولانا رومیؒ نے کیا خوب کہا۔

خویش را دیدم و رُسوائی خویش
امتحان مَا مکُن اے شاہ بیش مولانا جلال الدین رومیؒ

گویا جب میں اپنے آپ پر غور کرتا ہوں تو مجھے اپنے سامنے اپنے معاصی رگناہ دکھائی دیتے ہیں، اے میرے مالک رَرَبِّ جلیل میرا امتحان نہ لینا، میری التجا ہے مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، بہادر شاہ ظفر کی زبان میں کہنے کو جی چاہتا ہے۔

ع نہ تھی حال کی ہمیں جب اپنی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی خرابیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا ظفر

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

اور ممکن نہیں کہ کسی نبی سے خیانت ہوجائے/یا وہ کچھ بھی چُھپا رکھے اور جوکوئی خیانت کرے گا تو یوم قیامت اپنے ہمراہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر حاضر ہوگا پھر ہر نفس کو اپنے اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا اور ظلم کسی سے بھی نہیں کیا جائے گا۔(۱۶۱)

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾

تو کیا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کا تابع ہے، اس کے برابر کیسے ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا حق دار بن گیا ہے ایسوں کا ٹھکانہ تو جہنّم ہے اور کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔(۱۶۲)

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

اللہ تعالیٰ کے پاس اُن کے درجات الگ الگ/مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں۔(۱۶۳)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٦٤﴾

بے شک اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہوا اہلِ ایمان پر اُن ہی میں سے ایک رسول مَبعوث کیا جو پڑھ کر سناتا ہے اللہ کی آیات اُنہیں، اور پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کُھلی گُمراہی میں تھے۔(۱۶۴)

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

یہ کیا ہے! کہ جب تم پر کوئی اُفتاد/مُصیبت پڑے حالانکہ اس سے قبل دوچند تکالیف تم (دشمن) کو پہنچاچکے ہو تو تم کہہ اُٹھے کہاں سے آئی ہے یہ اُفتاد، آپ ﷺ کہہ دیجئے! یہ تمہاری ہی طرف سے آئی ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(۱۶۵)

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾

اور وہ اُفتاد/مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں افواج ملی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی تاکہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو جان لے۔(۱۶۶)

الفاظ ومعانی آیت ۱۶۱ تا ۱۶۶

﴿ غَلَّ ﴾ خیانت کی، کچھ مالِ غنیمت سے پہلے چُھپا لیا، قواعد/گرائمر کے مطابق فعل ماضی معروف غلول مَصدر/واحد مذکر غائب۔ غُلُوْلٌ لفظ غلول مطلقاً خیانت کا مفہوم دیتا ہے اور خاص کر مالِ غنیمت کی خیانت کے لئے بھی مستعمل ہے یاد رہے کہ مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت کا جُرم عام چوری اور جُرم سے زیادہ اہم ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں حق کا حق دار لشکر اسلام کے تمام افراد شامل ہیں سو جو چھپانے کا مُرتکب ہوا تو اس چُوری میں اس نے ہزاروں لوگوں کے مال کی چوری کی، اور اگر نوبت کسی وقت تلافی کی آجائے تو پھر خاصا مشکل کام ہے سب کو حق دیا جائے یا سب سے الگ الگ معاف کرایا جائے اس لئے غلول کی سزا عام چُوری سے زیادہ شدید ہے۔

﴿ بَآءَ ﴾ مستحق ہوا، حق دار ہوا، بَوَاءٌ سے ہے بھی ٹھکانہ معنیٰ صحیح کرنے اور جگہ ہموار کرنے کے ہیں، قواعد کے لحاظ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ بِسَخَطٍ ﴾ غصہ/ناراضگی، جو اللہ تعالیٰ کے غضب میں گھیر گیا ہوا۔ ﴿ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ بُرا ٹھکانہ۔ ﴿ مَنَّ ﴾ احسان کیا، قواعد کے مطابق

ماضی کا صیغہ۔ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ حضرت محمد ﷺ کو دُنیا میں مبعوث کر کے باری تعالیٰ نے مومنوں پر احسانِ عظیم کیا ہے تمام عالم کے لئے آپ ﷺ کا وجود نعمتِ کبریٰ ہے۔ ''اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا'' ان میں سے ایک رسول کی بعثت ہوئی آپ ﷺ کی بعثت نعمتِ عظیمہ ہے کیونکہ خلق کی تخلیق / پیدائش جہل اور عدم ذرایت وقلتِ فہم ونقصانِ عقل پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ان میں مبعوث فرما کر انہیں گمراہی سے نجات دی۔ (بحوالہ کنز الایمان، مولانا احمد رضا خاںؒ) ﴿ مُّبِيْنٍ ﴾ بیان / صریحًا ظاہر کرنے والا قواعد کے مطابق اسم فاعل ہے۔ ﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ اور جو کچھ مصیبت / اُفتاد تم کو پہنچی۔ ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ ﴾ کہہ دو وہ شامتِ اعمال تمہاری ہی طرف سے ہے، بتایا جارہا ہے کہ یہ تکلیف اور اُفتاد دراصل دشمن کی قوت وکثرت کے سبب سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بعض کوتاہیوں اور خامیوں کا ثمرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعمیل امر وحکم میں تم سے کچھ کوتاہی ہوگئی۔ ﴿ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے / اس آیتِ مبارکہ میں بیان ہے جو کچھ ہوا باری تعالیٰ کے اِذن / حکم ومشیت سے ہوا جس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ اور مُضمر ہیں۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۶۱ تا ۱۶۶

آیت نمبر ۱۶۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اس بات کا احتمال ہی نہیں ہے کہ نبی سے خیانت کا ارتکاب ہوجائے اصل احوالِ حقیقت یہ ہے کہ جب غزوۂ اُحد کے تیر اندازوں نے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے عقب کی حفاظت پر مامور کیا تھا، دیکھا کہ دوسرے مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں تو اُن کے دل میں یہ گُمان گزرا کہ کہیں ایسا تو نہیں جس نے جو چیز سمیٹ لی، اُسی کی ہوگئی اور ہم کو کچھ نہ ملے، اس صورت حال کو پیشِ نظر رکھ کر رسالت مآب ﷺ نے اُن کے دل کی بات فرمائی! ''اَظَنَنْتُمْ اَنَّا نَغُلُّ وَلَا نَقْسِمُ'' کیا تم کو یہ گُمان ہے کہ ہم خیانت کریں گے اور تم کو کچھ نہ دیا جائے گا، اس موقع پر اس آیت مبارکہ کا نزول ہوا، کیا تمہیں سپہ سالار غزوۂ حضرت محمد ﷺ کی امانت پر بھروسہ اور اطمینان نہیں، یاد رکھنے کی بات ہے نبی سے کسی قسم کی خیانت کا امکان ممکن ہی نہیں ہے۔ اچھی طرح جان لو! خیانت نبوّت کے منافی ہے نبی ﷺ کی شان اس سے منزّہ ہے نیز خیانت کی امید نبی سے رکھنا تمہارا یہ اندازِ فکر اور خیال وگُمان ایک مذموم فعل ہے۔

کسی نبی کی یہ شایانِ شان نہیں کہ دل میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اظہار کرے، رَبّ کے تمام نبی ہر طرح سے جو بات ان پر نازل ہوئی ہے سب کچھ ویسا ہی، اسی انداز سے سب کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں وہ لوگ جن کا عمل یہ ہو کہ ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور ہے ایسے سب لوگوں کے دل میں کھوٹ ہے اور یہ سب کچھ یومِ قیامت ظاہر کر دیا جائے گا، قیامت کے دن ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، سُبحان اللہ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ جن کی تمام تر سیرت مبارکہ ظاہری اور باطنی پہلو کے اعتبار سے یکساں ہے اس امر کی تصدیق سورۃ النجم آیت ۳/۴ پارہ ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ سے ہوجاتی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ صرف وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۶۲ میں وضاحت کے ساتھ اظہار کیا جارہا ہے کہ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو شخص ہمیشہ رَبّ کی رَضا اور مرضی کی مطابق چلنے والا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کا تابع اور مُطیع، بلکہ یوں کہیئے دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے تابع کرنے کی کوشش میں مصروفِ عمل رکھے، کیا اُن جیسے لوگوں کے سے کام کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب میں گھر گیا ہو، اور جس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہو، جہنم تو بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

آیت نمبر ۱۶۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ باری تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے مختلف درجات ہیں اللہ تعالیٰ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے، یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ عِنْدَ اللّٰہِ لوگوں کے درجات اور مدارج ہیں نہ سب کا مقام جنّت میں ایک جیسا ہے اور نہ سب دوزخ میں جانے والے ایک جیسے ہیں، جنّت میں بلند درجات کا وہ مستحق ہے، جس نے جس قدر دنیا میں خلوصِ اطاعت کے ساتھ ربّ کی رضا پر راضی رہا اور درجات حاصل کر لئے، اور جب عدم اطاعت اللہ اور وبال میں گرفتار بلا ہو تو نیچے سے نیچے گرتا چلا گیا ربّ جلیل سب کے اعمال دیکھتے ہیں اور جہنّم کے درجات نیچے کی سمت چلتے ہیں اس گفتگو کا ماحصل یہ ہوا کہ ہر ایک کی منزلت اور اس کا مقام جُدا جُدا ہے نیک لوگوں کا مقام الگ اور بُرے لوگوں کا مقام الگ ہے۔

آیت نمبر ۱۶۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حضرت محمد مُصطفٰی ﷺ کی بعثت اللہ جلّ شانہٗ کا احسان عظیم ہے پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے قرآن کریم کی تصریح کے مطابق حضرت محمد ﷺ رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ ہیں اور تمام تر عالم کے لئے آپ ﷺ کا تشریف لانا اور آپ ﷺ کا وجود نعمتِ کبریٰ ہے، آج کا مادّہ پرست انسان روحانیت فراموش ہے۔ کون نہیں جانتا، انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے رہے، اس لئے کہ وہ روحِ انسانی کی صحیح سمت میں تربیت کر کے انسان کو عظمتِ انسانی سے ہمکنار کر کے انسان بنا گئے اُن کے اعمال و افعال بنی نوع انسان اور انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوئے اور خود اپنے انجام سے آشکار ہو کر آخرت کی دائمی زندگی کا سامان، بہم انہیں میسّر آ سکا۔ محبوب ربّ کائنات حضرت محمد ﷺ کو جو ہمارے نبی اور رسول ہیں انہیں انبیاء میں امامت اور سیادت کا منصب عطا ہوا ہے۔ انہیں انسان کو صحیح مکمل انسان بنانے میں اور صراطِ مستقیم کی راہ پر گامزن کرنے پر تمام شانِ انبیاء سے آپ ﷺ کا مقام بہت ممتاز ہے۔ مسلمانوں پر تو اللہ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ "اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ" "اُن ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث کیا" پہلی بات تو یہ کہ وہ اس طرح اپنی قوم کی زبان اور اندازِ تکلم و لہجہ میں ربّ کا پیغام پہنچائے گا جس کو سمجھ لینا ہر شخص کے لئے آسان اور سہل ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور قریب سے قریب ہوں گے۔ تیسری بات یہ کہ انسان کے لئے بشر کی اتباع رپیروی تو عین ممکن دکھائی دیتی ہے لیکن فرشتوں کی بات ماننا اُن کے بس کی بات نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ فرشتہ انسانی شعور کی گہرائی، اور باریکیوں کے ادراک کا متحمل ہو سکتا ہے اس لئے اگر وہ نبی فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ تمام وصف و خوبی سے ناواقف ہوتے جو تبلیغ اور دعوتِ دین کے لئے لازمی ہے ذرا اس بات کو تو اچھی طرح سمجھ لیجئے! کہ جتنے بھی دنیا میں انبیاء آئے تشریف لائے سب کے سب بشر ہی تھے قرآن الحکیم نے ان کی بشریّت کو صاف صاف بیان کیا ہے چنانچہ سورۂ یوسف آیت ۱۰۹ پارہ ۱۳، وَمَآ اُبَرِّئُ میں ارشادِ ربّانی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ط

"آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی ہم نے پیغمبر بھیجے سب کے سب مرد تھے یعنی آدمی جن کی طرف ہم نے وحی اتاری تھی، اور یہ سب رسول بستیوں میں رہنے والے تھے۔

آپ ﷺ کی بعثت سے بشریت کو وہ شرف اعزاز عطا ہوا کہ تمام تر مخلوق سے اُس کی شان زیادہ ہے آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کُفر کی علامت ہے۔

شیخ ولی الدین عراقیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کو بشر اور عرب جاننا کیا صحتِ ایمانی کی شرط ہے فرمایا گیا "بلاشبہ" "اگر کوئی آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار تو کرے مگر یہ کہے کہ میں نہیں جانتا" "کہ آپ ﷺ بشر ہیں یا فرشتے، یا جن، یا پھر عرب و عجم کے رہنے والے تھے تو اس کے کُفر میں کوئی شک نہیں" (بحوالہ روح المعانی)

آیئے گفتگو آگے بڑھاتے ہیں اور خود نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ارشاد باری تعالیٰ ہے، سورۃ الکھف آیت ۱۱۰ پارہ ۱۶ قَالَ اَلَمْ۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

"آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں لیکن میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے تم سب کا معبود صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے"۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ کہ اس آیتِ مبارکہ میں نبوّت کے تین اہم نکتات/اُمور کی طرف اشارہ ہے۔

۱.....تلاوت آیات، اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنانا، جن کے ظاہری معنیٰ مفہوم وہ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے۔ تلاوت خود ایک مقدّس اور نیک عمل ہے۔

۲.....تزکیہ ایک قلبی اور رُوحانی کیفیت ہے جس سے دل میں اخلاص اور اطاعت باری تعالیٰ کی محبت بیدار ہوتی ہے اور گناہ/معاصی سے نفرت ہونے لگتی ہے حضور ﷺ کی صحبتِ فیض سے اور دِلی لگاؤ سے، تصرف سے، انسان شرک اور معصیت سے پاک ہوتا ہے گویا تزکیۂ سے عقائد، اور اعمال واَخلاق کی اِصلاح ہوتی ہے۔

۳.....تعلیم، کتاب وحکمت: تعلیم کتاب وحکمت سے مراد وہ تعلیم ہے جو انسان کے راہِ عمل کو آسان اور سہل کردے کتاب کے ساتھ مفہوم کتاب یا حکمت یعنی حدیثِ مبارکہ اور کتاب اللہ کی وہ شرح جو آپ ﷺ نے بیان کی، حکمت سے مراد مفسّرین کی آراء میں حدیث ہے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق واعانت سے اُمّت کو علم وعمل کے اعلیٰ اور ارفع مراتب پر فائز کردیا جو صدیوں سے جہل وظلمت، تاریکی اور اندھیرے میں اور صریحاً گمراہی میں مبتلا تھی۔

آیت نمبر ۱۶۵ میں اظہارِ بیان ہے اور یہ تمہارا حال ہے کہ جب تم پر اُفتاد آجائے تو تم کہنے لگتے ہو یہ کہاں سے آئی ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں اس سے دوچند مصیبت اور پریشانی تمہارے ہاتھوں فریق مخالف پر آچکی ہیں، غزوۂ اُحد میں تمہارے ستّر (۷۰) آدمیوں نے جام شہادت نُوش کیا تو غزوۂ بدر میں تم نے ستّر (۷۰) کافر قتل کئے، اور ستّر (۷۰) کے قریب قیدی بنائے تھے، لیکن غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کا اصل سبب تو مورچے پر ڈٹے نہ رہنے کی صورت میں ہوا، حقیقتِ احوال کی صورتِ حال تو یہ ہے کہ اوّل حملے میں ایمان والوں کو پوری کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔

اے مسلمانو! تم انہیں اس سے زیادہ صدمہ پہنچا چکے ہو، پھر اس بات پر پریشانی اور پشیمانی کیسی! اصل بات تو یہ ہے کہ آپ لوگوں نے غیر ارادی طور پر ہی سہی، درّہ کو خالی کر کے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی تکمیل وتعمیل میں کوتاہی کی ہے حضور ﷺ کے حکم عدولی کا نتیجہ تو سامنے آنا ہی تھا، تم ذرا غور تو کرو! تم تو خود ہی اس مصیبت کا مُوجب بنے ہو، تم نے جوش میں آکر نبی اور دیگر لوگوں کی رائے کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا، اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ منورہ کے باہر محاذ آرائی کی فضا پیدا کرلی، تمہارے تیراندازوں نے غلطی یہ کی کہ اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کردیا تو آپ ﷺ کہہ دیجئے یہ رَنج واَلم جس سے تم ہمکنار ہوئے تمہاری ہی طرف سے ہے باوجود حضور ﷺ کی شدید مخالفت کے، مالِ غنیمت کی طلب کی خاطر مرکز چھوڑا یہ سب سبب تمہارے قتل وہزیمت کا ہوا۔

آیت نمبر ۱۶۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ جو نقصان جنگ کے روز تمہیں پہنچا جس دن دُونوں فوجیں مقابلے میں بھڑ گئیں اور مصیبت سے تم دُوچار ہوئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تاکہ اہلِ ایمان کو اپنے علم سے ظاہر کردے، وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے تھا، "اِذن" سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر ہے۔ (بحوالہ القرطبی)

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

اور دریافت رمعلوم کریں اُن کو جو منافق تھے جن کو کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو یا صرف دشمن کے حملے کی مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے ہم کو جنگ کا علم ہوتا تو ہم تمہارا ساتھ دیتے اور ضرور تمہاری پیروی کرتے ایسے اس دن کُفر سے زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے، وہ اپنی زبانوں رمُنہ سے ان باتوں کا اظہار کرتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتی اور جو کچھ وہ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں اللہ جلِ شانہٗ تو خوب جانتا ہے۔(۱۶۷)

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو (گھر گھس کر) بیٹھے رہے، اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو مارے نہ جاتے رقتل نہ ہوتے آپ ﷺ کہہ دیجئے! اگر تم اپنے قول میں سچے ر صادق ہو تو ذرا موت کو اپنے آپ سے دُور تو کر کے دیکھاؤ راپنے اُوپر سے موت کو ہٹا کر بتانا۔(۱۶۸)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

اور کبھی تم یہ گمان مت کرنا، وہ مُردہ ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کئے گئے راُن کو ہرگز مُردہ نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ اپنے ربّ کے نزدیک زندہ ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے اُنہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔(۱۶۹)

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾

خوش رشادماں ہیں اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے اُنہیں عطا کیا ہے اور نوید مسرّت رخوش خبری دینا چاہتے ہیں جو ایمان والے اُن کے پیچھے دنیا میں رہ گئے اور ابھی تک وہاں نہیں پہنچے ہیں اُن کے لئے نہ کوئی خوف رڈر ہے اور نہ وہ افسردہ رغمگین ہوں گے۔(۱۷۰)

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

اظہارِ مسرّت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اُس کے فضل پر اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے کسی اَجر کو ضائع ہونے نہیں دیتا۔(۱۷۱)

الفاظ و معانی آیت ۱۶۷ تا ۱۷۱

﴿ لِيَعْلَمَ ﴾ معلوم کریں ر دریافت کریں۔ ﴿ ادْفَعُوا ﴾ ہٹاؤ، تم دفع کرو، یہ دَفْعٌ سے فعل امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ نَعْلَمُ ﴾ عِلْمٌ ہم جانتے ہیں قواعد کے مطابق مضارع جمع متکلم۔ ﴿ بِأَفْوَاهِهِمْ ﴾ اپنے منہ سے۔ ﴿ يَكْتُمُونَ ﴾ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ ﴿ لَوْ ﴾ اگر۔ ﴿ أَطَاعُونَا ﴾ انہوں نے ہماری بات مانی ہوتی، انہوں نے ہماری اطاعت کی ہوتی اِطَاعَةٌ سے فعل ماضی کا صیغہ۔

﴿ اِدْرَءُوْا ﴾ تم دور کرو، یہ دَرْءٌ سے ہے معنی دفع کرنے کے ہیں، فعل امر کا صیغہ ہے۔ ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ ﴾ نہ گمان کرو/نہ خیال کرو۔ ﴿ فَرِحِيْنَ ﴾ وہ خوش و خُرّم ہیں/شاد ہیں، اِترانے والے اس کا واحد فَرِحٌ اسم ہے۔ ﴿ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ خوش ہو رہے ہیں۔ ﴿ لَمْ يَلْحَقُوْا ﴾ وہ نہیں پہنچے، لَحُوْقٌ، مَصدر ہے، قواعد کے لحاظ سے فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب۔ ﴿ لَا يُضِيْعُ ﴾ ضائع نہیں کرتا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۶۷ تا ۱۷۱

آیۂ مبارکہ ۱۶۷ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جو کچھ نقصان کا سامنا ہوا ہے تکلیف دُکھ پہنچا تا کہ اس کے بعد تم اتباعِ محمد ﷺ کا اہتمام اور اِنصرام کماحقہٗ سرانجام دو، اس کا ایک مدعا مؤمنوں اور منافقوں کو ایک دوسرے سے جُدا اور ممتاز کرنا بھی تھا جب اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو/یا کافروں کو ہٹاؤ، گویا جب مُنافقین کو دعوتِ شرکت دی گئی تو انہوں نے بر ملا کہا اپنے سے چار گنا زائد سامانِ حرب سے مسلح اور ہر ساز وساماں سے لیس لشکر کے مقابلے میں میدانِ کارزار میں ٹکر لینا جنگ نہیں بلکہ یہ تو خودکشی ہے، ہم لڑائی میں تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ/رضامند ہیں لیکن جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتے۔ (بحوالہ بیضاوی)

بات دراصل یہ ہے کہ جب غزوۂ اُحد کا آغاز ہوا تو اس سے قبل ہی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تین سو (۳۰۰) آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا تو اس وقت یہ کہا گیا کہ عین موقع پر لڑائی سے کیوں فرار ہوتے ہو اگر دعوٰی اسلام میں صادق ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو ورنہ کم از کم اتنا کچھ تو کیا جائے دشمن کو دُور ہٹانے/دفع کرنے میں شریک رہو تا کہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر اثر انداز ہو اگر اللہ کی راہ میں دین کی خاطر جنگ گوارہ نہیں تو کم از کم اپنے جذبۂ قومی کی خاطر اور حمیّتِ وطن کے لئے اور اپنے اَموال اَولاد کی بقا کی خاطر دشمن کی مدافعت کرو اگر دشمن کامیابی سے ہمکنار ہو تو انتقام لینے میں منافق اور مؤمن کی تمیز برقرار نہ رہ سکے گی اور عام مسلمانوں کی طرح تمہیں بھی خسارہ ہو گا اگر واقعی جنگ ہوتی تو تمہارے ساتھ چلتے بھلا یہ کوئی بات ہوئی ایک طرف تین ہزار فوج پر مشتمل لشکر اور ایک طرف صرف ایک ہزار بے سروساماں افراد یہ تو لڑائی نہ ہوئی صرف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے 'لَوْ نَعْلَمُ قِتَالاً' سے بتانا مقصود تھا کہ ہم حرب کے طریقہ کار سے واقف ہوتے ضرور آپ کے ہمراہ رہتے، گو حیلہ، بہانا کر کے واپس لوٹ گئے مسلمانوں سے لڑائی میں شرکت سے پہلو تہی، ان کا نفاق تھا جسے وہ اپنے دل میں چُھپائے تھے۔

آیت ۱۶۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یہ بد بخت مُنافقین خود تو پہلو تہی کرنے سے علیحدہ ہو ہی گئے تھے، اور کلام یوں کرتے دوسروں سے، اے کاش ہمارا کہا مان لیتے تو یوں قتل نہ کئے جاتے اُن کے نفاق کی دوسری کُھلی یہ علامت ہے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تم اپنے آپ سے تو موت کو ہٹاؤ" جب تم اپنی ذات سے موت کو نہیں ٹال سکتے تو دوسروں کو موت سے منع کرنے کی استطاعت کیوں کر اور کیسے رکھتے ہو۔ گفتگو کا ماحصل یہ کہ اگر تم اتنے زیرک اور ذی عقل وشعور ہو کر اپنے ناوِک تدبیر ❶ سے بلکہ

ناوک اَنداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے، نیم بسمل کئے ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے" کے مصداق اپنے ناوِک تقدیر سے عقاب تدبیر کو زک دے سکتے ہو تو کر دکھاؤ ذرا خود کو آغوشِ موت کے آہنی پنجہ سے نجات پا کر تو دکھاؤ یعنی اپنے سے موت کو ٹال کر تو دکھاؤ یہ تمہارے بس کا کام نہیں تقدیر سے کس کو انکار ہے وہی کچھ ہوتا ہے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا موت بھی جہاں جس جگہ اور جیسے مقدر ہے وہاں وہیں اسی کیفیت میں آ کر رہے گی اس لئے جہاد فی سبیل اللہ سے فرار اور گریز یہ کسی کو موت کے شکنجے سے نجات نہیں دلا سکتا۔

---

❶ ناوک: قواعد کے مطابق مذکر ہے اس کے معنی تیر کے ہیں۔ ناوک انداز: تیر انداز (فارسی زبان میں)

اَطَاعُوْنَامَاقُتِلُوْا ط "اگر ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے" مروی ہے کہ جس دن منافقین نے یہ بات کہی اسی دن ستر (۷۰) منافقین مارے گئے۔ (بحوالہ کنزالایمان)

آیت ۱۶۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مُردہ نہ سمجھو، وہ در حقیقت زندۂ جاوید ہیں، اے راہِ حق کے شہیدو! تم تو تب وتاب جاودانہ کے عین حقدار ہو! تمہاری عظمت کو سلام، تمہارا جامِ شہادت نوش کرنا بڑی سعادت ہے کتنا کرم ہے باریٔ تعالیٰ کا تم پر، مرنے کے بعد بھی حیاتِ جاوداں کے امین ہو! کیا پیاری بات ہے شہیدوں کو کبھی مُردہ گمان نہ کرو! مقامِ فکر وعمل تو دیکھئے جو لوگوں کے سامنے مارے گئے تھے اور جن کو قبروں میں دفن بھی کیا گیا اُس کے بعد ربِّ جلیل کا حُکم! انہیں مُردہ نہ سمجھو بلکہ زندہ ہیں اور اُنہیں باری تعالیٰ کی طرف سے رزق عطا کیا جاتا ہے شہید زندہ ہیں اس کا اظہارِ بیان سُورَۃُ البقرہ آیت ۱۵۴ پارہ ۲ سَیَقُوْلُ سے مزید واضح ہوجاتا ہے ارشادِ ربی ہے۔

وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ ۝

"جو کوئی بھی قتل کیا جائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُسے مُردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم اُس کو سمجھ نہیں سکتے"

شہید کی یہ زندگی حقیقی زندگی ہے علامہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں۔

"حَیَاۃُ الشُّھَدَاءِ مُحَقِّقَۃٌ" شہیدوں کا زندہ ہونا ایک تسلیم شُدہ حقیقت ہے شہید، جب اللہ تعالیٰ کی رحم وعنایت، شانِ کریمی اور شانِ بندہ پروری کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں مسرور اور لُطف اندوز ہوتے ہیں باریٔ تعالیٰ کی رحمت اور انعام سے، حقیقت تو یہ ہے کہ شہادت کا مرتبہ اور اعزاز، ابدی حیات، قُربِ باری تعالیٰ اور جنّتِ نعیم سے لُطف اندوزی ہے۔ (بحوالہ بیضاوی)

حدیث مبارکہ میں بیان ہے کہ "شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کردی جاتی ہیں اور وہ جنّت میں کھاتی پھرتی ہیں اور اِس کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتی ہیں" (بحوالہ صحیح مسلم شریف کتاب الامارۃ ماخوذ فتح القدیر)

وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْافِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا

"اور کبھی تم یہ گمان نہ کرنا کہ جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے وہ مر گئے وہ تو زندہ ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خاص فضائل اور درجات اِس آیتِ کریمہ میں بیان کئے گئے

۱)......شہید کی دائمی حیات ہے۔ (۲)......اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق عطا ہوتا ہے۔ (۳)......وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے۔ (۴)......وہ اپنے جن ورثا ر متعلقین کو دنیاوی زندگی میں چھوڑ آئے ہیں اُن کے بارے میں مسرت کی بات یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر عملِ صالح اور جہاد میں مصروف رہیں گے تو اُن کو بھی یہی نعمتیں اور درجاتِ اعلیٰ عطا ہوجائیں گے۔

آیت ۱۷۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ باری تعالیٰ نے شُہداء کو جو کچھ اپنے فضل وعنایت سے عطا کردیا ہے اس پر وہ شادماں ہیں اور مطمئن ہیں، کہ ایمان والے اُن کے پیچھے دنیا میں باقی رہ گئے اور ابھی وہاں تک نہیں پہنچے، اُن کے لئے بھی کسی ڈر، خوف اور حزن ومَلال کا اندیشہ نہیں ہے جب غزوۂ اُحد کے شُہداء نے ربّ کی بارگاہِ عالی مقام میں التجا کی! وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں انہیں ہمارے معاملات، حالات اور پُر سکون، پُر مسرت زندگی کے لمحات سے جو ہم لُطف اندوز ہورہے ہیں اُن کی خبر دینے والا کوئی ہے تا کہ وہ نیک عمل اور جہاد سے اِعراض نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری یہ بات اُن تک پہنچا دیتا ہوں، اس سلسلہ میں اُن

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾

جن لوگوں نے زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے حکم کو مانا، اور جو لوگ نیک کار ہیں اور اُن میں جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، اُن سب کے لئے بہت زیادہ اُجر ثواب ہے۔ (۱۷۲)

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾

یہ وہی لوگ ہیں جن لوگوں سے کہا گیا کہ بلاشبہ کافروں نے تمہارے خلاف بڑا اسامان اور لشکر جمع کر دیئے ہیں، سو تم ان سے ڈرو خوف کھاؤ تو اُن کا جوش ایمان اور بڑھ گیا اور وہ بول پڑے، ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے خوب کام بنانے والا ہے۔ (۱۷۳)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾

پس اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سمٹ کر آ گئے اور اُن کو کوئی ضرر نہیں پہنچی، اور اللہ کی رضا پر چلنے کا انہیں اعزاز حاصل ہو گیا، گویا وہ اللہ کی پیروی پر چلنے کے تابع رہے اور اللہ جلِ شانہٗ تو بڑے فضل والا ہے۔ (۱۷۴)

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

یہ تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے اگر تم ایمان والے ہو تو ہرگز اُن سے مت ڈرنا، نہ خوف کھانا بلکہ مجھ ہی سے (اللہ) ہی سے ڈرا کرو۔ (۱۷۵)

وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اے محبوب ﷺ! آپ اُن کا کچھ غم نہ کریں جو کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں یقین جانو! یہ لوگ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ کا، باری تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ آخرت کے ہر حصے سے نعمتوں سے اُن کو محروم کر دے گا، اور اُن کے لئے عذاب عظیم ہے۔ (۱۷۶)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) آیاتِ مبارکہ کا نزول ہوا۔ (مسندِ احمد، سنن ابی داؤد کتاب الجہاد)

آیت ۱۷۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ شہید اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کی رحمت بے پایاں پر خوشی و انبساط میں ہیں کہ ان کو آگاہی مل گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے اجر ثواب کو ضائع نہیں کرتا، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس کسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخم آئے وہ یومِ قیامت جیسا زخم لگنے کے وقت تھا، اس کے خون میں خوشبو مشک کی سی ہوگی اور رنگ خون کا'' (بحوالہ بخاری شریف، مسلم شریف)

''شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔'' (بحوالہ مسلم شریف)

''شہید کو قتل کرنے سے تکلیف نہیں پہنچتی مگر اتنی جیسی کسی کو ایک خراش۔'' (ترمذی شریف و نسائی)

الفاظ معانی آیت ۱۷۲ تا ۱۷۶

﴿اسْتَجَابُوْا﴾ انہوں نے حکم مانا، صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی۔ ﴿الْقَرْحُ﴾ اصاب، یصب سے ہے پہنچنا۔ ﴿اَحْسَنُوْا﴾ اُحسن یحسن سے ہے، انہوں نے اچھائی اختیار کی۔ ﴿جَمَعُوْا﴾ انہوں نے جمع کیا صیغہ جمع مذکر فعل ماضی۔ ﴿لَكُمْ﴾ تمہارے لئے۔ ﴿فَاخْشَوْهُمْ﴾ پس تم اُن سے ڈرو۔ ﴿حَسْبُنَا﴾ ہمارے لئے کافی ہے، صیغہ جمع متکلم۔ ﴿الْوَكِیْلُ﴾ کارساز کام

بنانے والا۔ ﴿فَانْقَلَبُوْا﴾ پس وہ لوٹے ،اِنْقلب ینقلب سے صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی ۔﴿سُوْٓءٌ﴾ برائی ،ضرر۔﴿یُخَوِّفُ﴾ وہ ڈراتا ہے واحد مذکر غائب فعل مضارع ۔﴿حَظًّا﴾ حصہ۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۷۲ تا ۱۷۶

آیت ۱۷۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا باوجودیکہ اُنہیں گہرے زخم لگ چکے تھے اور جنہوں نے راہِ نیکی اختیار کی ،اور پرہیز گاری کو اپنا شعار بنالیا ایسے لوگ اجرِ عظیم کے حق دار ہیں ۔حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ جب غزوہٗ اُحد سے مُشرکین لوٹے ،تو راستے میں فکر دامن گیر ہوئی کہ ہم نے ایک سنہری موقع اپنے ہاتھوں سے نکال دیا ،چونکہ مسلمان عارضی شکست کی بناء پر قدرے خوف زدہ اور پست حوصلہ تھے ۔ہمیں موقع غنیمت جان کر مدینہ ریثرب پر چڑھائی کردینی چاہیے تھی تا کہ اسلام کا یہ ثمرِ زرخیز ،سرِ زمین مدینہ میں ثمر بار نہ ہوسکے ،ادھر مدینہ منوّرہ پہنچ کر حضرت محمد ﷺ کو بھی احساس ہوا اور گُمان گزرا کہ کہیں پھر وہ پلٹ نہ آئیں آپ ﷺ نے حکمتِ عملی اپنا کر صحابہٗ کرام ؓ کو لڑنے پر آمادہ کیا ،آپ ﷺ کا ارشاد حکم کا درجہ رکھتا تھا باوجودیکہ وہ قدرے دل گرفتہ اور مغموم تھے ۔

حضرت محمد ﷺ کو یہ بات بذریعہٗ وحی پتہ چل گئی ،اس لئے آپ ﷺ اُن کے تعاقب میں ''حمراء الاسد'' تک پہنچے ۔(بحوالہ ابن جریر کذانی الروح)

جنگِ اُحد سے فارغ ہونے کے بعد جب ابُوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے)اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقامِ روحاء پہنچا تو انہیں قدرے ملال ہوا کہ واپس کیوں آ گئے ،مسلمانوں کا صفایا کردینا چاہیے تھا ابُوسفیان کے تعاقب کے لئے سرکار دوعالم ﷺ نے عندیہ دیا کہ صحابہ کی ایک جماعت جو غزوہٗ اُحد میں زخموں سے چُور تھے ابوسفیان کے تعاقب میں عازم سفر ہوئے ۔❶ جب حضور ﷺ مقامِ حمراء الاسد پر پہنچے جو تقریباً آٹھ کوس رمیل دوری پر تھا تو پتہ چلا کہ مُشرکین ،مرعوب ،خوف زدہ ہوکر بھاگ گئے اس واقعہ کے متعلق ربابت اس آیت کریمہ کا نُزول ہوا ،آیتِ مُبارکہ میں مسلمانوں کے جذبہٗ اطاعت اللہ اور رسول ﷺ کی تعریف بیان ہوئی ہے ۔(بحوالہ فتح القدیر ،ابن کثیر)

غزوہٗ اُحد کے دوسرے دن آنحضرت ﷺ نے اپنے مجاہدین کو حکم صادر فرمایا کہ ہمیں رہمکو مشرکین کا پیچھا کرنا ہے مگر اس میں وہی لوگ شامل ہوں گے جو کل کے مَعرکہٗ حق وباطل میں ہمارے ساتھ تھے اس پر دوسو مجاہدین آمادہ ہوگئے ۔(بحوالہ قرطبیؒ)

آیت نمبر ۱۷۳ میں اظہارِ بیان یہ کہ جب مُنافقین اور مشرکین نے خوف زدہ کرنا چاہا ،اور کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے خاصا سامانِ حرب اکٹھا کررکھا ہے ان سے ڈرو ،خوف کھاؤ ،اور جنگ کا ارادہ ترک کردو ،تو یہ بات سُن کر صحابہ ؓ کا ایمان اور مستحکم ہوا ،اُن کا ایمان تو روزِ اوّل ہی سے کامل تھا ،لیکن اس خبر نے اُن کا جذبہٗ ایمان اور منوّر کردیا ،وہ تو خوب جانتے تھے کہ جس طریق کو انہوں نے اپنایا ہے اس میں کس قدر مصائب وآلام ہیں تکالیف تو اس وادیٔ پُرخار میں آنی ہی آنی ہے ذرا جذبہٗ شوق شہادت اور کامل ایمان کی شمع فروزاں کا کمال تو دیکھئے ،ہر مصیبت اُن کے جوشِ ایمان کو مزید تقویت دیتی ہے ،بات درست تو یہ ہے کہ اعمال بھی توجزوِ ایمان ہیں ایمان تو ایک دعوٰی ہے جس کی ضمانت اعمال ہی دیتے ہیں ،ہر عمل رضائے باری تعالیٰ کا ،طاعتِ ایمان کا مُوجب ہے اور ہر معصیت اس میں کمی کا سبب ،یہ کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے کہ مسلسل معصیت رگناہ کرنے والے لوگ ایمان کا زیاں کرتے ہیں اور اسلام کے نام پر کُفر کے مرتکب ہوجاتے ہیں ۔

شیطان تو انسان کو گناہ کی طرف مائل کرتا ہے اس نے تو اپنا کام کیا ،کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوجائیں ،مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کی تدبیر ناکامی کا شکار ہوئی ،لیکن مسلمان نئے عزم اور نئے ولولہ سے ہوگئے جس کو ''فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ''اور زیادہ ہوا ان کا

❶ ...مشرکین کے تعاقب میں ستر (۷۰) حضرات کھڑے ہوگئے جو زخمی بھی تھے اور دوسروں کے سہارے چلتے تھے ۔بحوالہ صحیح بخاری شریف ،ماخوذ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ ۔

ایمان، اور اُن کے وردو زبان رہا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اس جملہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی بس ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے

اس گفتگو کا ماحصل یہ کہ غم آلام اور مصیبت و مصائب کے وقت اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور توکّل رکھتا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے وردِ زبان یہی کلمات تھے۔ (بحوالہ فتح القدیر)

یہ بات یاد رہے کہ مشائخ وعلماء نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھنے کے فوائد کے بارے میں بتایا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کو ایک ہزار (۱۰۰۰) بار جذبۂ ایمانی کے ساتھ ورد کیا جائے تو برکات حاصل ہوں گی اور دُعا مانگی جائے تو باری تعالیٰ دعا رد نہیں کرتا، آلام ومصائب کے وقت اس کا پڑھنا مُجرب ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

آیت نمبر ۱۷۴ میں بیان کیا جارہا ہے جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکّل کر کے باعزم اور توکّل کے ساتھ واپس لوٹے، تو باری تعالیٰ کی نعمت فضل اور انعام ان کے ساتھ رہا ان کو کسی بھی نوعیت کا کوئی ضَرَر نقصان نہیں پہنچا، اور رَبّ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی مل گیا اللہ تعالیٰ تو بڑا فضل کرنے والا ہے۔ ہوا یوں کہ جب مسلمانوں نے اپنے رَبّ پر کلّی طور پر توکّل کر کے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں بدر کی طرف رُخ کیا تو دشمن اس خبر سے اتنا سراسیمہ ہوا کہ راستہ سے واپس مکّہ چلا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک قافلے سے جس کا گزر بدرِ صغریٰ سے ہوا سامانِ تجارت لے کر فروخت کر دیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (بحوالہ ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام کا نتیجہ یہ ہے کہ ان حضرات کو تین نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

اوّل)......تو یہ کہ کفّار کے دلوں میں رُعب وہیبت پڑ گئی اور کافر بھاگنے پر مجبور ہو گئے، جس کے سبب یہ لوگ قتل وقتال سے بچے رہے اس کو "مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ" یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام وفضل کے ساتھ واپس آئے، اس صورتِ حال کو "نِعْمَتٍ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

دوئم)......نعمت یہ ملی کہ ان لوگوں کو بازارِ "حمراءُ الاسد" میں تجارت کا موقع میسّر ہوا جس کا نتیجہ یہ کہ منافع ملے اس کو لفظ فضل سے تعبیر کیا گیا۔

سوئم)......یہ کہ ایک نعمت جو اِن تمام نعمتوں سے افضل ہے رضائے باری تعالیٰ عطا ہوئی۔

آیت نمبر ۱۷۵ میں اظہارِ بیان ہے اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ درحقیقت وہ تو شیطان ہی تھا، جو تمہیں اپنے دشمنوں سے ڈرا اور دھمکا رہا تھا تم کو انسانوں سے قطعی ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے ڈرنا ہے اور خوف رکھنا ہے تو صرف باریٔ تعالیٰ کی ذات سے ڈرو! غیر اللہ سے ڈرنا مومن کو زیب نہیں دیتا، "وَخَافُوْنِ" اور تم ڈرو مجھ سے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ جلِ شانہٗ کی نافرمانی کرنے سے ڈرو۔

اس اظہارِ تخاطب میں کس قدر لُطفِ حضوری ہے گویا رَبِّ جلیل رُوبرو ہے اور احکامات صادر ہو رہے ہیں کس قدر پُرعظمت بات ہے تم تو میرے بندے ہو، میری رضا کو اپنا مقصود ومقصد بناؤ، میری برہمی اور عتاب سے ڈرتے رہو، بچتے رہو، تمہاری یہ سعادت کہ میری بارگاہ میں حاضر ہونے کا شرف ملا ہے تو پھر کسی سے کیا اندیشہ! شانِ ایمان تو یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرنا ہے اور اِن اُمور کو ترک کر دینا ہے جس سے رَبّ نے منع کیا ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾

بے شک جنہوں نے ایمان چھوڑ کر کُفر کو مُول لیا اس سے ہر گز اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(۱۷۷)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷۸﴾

اور کافر یہ نہ سمجھیں، جو مُہلت ہم اُن کو دے رہے ہیں اُن کے حق میں کچھ بھلا ہے بلکہ ہم تو ڈھیل رمُہلت اس لئے دے رہے ہیں یہ خوب بار گناہ سمیٹ لیں، بالآخر رُسوا ذلیل کرنے والا عذاب اُن کے لئے ہے۔(۱۷۸)

مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۹﴾

اللہ کی یہ شان نہیں کہ، وہ ایمان والوں کو، جس حال میں ابھی تم ہو اُسی حالت پر چھوڑ دے گا جب تک جُدا نہ کر دے، ناپاک کو پاک سے، اور اللہ کا یہ دستور رطریقہ نہیں کہ تم کو غیب کی خبر دے، لیکن اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پس تم یقین لاؤ اللہ پر، اُس کے رسولوں پر، اگر تم ایمان پر قائم رہے اور راہِ تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔(۱۷۹)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾

جن کو اللہ جلِ شانہٗ نے فضل سے نوازا ہے، پھر وہ بُخل رکنجُوسی کرتے ہیں وہ ہرگز یہ گُمان نہ کریں کہ اُن کے حق میں یہ اچھی بات ہے وہ اس بُخل کو اپنے حق میں اچھا ربہتر نہ سمجھیں، بلکہ یہ کنجُوسی تو اُن کے لئے بہت بُری ہے اور بلکہ قیامت کے دن اُن کے گلے میں طوق پہنایا جائے گا کہ اُنہوں نے بُخل سے کام لیا، آسمانوں اور زمینوں کا وارث تو اللہ تعالیٰ ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے خوب جاننا رواقف ہے۔(۱۸۰)

(بقیہ گذشتہ صفحہ سے آگے) آیت نمبر ۱۷۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے میرے محبوب! ﷺ جو لوگ آج کُفر کی راہ اختیار کرنے میں آگے بڑھ رہے ہیں وہ ذرّہ برابر بھی اللہ تعالیٰ کے دین کو ضرر نہیں دے سکتے، اس سے آپ ﷺ کو یہ غم نہیں ہونا چاہئے کہ اُن کی اُن حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچ جائے گا اور اگر آپ ﷺ کی ذات کو یہ فکر لاحق ہے کہ یہ بدنصیب رحرماں نصیب، کیوں جہنّم کی سمت جارہے ہیں تو آپ ﷺ اس کا ملال بھی مت رکھیے، دراصل حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بُری حرکات اور سکنات کی بدولت یہ ارادہ کرلیا ہے کہ آخرت کی نعمتوں سے انہیں محروم رکھا جائے گا اور یہ بھی کہ اُن کو شدید عذاب بھی ہوگا اس کا سبب ان کا ایک بڑا جرم ہے وہ یہ کہ انہوں نے ایمان کے بجائے کُفر کو اپنائے رکھا ہے جس کے لئے عبرت ناک، المناک، دردناک، سزا ان کی منتظر ہے۔

الفاظ و معانی آیت ۱۷۷ تا ۱۸۰

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ﴾ وہ خیال نہ کریں رگمان نہ کریں۔ قواعد کے مطابق فعل، واحد مذکر غائب۔ ﴿ نُمْلِي ﴾ ہم مُہلت دیئے جاتے ہیں

﴿ لِيَزْدَادُوْٓا ﴾ تا کہ وہ بڑھ جائیں/اضافہ ہو جائے، اِزْدِیَادٌ ترقی کرنا فعل مَصدر رہے، قواعد کے لحاظ سے مضارع منصوب جمع مذکر غائب۔
﴿ يَمِيْزَ ﴾ الگ کردے/جُدا کردے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ ﴿ لِيُطْلِعَكُمْ ﴾ وہ تم کو اطلاع دے گا، اِطْلَاعٌ، آگاہ کرنا فعل
مَصدر ہے مضارع منصوب واحد غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿ يَجْتَبِيْ ﴾ چُن لینا، اِجْتِبَا، مَصدر ہے منتخب کرنا مضارع واحد مذکر غائب
﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ ﴾ عنقریب طوق ڈالا جائے گا۔ ﴿ بَخِلُوْا ﴾ انہوں نے کنجوسی کی یہ بُخل سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۷۷ تا ۱۸۰

آیت ۱۷۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو ترک کر کے کُفر کے خریدار ہو رہے ہیں خواہ یہود ونصارٰی ہوں مُنافق اور مُشرکین یا کوئی اور وہ یقینی طور پر باری تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اُن کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار ہے۔
لوگوں کو دولت ایمان میّسر آ گئی تھی لیکن مسلمانوں کو عارضی طور پر غزوۂ اُحد میں زک پہنچی اُن سے اُن لوگوں نے یہ گُمان کر لیا اب اسلام کا آفتاب آن کی آن میں غرُوب ہوا جاتا ہے جن کوتاہ نظر لوگوں نے ایمان کے عوض کُفر کا دوبارہ سودہ کر لیا وہ جان لیں اور یقین رکھیں اُن کی یہ حرکت تو اُن کو دردناک عذاب میں گرفتار ہونے کا ضرور موجب ہوگی لیکن باری تعالیٰ کے دین کے فروغ اور اِرتقاء میں ہرگز کوئی رکاوٹ نہ بن سکے گی۔
آیت ۱۷۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ اور کافر ہرگز اس وہم وگُمان میں نہ رہیں کہ جو انہیں رَبّ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے کچھ اُن کے لئے اس میں بھلائی کا پہلو مُضمر ہے، نہیں یہ بات نہیں ہے! بلکہ یہ اس کے لئے مہلت دی جا رہی ہے کہ اُن کے گناہوں میں مزید اضافہ ہوتا رہے، اس ڈھیل پر خوش ہونا نادانی ہے۔ گناہوں کا بُوجھ جوں جوں بڑھ رہا ہے اُن کے لئے ذِلّت کا عذاب مُقدر ہو رہا ہے۔
آیت ۱۷۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ رَبِّ جلیل کلمہ گو یا دینِ اسلام کو اس حال پر چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے جس پر تم ہو جب کھرے کو کھوٹے اور پاک کو ناپاک سے بالکل الگ نہ کردے اُس کی مصلحت اور حِکمت کا تقاضا ہے کہ سب لوگوں کو غیب کی باتیں بتائے البتہ یہ ضرور ہے کہ باری تعالیٰ اپنے رسولوں کو غیب کا علم عطا کرتا ہے اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ مُنافقین کی سازش اور مکر وفریب کا راز عیاں ہو جاتا ہے اور یہ بھی کسی لمحے اور کسی کسی پیغمبر پر ہی کُھلتا ہے چنانچہ سورۂ الجن آیت ۲۶/۲۷ پارہ ۲۹ تَبَارَكَ الَّذِيْ میں ارشادِ ربّی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ (۲۶)

''اللہ تعالیٰ ہی غیب کی بات جانتا ہے اور اپنے غیب کا اظہار کسی پر نہیں کرتا''

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ (۲۷)

''ہاں مگر اپنے رسول میں سے جسے پسند کرلے، تو اس کے آگے اور پیچھے پہرے دار حفاظتی دستے کا تقرر کر دیتا ہے''

شروع شروع میں تو صورتحال یہ تھی کہ کئی لوگ قبولِ اسلام کا اقرار زبان سے کرتے اور مسلمانوں میں شامل ہو جاتے اور مسلمانوں کا رویّہ اُن کے ساتھ باہم اخوّت ومحبت کا ہوتا لیکن اُن لوگوں نے یہ روش اپنا لی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف وہراس کی فضا پیدا کرے اُن کی صفوں میں اِنتشار پیدا کرے، یہاں تک ان کے راز کو افشاں بھی کرتے اور انہیں دُکھ پہنچاتے، اِس لئے زیادہ عرصہ تک اُن کا مسلمانوں کے ساتھ رَبط ومَراسم مناسب نہ تھا حکمت باری تعالیٰ نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ مُخلص اور منافق باہم ملے جُلے رہیں، چنانچہ بیضاوی نے روایت نقل کی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمّت (دعوت دینے کے

لئے) میرے سامنے پیش کی گئی اور مجھے علم عطا ہوا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے گا اور کون کُفر کرے گا، اس آ گاہیِ علم پر کسی اہلِ ایمان نے اعتراض نہیں کیا مُنافقین نے از راہ تمسخر کہا دعوٰی تو یہ ہے کہ میں ہر اہلِ ایمان اور کُفر کرنے والے کو جانتا ہوں ہم ہمہ پہر اُن کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا علم نہیں اس پر، اس آیت مبارکہ کا نزول ہوا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبیٔ اکرم ﷺ کو مُنافقین کا علم تھا اس بات کا بھی مزید علم ہوا کہ علم کا نہ بتانا علم کے نہ ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔

خلاصہ گفتگو یہ کہ مُنافقوں کی پہچان نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی کرائی گئی تھی، اس کے بعد بتایا جارہا ہے کہ غیب پر آ گاہی ہر کسی کے اختیار کی بات نہیں، اور نہ ہر ایک میں غیب سے باخبر ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے عام لوگوں کا وُسعت علم و آ گاہی تو دلائل اور ظاہری علومات کے ظُہور رہونے سے ظاہر ہوتا ہے اور غیب سے رسولوں کو مُطلع کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں ہی غیب سے باخبر ہونے کی استعداد موجود ہے۔ (بحوالہ روح المعانی)

آیت ۱۸۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ جن لوگوں کو باری تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے سرفراز کیا ہے اور پھر وہ بُخل سے کام لیتے ہیں وہ اس گُمان میں نہ رہیں یہ بات اُن کے لئے اچھی ہے نہیں یا ایسا نہیں ہے بلکہ تمہارے بُخل کے سبب عنقریب یوم قیامت تمہیں طوق پہنایا جائے گا۔

اِن آیات مبارکہ میں ان لوگوں کے حال کا تذکرہ ہے جو مالی حقوق کی ادائیگی میں بُخل سے کام لیتے ہیں۔ رَبّ نے انہیں مال دیا، صاحبِ ثروت کیا مگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے سے قاصر رہا وہ مال وزر سانپ بن کر طوق کی طرح یہ کہہ کر ڈستا چلا جائے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ (بحوالہ خزائن الفرقان)

''سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط'' یوم قیامت اُنہیں طوق پہنایا جائے گا وہ مال جس میں بُخل کیا گیا انہوں نے یہاں ذکر ہو رہا ہے اُن لوگوں کے حال کا جو مالی حقوق کی ادائیگی میں بُخل کرتے ہیں، بُخل شرعی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا کسی فردِ واحد ''عورت و مرد'' پر واجب ہو اس کو خرچ نہ کرے۔ عَلاّمہ قرطبیؒ رقمطراز ہیں ''وَالْبُخْلُ فِي الطلغه اَنْ يَمْنَعَ الْاِنْسَانُ الْحَقَّ الْوَاجِبَ عَلَيْه'' بُخل ہی کے مفہوم میں ایک اور لفظ احادیث مبارکہ میں آیا ہے شُحٌّ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ذمّہ جو خرچ واجب تھا اس کی ادائیگی نہ کی جائے اور مال کو بڑھانے کی حرص وطلب میں لگا رہے وہ بُخل سے بھی زیادہ گناہ بے لذّت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

''لَا يَجْتَمِعُ شُحٌّ وَاِيْمَانٌ فِيْ قَلْبِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ اَبَدًا''

شح وایمان کسی مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (بحوالہ نسائی عن ابی ہریرہؓ)

جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اِجتناب کرتا ہے اور اس میں فرض زکوٰۃ بھی نہیں نکالتا ہے اِس پر دُوزخ کی وعید شدید ہے چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

''مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكوٰتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ ذَبِيْبَتَانِ، يُطَوِّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''

''یوم قیامت اس کے مال کو ایک زہریلا اور بہت ہی خوفناک سانپ بنا کر اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔'' (بحوالہ صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر، باب تفسیر آل عمران و کتاب الزکاۃ)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (۱۸۱)

یقینی طور پر اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا قول سُنا، جو کہا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مُفلس رمحتاج ہے اور ہم تونگر رمال دار ہیں، اور انہوں نے جو کچھ جو کہا اُن ہی کے قول کو ہم دائرہ تحریر میں رلکھ لیں گے، اور انبیاء کے ناحق قتل جو انہوں نے کیے ہیں وہ بھی ہم نے لکھ رکھے ہیں اور ہم اُن سے کہیں گے اب آتشِ سوزاں رعذاب جہنّم کا مزہ چکھو۔ (۱۸۱)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۱۸۲)

یہ صلہ ہے اس کا، تمہارے پیش کردہ اعمال کا ریہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے! (۱۸۲)

اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۱۸۳)

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایک قربانی ہمارے سامنے نہ لے آئے، جسے آگ کھا جائے، اے محبوب! ﷺ آپ کہہ دیجئے! تمہارے پاس مجھ سے پہلے رقبل بہت رسول روشن نشانیاں لے کر آئے اور جو تم نے کہا وہ نشان بھی لائے تھے، تم اگر سچے تھے تو اُن کو کیوں قتل کر ڈالا۔ (۱۸۳)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (۱۸۴)

پھر اگر یہ آپ ﷺ کو اے محبوب سچّا نہیں مانتے، یہ جھٹلاتے ہیں تو (یہ کوئی نئی بات تو نہیں) آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جاچکے ہیں، جو صاف صاف نشانیاں رروشن دلیلیں لے کر آئے تھے، اور صحیفے اور نُور رروشنی سے پُر کتاب لے کر آئے تھے۔ (۱۸۴)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۱۸۵)

بالآخر ہر جان کو موت کا مزہ رذائقہ چکھنا ہے، اور تم سب اپنے اپنے پورے اَجر قیامت کے دن پا جاؤ گے، پس جو شخص آتشِ دوزخ سے بچا لیا جائے اور جنّت میں داخل کر دیا جائے، بلا شبہ وہ کامیاب رکامران رسُرخرو ہو گیا، پس دنیاوی زندگی کا ساز و سامان مال تو فریب میں ردھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔ (۱۸۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۸۱ تا ۱۸۵

﴿ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ سُن لیا اللہ تعالیٰ نے۔ ﴿ نَحْنُ ﴾ ہم۔ ﴿ سَنَكْتُبُ ﴾ عنقریب ہم لکھ دیں گے، ﴿ الْحَرِیْقِ ﴾ سوزش کا، جلن کا۔ ﴿ بِظَلَّامٍ ﴾ بہت ظُلم کرنے والا، ظُلْم سے مبالغہ کا صیغہ ہے، اسم ہے۔ ﴿ اِلَیْنَاۤ ﴾ ہماری طرف۔ ﴿ یَاْتِیَنَا ﴾ آئے ہمارے پاس۔ ﴿ جَآءَكُمْ ﴾ آئے تمہارے پاس۔

﴿ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ روشن دلیلیں، اس سے مُراد مُعجزات اور عقلی دلائل ہیں ﴿ وَالزُّبُرِ ﴾ صحیفہ، کتب سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں شریعت کے احکام لکھے ہوں/موجود ہوں زَبــر جمع ہے زبُور کی، لفظی مفہوم پُروعظ نصیحت۔ ﴿ كَذَّبُوكَ ﴾ اُنہوں نے جھٹلایا تجھے۔ ﴿ تُوَفَّوْنَ ﴾ پورا پورا/تمام تر دیا جائے گا تمہیں۔ ﴿ اُجُوْرَكُمْ ﴾ صلہ/بدلہ تمہارا۔ ﴿ زُحْزِحَ ﴾ بچالیا گیا۔ ﴿ مَتَاعُ ﴾ مال/سامان۔ ﴿ الْغُرُوْرِ ﴾ دھوکے کا، فریب کا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۸۱ تا ۱۸۵

آیت نمبر ۱۸۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ رَبّ العالمین، ان کی بات بھی سُن رہے ہیں جو زکوٰۃ اور صدقات کے احکامات کا استہزاء/تمسخر کرتے ہوئے، بیان کررہے ہیں ہم تو غنی/مال دار ہیں اور رَبِّ جلیل مُفلس محتاج، (اَلْعیاذُ اللہ)، ارشادِ رَبی ہوا یہ جُملہ کلمات دائرہ تحریر میں لکھے گئے ہیں یہ محض گفتگو نہیں، جو کہہ دی گئی اور ختم ہوئی یہ تو انبیاء کے قتل سے باز نہیں آئے گو کہ اُنہیں احساس تھا خود اُن کے نزدیک بھی یہ قتلِ ناحق تھے، یہ سب کچھ ان کی خرافات اور جرائم ہم نے ان کے نامۂ اعمال میں ثبت کررکھے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنی قینقاع، جو یہود کا قبیلہ تھا اپنا مکتوب گرامی جس میں دعوتِ دینِ اسلام کی ترغیب تھی نماز اور زکوٰۃ کے بابت احکامات تھے دے کر بھیجا، جس میں آیت سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۴۵ پارہ نمبر ۲ سَیَقُوْلُ درج تھی

مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے۔

اس پر فخاص بن عاز وراء ازراہِ مذاق کہنے لگا اللہ تعالیٰ نادار اور فقیر ہے اسی لئے تو ہم سے قرض طلب کررہا ہے امیر المؤمنین حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس کی گستاخی کی تاب نہ لاسکے اور ایک طمانچہ مارا اور کہا رفیق رسول اللہ ﷺ نے اگر ہمارے تمہارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو تمہارا سر قلم کردیتا اُس گستاخ نے رسول اکرم ﷺ سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور اپنے زبان اور ادائیگی کلمات سے انکار کیا اُس وقت رَبِّ جلیل نے اس آیتِ مبارکہ کا نزُول کیا۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

کلامِ الٰہی کے ساتھ مذاق اتنا بڑا جرم ہے کہ قتلِ اَنبیاء کے ساتھ اسے لکھا گیا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بُرائی کے کاموں میں شرکت بھی بُرائی میں حصّہ لینے کے مترادف ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کے سامنے جُرم سرزد ہوجائے اور وہ اس کو منع کرے اور اس گناہ پر راضی نہ ہو، برخلاف اس کے اگر کوئی خود وہاں موجود نہ تھا مگر اس جُرم پر راضی ہوا تو وہ ویسا ہے جیسے واقعی اس میں ملوث تھا، یہود اپنے اَسلاف/آباؤ اَجداد کے قتل پر رضامندی ظاہر کرنے کے سبب شریکِ جُرم سمجھتے گئے۔

علاّمہ فخر الدین رازیؒ نے تحریر کیا ہے کسی نے حضرت شبلیؒ کے سامنے امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کی تعریف کی آپؒ نے فرمایا "تو بھی اُن کے قتل میں شریک ہوگیا"۔

آیت نمبر ۱۸۲ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جو تم نے کمایا تھا وہی تمہارے سامنے آیا رَبِّ جلیل کے یہاں ذرّہ برابر ظلم نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، سورۂ نساء آیت نمبر ۴۹ پارہ وَالْمُحْصَنٰتُ (۵) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا٥ کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ ہوگا ، فِتِیْل جو دھاگے یا سوت کی طرح کھجور کی گٹھلی پر نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کو کہتے ہیں گویا اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے اتنا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

رَبِّ جلیل کسی پر رَتی بھر ظلم نہیں کرتا ، چنانچہ سورۂ نسآء آیت نمبر ۴۰ میں حکمِ باری تعالیٰ ہے۔ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ج '' کوئی شبہ نہیں ! اللہ تعالیٰ ایک ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا ، اِن آیاتِ مبارکہ کی روشنی میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے بندوں پر زیادتی ، ظلم نہیں کرتا ، یہ سب عذاب اُن گناہوں اور معصیّت کی عملی اشکال ہیں جو تم نے دنیا میں کئے تھے۔

آیت نمبر ۱۸۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جھوٹے ہیں وہ جن کا کہنا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم سے ایفائے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں گے جب تک ایک قربانی ہمارے سامنے نہ لے آئیں جسے آگ کھا جائے بات یہ ہے کہ یہودی جو حسد اور بہانے بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ، ان یہودیوں نے ایک عُذر اور تراش لیا ، اُنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی تکذِیب کے لئے عُذر پیش کیا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے دُور میں یہ طریقہ مُروّج تھا کہ صدقہ کا مال کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ اِن کو جلا کر بھسم کر دیتی تھی ، یہی علامت ❶ اس بات کا اظہار تھی کہ ان کا صدقہ بارگاہ رَبُّ العزت میں شرفِ قبولیت کر چُکا ہے باری تعالیٰ کی شانِ کریمی تو دیکھیے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کو یہ خاص سعادتِ امتیاز ملی کہ اموال صدقات آسمانی آگ کی نذر کرنے کے بجائے مسلمان ضرورت مندوں محتاج اور مساکین کو دیئے جاتے ہیں ، اس لئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا '' اگر تم اپنے دعویٰ میں صادق ہو ، سچے ہو تو پھر تم نے اپنے انبیاء کرام ؑ کو کیوں جُھٹلایا ، جو تمہاری طلب کردہ نشانی لے کر آئے تھے پھر تم نے اُنہیں قتل بھی کیا۔

آیت نمبر ۱۸۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے حبیب ! ﷺ یہ اگر آپ کو صادق نہیں جانتے تو کیا ہوا آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے جو صاف صاف نشانیاں اور روشن دلیل لے کر منصبۂ شہود پر جلوہ فرما ہوئے تھے ، آپ ﷺ ان ملعون لوگوں کی کج بحثی اور عناد سے مغموم و دل گیر مت ہو جایئے ، انبیائے معصومین اور صادقین کی تکذیب تو ، ان لوگوں کا شیوہ رہا ہے ، اے محمد (ﷺ) آپ ﷺ ان کی حرکات سے دل گرفتہ کیوں ہوتے ہیں یہ تو عادی مُجرم ہیں اُن کی کیا بات ہے اس سے قبل بھی جو صحیفے اور روشن دلیلیں لے کر آئے اُن تمام تر اَنبیاء کا یہ انکار کر چکے ہیں۔

آیت نمبر ۱۸۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے ہر جان کو تو موت کا ذائقہ چکھنا ہے بھلا موت سے کس کو مفر ہے پہلی بات تو یہ کہ۔

ع موت سے کس کو رُستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

دوئم یہ کہ جو اچھائی یا بُرائی کا مرتکب ہوا جو کچھ کیا ہوگا اس کو اس کا پُورا پورا صلہ دیا جائے گا ، سوئم کامیابی اور کامرانی کا راز اس میں مُضمر ہے جس نے دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا وہ آتشِ جہنّم سے بچ گیا اور جنّت اس کا مقدّر رہوئی۔ چہارم دنیا کی زندگی فریبِ مسلسل ہے جو اس سے محفوظ رہا وہ خوش نصیب ، جو نیرنگئ کائنات میں کھو گیا وہ ناکام ہوا۔

ع کھویا نہ جا صَنم کدۂ کائنات میں

---

❶ ...... بائبل میں کئی مقامات پر یہ بات لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی قربانی کے قبول کی یہ علامت سمجھی جاتی تھی کہ غیب سے ایک آگ ظاہر ہو کر اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ (بحوالہ قضاہ ۶ : ۲۰ ، ۲۰ : ۱۳ ، ۱۹ : ۲۰ ،) یہ بیان بھی آیا ہے کہ کئی مواقعوں پر کوئی نبی سوختنی (جلنے اور جلانے کے قابل ، فارسی زبان میں) قربانی کر دیتا تھا ایک غیبی آگ آ کر اس کو کھا لیتی تھی۔ (بحوالہ تفہیم القرآن از مولانا مودودیؒ)

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

یقینی طور پر، تم مال اور جان دونوں سے آزمائے جاؤ گے، اور بے شک تم اہلِ کتاب سے اور مُشرکین سے بہت کچھ اذیت دینے والی باتیں ضرور سنو گے، اور اگر تم صبر کرلو اور راہ تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑی ہمّت کا کام ہے۔ (۱۸۶)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اور یاد کرو! جب اللہ تعالیٰ نے پُختہ وعدہ لیا، اُن سے، جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا، اور نہ پوشیدہ رکھنا، تب بھی انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پُشت پھینک دیا، تھوڑے مُول میں اس اقرار کو بیچ ڈالا، سو بہت بُری ہے خریداری جو وہ کر رہے ہیں۔ (۱۸۷)

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ہرگز یہ گُمان نہ کریں، جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں، اپنے کئے پر، اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے، اُس پر جو عمل اُنہوں نے کیا ہی نہیں، عذاب سے چھٹکارے کا، اُن کے لئے گُمان رخیال بھی مت کرو، اور اُن کے لئے تو دردناک عذاب تیار ہے۔ (۱۸۸)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۱۸۹)

الفاظ ومعانی آیت ۱۸۶ تا ۱۸۹

﴿ لَتُبْلَوُنَّ ﴾ اور تمہیں آزمایا جائے گا۔ ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ ﴾ اور یقینی طور پر سنو گے۔ ﴿ مِیْثَاقَ ﴾ پُختہ عہد راقرار روعدہ۔ ﴿ لَتُبَیِّنُنَّهٗ ﴾ تم ضرور بیان کرتے رہنا اُسے رتَبیین سے فعل مضارع کا صیغہ۔ ﴿ فَبِئْسَ ﴾ پس بُرا ہے۔ ﴿ بِمَآ ﴾ اس پر جو۔ ﴿ اَتَوْا ﴾ وہ لائے رآئے۔ اِتیانٌ سے فعل ماضی کا صیغہ، جمع مذکر غائب۔ ﴿ تَحْسَبَنَّ ﴾ گمان کرو رخیال کرو۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۸۶ تا ۱۸۹

آیت نمبر ۱۸۶ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ اس آیتِ مبارکہ میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ دین کی خاطر جان و مال کی قربانی اور ایثار سے اور کافروں اور مشرک اور اہلِ کتاب کی بدکلامی، دِل آزاری اور اذیّت سے گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں یہ سب مسلمانوں کی آزمائش ہے اس میں بہتر تو یہ ہے کہ صبر کے دامن کو تھام لیا جائے اور اصل مقصد تقویٰ اختیار کرنے میں مصروف رہا جائے، ان کی جواب دہی کی فکر میں پڑنے کی قطعی ضرورت نہیں، گویا اہلِ ایمان کو اُن کے ایمان کے بارے میں آزمانے کا ذکر ہے یہی بیان آیت ۱۵۵ سورۃ البقرہ پارہ ۲ سیقول میں آچکا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ؕ

''اور ہم ضرور آزمائش کریں گے تمہاری، خوف، بھوک اور کچھ مال و جان کے نقصان سے اور پھلوں کی کمی سے''

اِس آیت کی تفسیر کے لئے ایک واقعہ کا ذکر بھی مذکور ہے سردارِ مُنافقین عبداللہ بن اُبی نے ابھی اسلام کے قبول کا اظہار نہیں کیا تھا اور غزوۂ بدر بھی نہیں واقع ہوا تھا رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کی خاطر بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے، راستے میں مُشرکین، یہود کی مجلس میں عبداللہ بن اُبی بھی موجود تھا، محمد ﷺ کی سواری سے جو گرد اُڑ کر پھیلی اُس پر اُس نے اظہارِ ناگواری کیا، رسول اللہ ﷺ نے اُس کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، جس پر مُنافق عبداللہ بن اُبی نے شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخانہ انداز میں کلمات ادا کئے، دوسرے لوگوں کے جذبات مشتعل ہوئے، امکان تھا کہ اُن کے مابَین فساد ہو جاتا، آپ ﷺ نے سب کو خاموشی کی تاکید کی پھر جب آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہیں یہ واقعہ سُنایا، جس پر اُنہوں نے کہا عبداللہ بن اُبی یہ گفتگو اس لئے کر رہا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے سے پہلے یہاں کے لوگ اس کی رسمِ تاج پوشی کرنا چاہتے تھے تو اس کی سرداری کا یہ حسین خواب بکھیرا گیا، اور شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، جس کا اس کو بے حد ملال ہے اور یہ تمام گستاخانہ کلمات اس کے بغض و عناد کی لڑی کا مظہر ہیں، آپ ﷺ کا درگزر کرنا ہی اچھا ہے۔ (بحوالہ صحیح البخاری کتاب التفسیر)

اِس آیتِ مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر ان سب حالات میں تم صبر استقامت اور خدا ترسی کی راہ پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے اور ہمّت کی بات ہے مُشرکین یہود کے طنز، بغض و عناد، طعن و تشنیع، اُن کے تراشے ہوئے الزامات اِن بیہودہ طرزِ تکلّم اور ان کی جھوٹی بات کے مقابلے میں، بے صبر ہو کر تم ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرو جو صداقت، عدل، وقار، تہذیب اور اخلاقِ حسنہ کے خلاف ہو۔

آیت نمبر ۱۸۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ ان اہلِ کتاب کو وہ عہد/وعدہ بھی یاد دلاؤ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا اور وہ اقرار یہ تھا کہ احکامات جو تورات میں آئے ہیں، اُن کی اشاعتِ عام کریں گے، اور کسی بھی حکم کو اپنی نفسانی خواہش کی غرض سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے لیکن وائے! ان کی بدنصیبی اہلِ کتاب نے یہ عہد توڑ دیا اور احکامات کو چُھپایا، اور ذرا جراٴتِ مردانہ تو دیکھئے! العیاذ اللہ

اِس پر مُسرّت کا اظہار کیا اور اپنے اس عمل کو قابلِ تحسین قرار دیا، حالانکہ علمِ دین کو پوشیدہ رکھنا حرام اور بغیر عمل کئے اس پر مدح سرائی اور تعریف کا اظہار اہتمام مَذموم ہے احکامات کو پُوشیدہ رکھنے کا واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مَنقول ہے، حضرت محمد ﷺ نے یہود سے ایک بات دریافت کی ''کیا یہ توراۃ میں ہے'' اُن لوگوں نے چُھپا لیا، اس بات کو جو تورات میں مذکور تھی اس کے برعکس بیان دیا اور ذرا دیدہ دلیری تو دیکھئے اپنے اس فعلِ کـــذب/بد پر نازاں اور خوش ہوئے واپس آ کر کہا ہم نے خوب فریب دیا، اُس پر اس آیت کا نُزول ہوا جس میں اِن لوگوں کے لئے مقامِ عِبرت ہے۔

یہاں جس عہد/اقرار کا ذکر مذکور ہے اس کا تذکرہ بار بار بائبل میں بھی آیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو آخری تقریر ہے جو خصوصاً کتاب استثناء میں منقول ہے اس میں تو بار بار بنی اسرائیل سے وعدہ لیتے ہیں کہ جو احکامات میں نے تم تک پہنچائے ہیں انہیں اپنے قلب پر نقش کر لو، لیکن بنی اسرائیل کی غفلت تو اس سلسلے میں یہاں تک بڑھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سات سو (۷۰۰) سال بعد ہیکل سلیمانی سجادہ نشیں اور یروشلم کے یہودی بادشاہوں کو اس بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا کہ اُن کے پاس ''توراۃ'' بھی کوئی کتاب ہے۔
(بحوالہ ۲/ سلاطین ۲۲/ ۸/ ۱۳)

اس آیتِ مبارکہ میں بتایا جارہا ہے کہ علماء اہلِ کتاب سے رَبِّ جلیل نے یہ اقرار روعدہ لیا تھا کہ کتابِ الٰہی تورات اور انجیل میں جو باتیں درج ہیں اور خَاتم النبیّین ﷺ کی جو صفات ہیں، انہیں وہ لوگوں کے سامنے بیان کریں گے لیکن وائے! افسوس اور اُن کی حرماں نصیبی، ان لوگوں نے دنیاوی عارضی مفاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو بُھلا دیا، گویا ایک طرح کی تلقین ہے علمِ نافع سے لوگوں کے عقائد اور اعمال سے اُن کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ یہ عادت بنیادی طور پر یہود و نصاریٰ کے اُن علماء کی ہے جنہوں نے ذاتی مفاد کی خاطر حق کو چُھپایا، اور دنیاوی مفاد کو عزیز رکھا، جانتے بُوجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی باتوں کو چُھپایا اور چند سکّوں کے حصُول کے عوض، عوام کا ذہن بدلنے میں لگ گئے، ایسے لوگ! اپنا ایمان بیچ کر جتنا چاہیں مال وزر حاصل کریں تھوڑا ہی کہلائے گا، الغرض دین کو بیچ کر حصُولِ دنیا اور متاعِ دنیا خریدنا انتہائی بُرا فعل اور عمل ہے۔

آیت نمبر ۱۸۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ تم اِن لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ جان لینا جو اپنے کرتُوتوں پر نازاں اور شاداں ہیں، بھلا ان کی خوش فہمی تو دیکھئے! ایسے کاموں کی تعریف کے خواہش مند ہیں جو انہوں نے کئے ہی نہیں، پھر اس پر یہ شانِ گُمان کہ اُن کی توصیف برملا کی جائے، مُنافقین یہود کا ایک وطیرہ یہ بھی تھا کہ جب کسی جہاد پر جانا ہوتا تو وہ مکرُ وفریب سے کام لے کر بہانہ بنا کر گھر میں بیٹھ جاتے، اس طرح جہاد کی مُشقت سے جان بچا کر اظہارِ خوشی کرتے جب حضرت محمد ﷺ واپس آتے تو آپ کے سامنے جھوٹی جھوٹی قسمیں کھا کر کوئی نہ کوئی عذر بیان کرتے اور پھر اس بات کے متمنّی ہوتے کہ اُن کے اس عمل کی تعریف کی جائے۔ (بحوالہ راوۃ البخاری شریف)

اس آیتِ مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہ یہود کے حق میں نازل ہوئی جو لوگوں کو فریب دینے اور گمراہ کرنے پر خوش ہوتے اور باوجود ناداں رکم علم ہونے کے یہ پسند کرتے کہ انہیں عالم سمجھا جائے، یا کہا جائے اس آیت میں وعید ہے خود پسندی کرنے والوں کے لئے اس سے انہیں سبق سیکھنا چاہئے جو لوگوں سے اپنی جھوٹی تعریف کے طلب گار ہیں یہ مت سمجھو اُن کو چھوٹ مل گئی ہے اُن کے لئے تو دردناک اور المناک عذاب ہے۔

آیت نمبر ۱۸۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ باری تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، زمین وآسمان کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی قدرت کاملہ سب پر حاوی ہے، اَرض وسماء کی ریاست تو اللہ تعالیٰ ہی کے دائرہ اختیار میں ہے اسی کا حکم ہمہ وقت نافذ ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اس میں اُسی کی بادشاہت اور سلطنت ہے، تو اے مجرم تو بھاگ کر کہاں پناہ پاسکتا ہے۔ سورہ رحمٰن آیت نمبر ۳۳ پارہ نمبر ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمۡ میں ارشادِ ربّی ہے۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ۚ

''اے گروہ جن وانس! اگر تم سے ہوسکے کہ زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل جاؤ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔''

تم اس سے کہیں نہیں بھاگ سکتے، تو بتاؤ جاؤ گے تو جاؤ گے کہاں۔ بھاگ کر آخر کہاں جایا جائے گا؟ کون سی ایسی جگہ ہے جو اللہ کے اختیار سے باہر ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک! آسمان اور زمین کے بنانے میں اور رات اور دن کے باہم رآنے جانے رتغیر میں نشانیاں ہیں، اہلِ خرد رعقل رکھنے والوں کے لئے۔ (۱۹۰)

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

وہ عقل مند رصاحبِ فہم جو ذکر کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹتے اور کروٹ پہلو بدلتے ہوئے، اور زمین و آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں، اور کہہ اُٹھتے ہیں اے ہمارے رَبّ! تو نے یہ سب بے مقصد پیدا نہیں کیا، پاک ہے تو ہر عیب سے پس اے رَبّ! ہمیں جہنّم کی آگ سے محفوظ رکھ!۔ (۱۹۱)

رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اے ہمارے رَبّ! ر پروردگار بے شک تو نے جسے آگ میں داخل کردیا تو تُو نے اُسے رُسوا رذلیل کردیا، اور ظالموں کا کوئی معاون ر مددگار نہیں! (۱۹۲)

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اے رَبّ! ر پالنے والے ہمارے، ہم نے سُنی ندا ایک پکارنے والے کی، کہ وہ صدا ر آواز دیتا ہے کہ اپنے رَبّ پر ایمان لاؤ! تو ہم ایمان لائے، اے اللہ تو بخش دے ہمارے گناہ، اور ہماری بُرائیاں محو کردے رمٹادے، اور موت ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ دے۔ (۱۹۳)

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے ہمارے رَبّ! اور ہمیں عطا کر وہ جس کا تُو نے اپنے رسولوں کی مَعرفت ہم سے وعدہ کیا ہے، اور ہمیں روزِ قیامت رُسوا رذلیل نہ کر، بے شک! تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (۱۹۴)

الفاظ ومعانی آیت ۱۹۰ تا ۱۹۴

﴿ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ خلق ر پیدائش ر بنانا ر خَلْقِ مَصدر ہے جس کے معنی ایجاد اور اختراع کے ہوتے ہیں۔ ﴿ السَّمٰوٰتِ ﴾ آسمانوں۔ ﴿ وَالْاَرْضِ ﴾ اور زمین کی، اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں باری تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ہیں کائنات کی ہر مخلوق اپنے خالق ر بنانے والے کی پوری طرح نشان دہی کر رہی ہے، غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے، السَّمٰوٰتِ میں تمام رفعتیں شامل ہیں، اور وَالْاَرْضِ میں پستی کا دخل ہے، گو یا رفعتوں کا بنانے والا ربِّ جلیل ہے، تو اسی طرح پستی کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ ﴾ شب ورُوز کا آنا اور جانا، مفہوم کی وضاحت یوں سمجھئے، رات جاتی ہے دن آتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آجاتی ہے۔ ﴿ لَاٰیٰتٍ ﴾ البتہ نشانیاں ہیں آیات کا واحد آیۃٌ ہے یہ لفظ کئی معنوں میں آتا ہے آیات مُعجزات کو بھی کہتے ہیں اور قرآنِ حمید کی آیات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ایک معنی دلیل اور علامت رنشانی کے بھی ہوتے ہیں گو یا یہاں پر اسی مضمون کی بھرپُور وضاحت ہے اُن اُمور میں قدرت کے دلائل اور بڑی نشانیاں ہیں ﴿ اُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ اَلْبَابَ راس کا واحد لب ہے

جو فخذ کا مفہوم دیتا ہے جس سے اس کی خصوصیت اور فوائد کا پتہ چلتا ہے اسی سے عقلِ انسانی کو لُبّ کہا گیا ہے، کون نہیں جانتا عقل، خود ہی انسان کا جوہر نمایاں ہے اور اولو الالباب کے معنی ہوئے، عقل رکھنے والے۔ ﴿ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ ﴾ یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ذکر سے مقصود یہ ہے کہ تمہارا قلب کسی حال اور صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ ﴿ وَّ قُعُوۡدًا ﴾ اور بیٹھے۔ ﴿ جُنُوۡبِھِمۡ ﴾ لیٹے رپہلوؤں پر، اسم ہے۔ ﴿ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ غور وفکر کرتے ہیں تفکر سے مراد لی گئی ہے کہ آسمان اور زمین کی خلقت اور کائنات کے کل مظاہر اور حوادث میں بہر نوع غور وفکر میں منہمک رہنا۔ ﴿ خَلَقۡتَ ﴾ پیدا کیا تو نے۔ ﴿ بَاطِلًا ﴾ بے فائدہ۔ ﴿ تُدۡخِلِ ﴾ تو داخل کرے گا، اِدۡخَالٌ سے فعل مضارع کا صیغہ قواعد کے مطابق۔ ﴿ اَخۡزَیۡتَہٗ ﴾ رسوا کیا تو نے اس کو۔ ﴿ وَتَوَفَّنَا ﴾ اور اُٹھا ہم کو۔ ﴿ وَعَدۡتَّنَا ﴾ تو نے وعدہ کیا ہم سے۔ ﴿ لَا تُخۡزِنَا ﴾ تو ہم کو ذلیل نہ کر۔ ﴿ اِخۡـــزَاءٌ ﴾ سے بمعنی دور کرنا اور ہلاک کرنے کے ہیں، فعل نہی حاضر کا صیغہ قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿ الۡمِیۡعَادَ ﴾ وعدہ عہد۔

تَشۡرِیۡح وتَوۡضِیۡحَات آیت ۱۹۰ تا ۱۹۴

آیت نمبر ۱۹۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں یکے بعد دیگرے، رات اور دن کے آنے جانے میں تو دلائل توحید موجود ہیں، عقلِ سلیم کو بروئے کار لایا جائے تو احساسِ علم ہوتا ہے کہ موجوداتِ عالم میں ہی عظمتِ باری تعالیٰ کے دلائل مُضمر ہیں اور اہلِ علم، اور صاحبِ فہم وذکاء کو ان میں فکر وتدبر اور فکر ونظر کی دعوتِ عام ہے۔

مشاہدہ تو شاہد ہے قدرت کی نیرنگیوں اور کائنات فردا کے معاملات کو سمجھنے اور سلجھانے کے لئے جس قدر غور وفکر کیا جائے گا باری تعالیٰ کی وحدانیت کا شعور اس کے علم کی حقیقت میں بَصیرت اور بصارت کے مختلف پہلو اُجاگر ہوں گے اور حکمتِ کاملہ پر ایمان کامل اور پُختہ ہونا امر لازمی ہے جب حضرت محمد ﷺ جیسا سراپا رحمت نبی، رسول مقبول ﷺ میں مَبعوث ہو تو ہر ادا، عقلِ انسانی، اور فہم انسانی کو عاجز کئے دیتی ہے تو انکار کی جرأت وہی کر سکتے ہیں جو شعور انسانی سے ناواقف اور بیگانہ ہو اور جو اپنی اَستعدادِ فطرتِ طبع کو بروئے کار لانے سے قطعی قاصر ہے ''تو کہ نہ واقفِ آدابِ غلامی ہے ابھی'' کے مصداق، ہاں یہ بات ضرور ہے اگر عقل فہم ورسا اور ذکاء باقی اور سلامت ہے تو اَرض وسماء کا وجود اور تخلیق اور صبح شام کا آنا جانا معرفتِ باری تعالیٰ کی ایک بڑی دلیل ہے۔

اِس آیت مبارکہ کی شانِ نُزول کے بارے میں ابنِ حبانؒ اور ابن عساکرؒ محدّث نے بیان کیا ہے کہ عطا بن ابی رباحؒ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے تاکہ محمد ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ خوبی والی بات آپؓ نے دیکھی وہ بتلائی جائے! آپؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی عظمتِ شان کا ایک واقعہ سناتی ہوں حضور اکرم ﷺ ایک شب میرے پاس تشریف فرما کر لحاف میں میرے ہمراہ داخل ہو گئے پھر اجازت طلب کی حضرت عائشہؓ سے، رَبّ کی عبادت کروں، بستر سے اُٹھے اور وضو فرمایا پھر نماز پڑھنے میں منہمک ہو گئے دورانِ قیام الصلوٰۃ میں اس قدر اَشک بار ہوئے کہ آنسو سینۂ اطہر پر بہہ گئے یا یوں کہیے ''موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے، قطرے جو تھے عرقِ انفعال کے''، پھر رکوع فرمایا اس میں بھی گریہ زاری فرمائی پھر سجدہ کیا اور سجدے میں بھی زار وقطار روئے پھر سرِ مبارک اُٹھایا اور مسلسل روتے رہے یہاں تک ''دروازہ خاور کُھلا'' کے مصداق حضرت بلال ؓ تشریف لائے اور نمازِ صبح کی خبر دی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے دریافت کیا حضور (ﷺ!) اس قدر کیوں روئے، رَبِّ جلیل نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''سبحان اللہ'' کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور بطورِ شکرانہ گریہ زاری کیوں نہ کروں جب کہ آج کی رات یہ آیت مبارکہ مجھ پہ نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ...... الاٰیۃ،

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بڑی تباہی ہے اس شخص کی جس نے ان آیتوں کی تلاوت کی اوران میں غور نہیں کیا"

یقین جانئے جن لوگوں کو زمین وآسمان کی تخلیق اور کائنات کے رُموز واَسرار پر یہ نظرِ غائر غور کرنے کی سعادت ملتی ہے انہیں رَبِ کائنات کی معرفت عطا ہوتی ہے۔

حدیث مبارکہ میں مذکور ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......الاٰیۃ ، سے لے کر آخر سورۂ مبارکہ وَاتَّقُوااللّٰہَ..... آیت ۲۰۰ تک یہ آیات حضور اکرم ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اُٹھتے تو پڑھتے اور اس کے بعد وضو فرماتے۔(بحوالہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعا فی صلوٰۃ اللیل وقیامہ)

آیت نمبر ۱۹۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو ذکر کرتے ہیں اللہ جلِ شانہٗ کا کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے لیٹے اور غور وفکر میں مصروف کار رہتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور تجدید ایمان ،تقویّت ایمان کو اس انداز میں عیاں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رَبّ ! آپ نے اس مخلوق کو لایعنی وجود میں نہیں لایا بلکہ حکمتیں پوشیدہ ہیں ذرا سوچئے تو سہی ! یہ کون سی ہستی ہے جس کا اقتدارِاعلیٰ ذرّے ذرّے پر ہمہ وقت موجود ہے ساعت کا اک اک لمحہ جس کے دائرہ قدرت میں ہے اس کے بارے میں غور وفکر کی سعادت انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جو کبھی یادِ خدا سے بیگانہ نہیں ہوتے ، بلکہ سلوک کی منزل کا طالب ایک گہرا شعور رکھتے ہوئے ہمیشہ دلائل سے کرتا ہے جب معرفت کا شعُور بیدار ہوتا ہے تو پھر دلائل بھی حجابات کی طرح نظروں سے اُوجھل ہوجاتے ہیں اور نورِ مَعرفت کے فیوضِ برکات سے قلب منوّر اور تاباں تاباں ہوکر دوام تک جا پہنچتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کا ذکر اس قدر عزیز ہوتا ہے کہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، یا لیٹے ہوں ہر حال میں دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور فارغ نہیں ہوتا پھر یہ منزل آجاتی ہے۔

ع اِس قدر تیرا ذکر ہم نے کیا قابلِ ذکر ہوگئے ہم بھی

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھو۔(بحوالہ صحیح البخاری شریف کتاب الصلوٰۃ)

اچھی طرح جان جائیے ! اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے کوئی ساعت ،کوئی گھڑی اور وقت ،مقام کی قید نہیں ، ہمہ لمحہ ،لمحہ بہ لمحہ ،حرکت بہ حرکت کھڑے ، بیٹھے ، لیٹے لیٹے ،کروٹ ، بدلتے بدلتے ، ہر حالت ، ہر لحظہ اپنے خالق کی یاد میں مُحو رہیئے ، مگن رہیئے۔

علاّمہ بیضاویؒ رقمطراز ہیں "وَھُوَ اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا عِبَادَۃَ کَالتَّفَکُّرِ"

"کائنات کے ہر پہلو پر غور وعوض اور مظاہر گیتی کائنات پر فکر وتدبّر کرتے رہنا سب عبادتوں سے بہتر اور احسن عمل ہے۔"

مقامِ حیرت اور افسوس ہے کہ آج کی جدید دنیا نے جس بات کو عقل اور دانش مندی کا معیار سمجھ لیا ہے وہ محض ایک فریب ہے کسی نے مال وزر سمیٹ لینے کو عقل مندی بتایا ہے اور کسی نے دورِ جدید کی ایجادات اور مشینوں کے کل پرزے بنانے ، برقی ایجاد اور بھاپ کو ہی اصل معیارِ ترقی سمجھ رکھا ہے، سائنسی علوم نے تمہاری ترقی کو ترقی معکوس بنادیا ہے، مجھے کہنے دیجئے "ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت" ذرا عقلِ سلیم کو بروئے کار لائیے تو معلوم ہوجائے گا اصل کام نہ تو پانی ، مٹی ،لوہے اور تانبے کا ہے اور نہ مشین کے کمال کا، بلکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کام اُس کا ہے جس نے آگ پانی اور ہوا کی تخلیق کی ،جس کے سبب یہ بجلی ، برق ، ایندھن اور بھاپ ہمارے ہاتھ آئی درحقیقت ساری طاقتوں اور قوتوں کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آگ اور پانی پیدا کیا۔

اکابرین اہلِ معرفت کا یہ قول کس قدر صادق ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نشانیوں پر غور وفکر کرو مگر خود اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر غور وفکر نہ کرو" وہ تمہاری رسائی عقل سے بالاتر ہے، حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے "تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِنْ قِیَامِ لَیْلَۃٍ

ایک گھڑی آیاتِ قرآن ربّانی میں غور و فکر / تفکّر تمام رات کی عبادت سے بہتر اور سود مند ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر)
حضرت بشیر حافی" کا قول کس قدر جامع ہے فرمایا "اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکّر کرتے تو معصیت اور نافرمانی نہ کرتے"
اب ذرا غور فرمایئے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ...... الخ رَبّ جلیل نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد تخلیق نہیں کی، بلکہ اس سے بندوں کا امتحان مقصود ہے جو امتحان میں کامیاب ہوا، اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہشت کی نعمتیں ہیں، جو ناکامی سے ہمکنار ہوا اس کے لئے جہنّم کی آگ ہے، اے طالبانِ علم و عمل! قرآنِ حکیم کی اس آیتِ مبارکہ کا مطالعہ، سائنسی علوم، طبیعات، (Physics) کیمیاء، (Chemistry) حیوانات، (Zoo logy)، (طبقات الارض)، (Geology)، علم الجبال، (Petrology)، علم الانسان، (Anthro Pology) کی روشنی میں کرو، سورۂ فاطر آیت نمبر ۲۷ پارہ نمبر ۲۲ وَمَنْ یَّقْنُتْ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
"کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں میں سے پانی برسایا"
سائنسی علوم کا بھی مطالعہ کرتے رہیئے تو معلوم ہوتا چلا جائے گا، انسان کی غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ تمام تر کائنات تو خود حضرت انسان کے فائدے کے لئے ہی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اب جان جایئے تدبّر اور تفکّر کی منزل پر غور کے بعد لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کائنات کی تخلیق فضول و بیکار محض نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اظہارِ حکمت خالقِ کائنات کے عظیم تر، قدرت و حکمت کے روشن دلائل ہیں۔
"فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" "پس ہمیں جہنّم کی آگ اور اُس کے عذاب سے بچایئے! اے اللہ ہمیں آخرت کی رُسوائی سے بچایئے! کیوں کہ جن کو آپ (اللہ تعالیٰ) نے دوزخِ آتش میں داخل کر دیا اُن کو سارے جہاں کے سامنے ذلیل کر دیا، بعض علماء کرام اور مُفسّرین نے تحریر کیا ہے کہ میدانِ حشر میں رسوائی یہ ایک ایسا عذاب ہوگا کہ آدمی اس خواہش کا اظہار کرے گا اے کاش! اے نارِ جہنّم میں ڈال دیا جائے، اور اس کی بدکاریوں کا علم اور چرچا اہلِ محشر کے سامنے نہ ہو!
آیت نمبر ۱۹۲ میں اظہار بیان دعائیہ انداز میں ہے کہ اے اللہ! پس ہمیں جہنّم کی آگ سے بچالے، جس کو تو نے جہنّم میں ڈالا، سو اس کو رسوا کر دیا، اور کوئی گنہگاروں کا حامی اور مددگار نہیں! آیت نمبر ۱۹۱ میں دعا اس انداز میں تھی کہ اے رَبّ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے یہاں دعا یہ ہے کہ ہمیں جہنّم کی رُسوائی سے بچائے رکھ، جو شخص جتنی دیر جہنّم میں رہا اسی قدر رُسوائی جانو! اس سے پتہ چلا کہ دائمی رُسوائی کُفّار کے لئے مُقدّر رہے۔
آیت نمبر ۱۹۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے ہمارے رَبّ! ہم نے سُن لی ایک مُنادی رُپکارنے والے کی، جو دعوتِ ایمان دے رہا تھا اپنے رَبّ کو تسلیم کرو، ہم نے اس دعوت عمل / حق کو قبول کر لیا ہے اب ہماری خطاؤں کو درگزر فرما، اور ہماری بُرائیوں کو ہم سے دُور کر دے، اور نیک لوگوں کے ساتھ ہماری موت مقدّر فرما، یعنی اس دنیا سے ہم جس دن اُٹھائے جائیں ہمارا حشر نیک لوگوں کے ساتھ فرما۔
آیت ۱۹۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے رَبّ جلیل جو وعدے آپ نے رسولوں کی معرفت کئے ہیں ان کی ہمارے ساتھ تکمیل فرما، یومِ قیامت ہمیں رُسوائی میں نہ مبتلا کرنا، ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ روزِ قیامت ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ لغزش کے سبب رسوائی نہ ہونے پائے بلا شبہ آپ تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والے نہیں، لیکن ہمیں اس بات کا احتمال / خطرہ ہے کہ اگر ہمارا ایمان قابلِ قبول نہ ہوا تو پھر تیرے انعام کے وعدے کے ہم مستحق نہ ہوں گے اس دنیا میں تو ہم اہلِ کُفر کے طعنہ سنتے رہے، اے اللہ! آخرت میں ہمیں رُسوائی اور ذِلّت سے بچالیجئے، آمین۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

پس اُن کی دعا سُن لی، اُن کے رَبّ نے کہ میں تم میں، مرد ہو یا عورت کام کرنے والے/عمل کرنے والے کی محنت/اکارت/رائیگاں نہیں کرتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے بے دخل ہوئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے بھی اور قتل بھی کر دیئے گئے/راہِ خدا میں جہاد میں شریک ہوئے تو ضرور میں مٹا دوں گا (اُن کے نامۂ اعمال) سے اُن کے گناہ اور داخل کر دوں گا بالیقین ایسی جنّتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی/رواں ہیں یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ثواب/اُجر ہے۔ (۱۹۵)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

اے سننے والے! تجھے فریب میں نہ ڈال دے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا۔ (۱۹۶)

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

یہ لُطف اندوزی! تھوڑے سے عرصہ کے لئے ہے پھر/اُن کا ٹھکانہ دُوزخ ہے، وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ (۱۹۷)

لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

لیکن جو لوگ اپنے رَبّ سے ڈرتے/خوف کھاتے رہے، اُن کے لئے ایسے باغ/جنّتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، وہاں پر اللہ کی طرف سے ہمیشہ اُن کی مہمانی ہوتی رہے گی اور نیک لوگوں کے لئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔ (۱۹۸)

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

بے شک اور اہلِ کتاب میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف جو اُتارا گیا اُن کی طرف اُن کے دل، اللہ کے حضور عجز کے ساتھ جُھکے ہوئے ہیں اور اللہ کی آیات کی حقیر قیمت پر سودے بازی نہیں کرتے، یہ وہ ہیں جن کا اجر/ثواب اُن کے رَبّ کے پاس ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۹۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! صبر اور استقامت پر ثابت قدم رہو، صبر کی تلقین کرتے رہو اور ایک دوسرے سے کمر بستہ/بندھے رہو، اللہ جلِّ شانہٗ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو/کامیاب ہو جاؤ۔ (۲۰۰)

الفاظ و معانی آیت ۱۹۵ تا ۲۰۰

﴿ فَاسْتَجَابَ ﴾ ف، پس، یہاں اجاب بمعنی قبول فرمالی کے آیا ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر) ﴿ اسْتِجَابَۃ ﴾ کے معنی قبول کرنے تسلیم کرنے کے ہیں، قواعد کے مطابق فعل ماضی کا صیغہ۔ ﴿ اَنِّیْ ﴾ بے شک میں۔ ﴿ اُضِیْعُ ﴾ میں ضائع را کارت نہیں کرتا۔ اضاعۃ، ضائع فعل مضارع کا صیغہ۔ باری تعالیٰ کی عادت مُستمرہ❶ ہے کسی کے نیک کام خواہ اُنْثٰی (عورت) ذَکَر (مرد) نے کئے وہ اکارت نہیں کرتا۔ ﴿ اُخْرِجُوْا ﴾ وہ نکالے گئے اِخْرَاجٌ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ۔ ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ ﴾ دُور کردوں گا، تَکْفِیْرٌ سے ہے قواعد کے مطابق فعل ہے مضارع کا صیغہ، کسی شے کو اس انداز سے چُھپانا کہ گویا پہلے تھی ہی نہیں۔ ﴿ لَا یَغُرَّنَّكَ ﴾ تجھے فریب میں نہ ڈالے، یہ غَرُوْء سے فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ ﴿ نُزُلًا ﴾ مہمان نوازی، ضیافت طعام، قواعد کے لحاظ سے اسم ہے مکان کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ ﴿ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ تھوڑی سی قیمت۔ ﴿ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿ اصْبِرُوْا ﴾ صبر کے لغوی معنی تو روکنے اور باندھنے کے آتے ہیں، قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے خلافِ طبع اُمور پر اپنے آپ کو جمائے رکھنا ''صبر'' کہلاتا ہے، اس کی تین اقسام ہیں۔ (۱)......صبر علی الطاعات۔ (۲)......صبر علی المعاصی۔ (۳)......صبر علی المصائب

۱)...... **صبر علی الطاعات!** جن اُمور کا باری تعالیٰ نے، اور رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر کیا ہو ان کی پابندی خواہ طبع نازک پر کتنا ہی گراں گزرے اس پر نفس کو اپنے قابو میں جمائے رکھنا۔

۲)...... **صبر علی المعاصی!** جن کاموں سے اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ نے منع فرمایا وہ نفس کی تسکین کے لئے خواہ کتنے ہی مرغوب اور لُطف انداز ہوں نفس کو اس سے بچائے رکھنا۔

۳)...... **صبر علی المصائب!** مصیبت و آلام پر حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا اور حالتِ تکلیف میں صبر کا دامن تھام لینا اور تمام رنج و غم کو یہ جان لینا کہ سب کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے ہے اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

﴿ وَصَابِرُوْا ﴾ ثابت قدم رہو، فعل امر کا صیغہ ہے مصابرت جنگ کی شدت میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، اسی لفظ صبر سے اَخذ کیا گیا ہے اس کا مفہوم ہے خود صبر کرو، اور جب کافروں رردشمنوں سے مقابلہ ہو تو مقابلہ میں صبر و استقامت برقرار رکھ کر مستعد رہو۔ ﴿ وَرَابِطُوْا ﴾ آپس میں نظم وضبط کے ساتھ رہو، فعل امر کا صیغہ، رابطہ یہ لفظ ربط سے مَاخُوذ ہے اس کے معنی گھوڑے باندھنا اور لڑائی کے لئے تیار رہنے کے آتے ہیں، رَابِطُوْا سے مُراد ہے میدانِ کارزار میں مورچہ بند کرنا، مُستعدی کے ساتھ چوکنا اور آمادہ جہاد رہنا ہمہ وقت جہاد کے لئے۔

حدیث مبارکہ میں اس کی فضیلت کا بیان موجود ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے۔

''رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْهَا''

اللہ تعالیٰ کی راہ (جہاد کی خاطر) ایک یوم کا پڑاؤ ڈالنا، دنیا و مافیہا سے افضل ہے

(بحوالہ صحیح بخاری شریف، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

رباط کا لفظ قرآنِ مجید کی آیت ۶۰ سورۃ الانفال پارہ نمبر ۱۰ وَاعْلَمُوْا میں آیا ہے۔

❶ ہمیشہ رہنے والی مضبوط (عربی)

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

''اور ہر طرح کی طاقت جنگی سامان ، پلے ہوئے گھوڑے اور جو کچھ تم سے بن سکے سب تیار رکھو، اُن چیزوں سے ڈھاک بنائے رکھو اللہ تعالیٰ کے اور تمہارے دشمنوں پر''۔

رباط کے معنیٰ ہیں ناگواری کے وقت پورا وضو کر کے مساجد میں دُور مقام سے چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری کے لئے منتظر رہنے کو بھی ''رباط'' کہا گیا ہے۔ (بحوالہ مسلم شریف کتاب الطہارۃ)

تشریح وتوضیحات آیت ۱۹۵ تا ۲۰۰

آیت نمبر ۱۹۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ سو اُن کے رَبّ نے اُن کی دُعا مبرور فرمائی! یہاں ''مُستجاب الدَّعوات'' ہونے کی کتنی حسین ترتیب ہے۔

پہلے تو دلائل سے معرفت کا علم ہوا پھر ذکرِ دوام کی توفیق ملی، پھر تَــفَـکّـُـر کی سعادت ملی، اس کے بعد ثناء کی سعادتِ توفیق اور مدراج کے بعد دعا سُن لی۔ (بحوالہ تفسیر کبیر)

اس آیتِ کریمہ کے اظہار کے سمجھنے سے پہلے تو یہ جان جائیے! آیا دلائل کی کیا حیثیت ہے اس بارے میں امام رازیؒ نے اس کی وضاحت یوں کی کہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲ پارہ نمبر ۱۶ قَالَ اَلَمْ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ۭ

یقیناً میں ہی تمہارا رَبّ ہوں، یہ طوی کی وادی کا مقدّس مقام ہے جہاں تم آ پہنچے، اب تم اپنے جوتے اتار دو۔

بتایا جا رہا ہے اے (سیّدنا) موسیٰ (علیہ السلام) اب آپ (علیہ السلام) وادی مقدّس میں جلوہ فرما ہیں جوتوں کو اتار دیجئے، جوتے تو وہاں تک کی رسائی کا سبب ہوئے وادی مقدّس میں اِن کی بھلا کیا ضرورت ہے! اس سے پتہ چلا دلائل بھی معرفتِ ذات کا طریق اور زینہ ہیں سو جب یہ مقام حسن وعشق نصیب ہو جائے تو پھر معرفتِ ذات میں کھو جانے رمستغرق ہونے کے بعد دلائل کی ضرورت کا احساس ہی باقی نہیں رہتا ایسے لوگ ہمیشہ اسمِ ذات کی یاد رذکر میں منہمک ہوئے تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ہم نے اُن کی دُعا سُن لی۔

اللہ تعالیٰ تو نیک لوگوں کے خواہ مرد ہو یا عورت اعمال اکارت اور ضائع نہیں کرتا اگر اُن سے بہ تقاضائے بشر یّت کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو اُن کی اچھائیوں اور عملِ صالحہ کے باعث ان کی خطا درگزر رمعاف کر دی جاتی ہے، اطاعت باری تعالیٰ میں بحیثیت عورت اور مرد دونوں برابر ہیں ایک نیکی کا اجر جو ایک مرد کو ملے گا وہی نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اُس کو بھی وہی ثواب ملے گا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اُم المؤمنین اُم سلمیٰ (رضی اللہ عنہا) نے ایک بار حضرت محمد ﷺ سے التجا کی، اے اللہ کے حبیب ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے بارے میں عورتوں کا نام نہیں لیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بحوالہ تفسیر طبری، ابن کثیر، اور فتح القدیر)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہجرت کی، ترکِ وطن کیا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُنہیں ایذا ملیں، لڑے اور شہید ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قصور معاف کرنے کا ذمّہ لے لیا، بالیقین انہیں بہشت میں داخل کرے گا، جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ہے اُن کے اَجر کا بدلہ، اور اللہ جلِ شانہٗ کے پاس ہی اچھا صلہ ہے۔

آیت نمبر ۱۹۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے طالبِ حق! تو کُفار کے عیش وطرب پر دھوکہ نہ کھا! ان کافروں کا چلنا پھرنا، کسبِ معاش اور تفریح کی سہولت اور وسائل تمہیں کہیں مُغالطہ میں نہ ڈال دے، اس حالت کی کوئی قدر و قیمت نہیں یہ چندروزہ بہارِ زندگی کی بہار ہے یہ عارضی ہے کیونکہ موت آتے ہی اُن کا نام ونشان بھی نہ رہے گا، پھر اُن کا کام ہمیشہ ہمیش کے لئے ٹھکانہ آتشِ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری آرام گاہ ہے۔

آیت نمبر ۱۹۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ کُفار کی یہ نشاطِ زندگی اور آرامِ حیات صرف دیکھنے والے کو آرام اور سکون نظر آتا ہے اندر تو دُکھ ہی دُکھ رنج ہی رنج ہے ان کا دل مضطر کبھی طمانیت آشنا نہیں، یہ راحت دل و جان بہت تھوڑی مُہلت کے لئے ہے پھر تو ان کا مقدّر جہنّم ہے جہاں اُوڑھنا بچھونا آگ ہی آگ ہے یہ آگ ہی آگ ہے اے ناداں، یہ تمہارے عمل کا نتیجہ ہے جو تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور عذاب آتش مُول لیا۔ معاذ اللہ! العیاذ اللہ

آیت نمبر ۱۹۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اُن کے لئے بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں گویا جنہوں نے راہِ تقوٰی اختیار کی، ان کا مقام جنّت ہے لُطف کی بات تو یہ ہے کہ وہاں سے کبھی بے دخل نہ کئے جائیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے اور مالک ہے وہاں اُن نیک لوگوں کو جو اجر خاص عطا ہوگا وہ اس سے بدر جہا بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو وقتی طور پر ملتا ہے۔

آیت نمبر ۱۹۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ بلا شبہ اہلِ کتاب میں سے جو محمد ﷺ پر ایمان لائے ہیں گویا وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد محمد ﷺ کے دین پر ایمان نہ لانا اور صرف سابقہ کتبِ سماوی یا گذشتہ ادیان کے ساتھ، وابستگی اختیار کئے رہنا، باعث نجات ہرگز ہرگز نہیں، حقیقت یوں ہے کہ محمد ﷺ کی نبوّت کی تکذیب ہی کتبِ سماوی کی انکار کا سبب ہے، حکم صادر ہورہا ہے کہ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس پر یقین کامل رکھتے ہیں اور ایسے تمام اَنبیاء اور رُسل پر جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے تشریف لائے ایمان رکھتے ہیں اور باریٔ تعالیٰ سے عجز انکساری کا اظہار کرتے ہیں رَبِّ جلیل کی آیات کو معمولی نفع کی خاطر دنیاوی مُفاد کی خاطر بیچ نہیں دیتے ایسے لوگوں کے لئے رَبّ کے پاس اَجر ہے بلا شبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

آیت ۲۰۰ میں وضاحت کے ساتھ اسلام کے ذاتی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے بنیادی اصول بتائے گئے ہیں۔ (۱) صبر۔ (۲) مصابرہ۔ (۳) رباط۔ (۴) تقوٰی۔

اوّل...... **صبر** صبر کی حقیقت اور روح یہ ہے کہ راہِ حق میں مصائب اور مُشکلات کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا ذاتی معاملات میں صبر کرنے کا حکم ہے۔ جیسے ایمان پر صبر، توحید، آخرت، عبادات اور رسالت پر صبر، گناہ سے اجتناب کرنے پر صبر، مصائب دنیا پر بھوک کی شدّت پر صبر، حالتِ افلاس پر صبر، اور شدید بیماری پر صبر کی تلقین۔

دوئم...... **مصابرہ** دشمن کے پے دَر پے حملوں کے سامنے فولاد بن کر کھڑے رہنا بقول شاعرِ مشرق

ع ہو حلقۂ یاراں تو بَریشم کی طرح نرم رَزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا حق و باطل کی کشمکش میں جرأت اور پامردی سے حق کی فتح کے لئے عزم

مصمّم رکھنا فتح و نصرت کے لئے جد و جہد کرنا۔

سوئم…… **رباط** نفس کو نیکی کی طرف مائل رکھنا، اور جسم کو عبادت کی طرف کاربند رکھنا، اس کا اشرف مقام یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللّٰہ کی طرف کمربستہ اور گامزن رہنا، اور نفس کو نماز کا پابند بنائے رکھنا، دشمن کے مقابلے کی خاطر اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے مادّی وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے ہمہ تن مصروفِ عمل رہنا، اپنی ذات سے لے کر اپنی مملکت تک جو ذمّہ داریاں سپرد ہیں، پوری محنت سے ادا کرنے میں مشغول رہنا۔

چہارم…… **تقوٰی** : پرہیز گاری رتقوٰی یہ ہے کہ ہر حال بہر طور اللہ کا خوف اپنے اندر رکھنا، اور اللہ کے مقرّر کردہ احکامات قیود و حدود کی اخلاصِ نیّت کے ساتھ خشیت اللہ کے ساتھ پاسداری کا اہتمام اور انصرام کرنا یہی دینِ حنیف کا مقصود مدّعا ہے جب کسی قوم میں یہ خوبی پائی جائے تو رحمتِ باری تعالیٰ، رحمتِ باراں کی طرح ملتی ہے، مشکلات دور ہوتی ہیں دنیا میں عزّت ملتی ہے اور آخرت میں سرخروئی عطا ہوتی ہے۔

تو اے طالبِ حق! خدمتِ دین کے لئے کمربستہ رہو، اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔

سورۂ آل عمران اختتام پذیر ہوئی

فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

سلسلہ وار ترتیب ۴ ترتیب نزول ۹۲ آیت [2] ۱۷۶ رکوع ۲۴	سُوْرَۃُ النِّسَاءِ	یہ سورۃ مدینہ منوّرہ میں نازل ہوئی کلمات [1] ۳۰۴۵ حروف ۱۶۰۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اے لوگو! ڈرو اپنے رَبّ سے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، اور اسی میں سے اس کا جوڑ ابنادیا پھر دونوں سے بہت سے مرد، اور عورتیں بنا کر دنیا میں پھیلا دیئے، اور اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق طلب کرتے ہو/مانگتے ہو، اور رشتے ناطوں کا لحاظ رکھو/انہیں قطع نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہروقت نگہبان ہے۔(۱)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

اور یتیموں کو اُن کے مال دے دو، اُن کے مال نہ بدلو، یعنی پاک اور حلال چیز کے بدلے، ناپاک اور حرام چیز نہ لو، اور اُن کے مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ، بلاشبہ یہ بہت بڑا گناہ ہے یعنی اُن کا مال مت کھا جانا اس میں بڑا وبال ہے۔(۲)

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

اور اگر تم کو خوف ہو، کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ عدل/انصاف نہ برت سکو گے تو پھر، جو تم کو پسند ہوں دوسری عورتیں تو اُن سے نکاح/عقد کرلو، دو دو، تین تین، چار چار تک بھی اجازت ہے لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ عدل وانصاف اِن میں برقرار نہیں رکھ سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو اپنی کنیز (جو جہاد میں ہاتھ لگی ہو) تمہاری ملکیت ہے اس کو تم اپنی بیوی زوجہ بنالو، یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو/اور تم بے انصافی سے بچ جاؤ۔(۳)

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۤـــًٔا مَّرِيْۤـــــًٔا ④

اور اپنی بیوی کو اُن کے مہر، خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ خود اپنی مرضی اور خوشی سے کچھ مہر بخش دیں/معاف کردیں تو اُسے شوق سے خوش دلی کے ساتھ لذّت حاصل کرتے ہوئے کھاؤ پیو!(۴)

[1] ..... کلمات ۳۰۳۵ بحوالہ ضیاء القرآن از حضرت محمد کرم شاہ الازہریؒ، آیات ۳۰۴۵ بحوالہ کنز الایمان از حضرت احمد رضا خان بریلویؒ۔ [2] ..... اس سورت کی آیت ۱۷۳ میں عَذَابًا اَلِيْمًا پر جن علماء نے آیت کا شمار کیا ہے اس لحاظ سے ۱۷۷ ہوتی ہے جن کی گنتی کا شمار لفظ عذابا الیما کے آگے وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا تک کے الفاظ اسی آیت ۱۷۳ میں شامل ہیں اس لحاظ سے آیات کی گنتی ۱۷۶ ہے۔ ماخوذ تشریح القرآن مولانا عبدالکریم پاریکھ مدظلہ

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝

اور ناداں اور بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو، جیسے اللہ نے تمہارے لئے قیامِ زندگی رہبسر اوقات کا ذریعہ بنادیا، البتہ اِس مال سے اُن کو ضرور کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن سے بھلی بات کہتے رہو۔ (۵)

الفاظ و معانی آیت ا رتا ۵

﴿ نِسَآءَ ﴾ نسآء کے معنی عورتیں" اس سورتِ مبارکہ میں خواتین کے اہم اُمور اور مسائل کا تذکرہ ہے اس لئے اسے سورۃ نسآء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس سورۃ میں ربِّ جلیل نے محمد ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم صادر کیا ہے مُفسّرین، علماءِ اور محققین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس سورۃ طَیّبہ کے نزول کی ابتداء غزوہ اُحد شوال ۳ھ کے بعد ہوئی جس وقت کہ ستر (۷۰) مسلمانوں کے جام شہادت نوش کئے جانے کے بعد یتیموں کی کفالت کا بار، وراثت کی تقسیم کے مسئلہ نے بڑی اہمیت کی صورت اختیار کرلی اس سورۃ کا سلسلہ ۵ھ کے اوائل تک جاری رہا، اس سورۃ میں حقوقِ نسواں کا خاص طور پر تذکرہ ہے، اس صورت میں گھریلو زندگی کے آداب معاملات، یتیم بچّے اور بچّیوں کے ساتھ حُسن سلوک کی دعوت، قرابت داروں کے حقوق اور معاشی اور معاشرتی زندگی کے اصول بتائے گئے ہیں۔ ﴿ خَلَقَكُمۡ ﴾ پیدا کیا تم کو۔ ﴿ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ ایک جان سے۔ ﴿ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا ﴾ یہ تو سب کو ایک ہی ذات سے حضرت آدم سے اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا پھر اس جوڑے کے ذریعہ سے بہت مرد اور عورتیں پیدا کیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حوا سیدنا آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں، حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے۔"اِنَّ الۡمَرۡأَةَ خُلِقَتۡ عَنۡ ضَلَعٍ وَاِنَّ أَعۡوَجَ شَيۡءٍ فِي الضَّلَعِ اَعۡلَاهُ"

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصّہ اس کا بالائی راُوپر کا حصّہ ہے"

تو اگر اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر اس سے فائدہ مقصود ہے تو کجی کے ساتھ اِستفادہ کرسکتا ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم شریف، کتاب الرضاع)

قرآن کے الفاظ خَلَقَ مِنۡهَا سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ تخلیق حوا، اسی نَفۡسِ واحدہ سے ہوتی ہے جس کو آدم علیہ السلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ﴿ بَثَّ ﴾ اس نے پھیلا دیا ربکھیر ابثَّ سے فعل ماضی کا صیغہ قواعد کے مطابق کسی شے کے اُبھارنے ر پُراگندہ کرنے کے ہیں۔ ﴿ تَسَآءَلُوۡنَ ﴾ مانگتے ہو تم۔ ﴿ وَالۡاَرۡحَامَ ﴾ رشتے داریاں رقرابت داری اس کا واحد رحم ہے رحم ہر قسم کے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے قبل بچہ شکمِ مادر رماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ ﴿ طَابَ ﴾ یہ بھلا معلوم ہوا طَيِّبٌ سے ہے دِلکش لگتے اور پاکیزہ قواعد کے مطابق فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ ﴿ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ﴾ بڑا گناہ، قواعد کے لحاظ سے اِسم ہے لفظ حُوب، بقول اِبن عباس رضی اللہ عنہ حبشی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہوتے ہیں بڑا گناہ عربی زبان میں یہ مستعمل ہے یتیم کے مال میں کسی بھی نوعیت کا ناجائز تصرّف خواہ نگرانی کے سبب سے ہو یا خراب شے کے بدلے، یا اپنے مال اس میں ملا دیا جائے، بہر نوع یہ وبال ہے۔ ﴿ الۡيَتٰمٰٓى ﴾ یتیم کے لفظی معنی اکیلے فرد کے ہیں اس لئے جو موتی سیپ میں تنہا ہو دُرِ یتیم کہا جاتا ہے اصطلاح شرع میں جس بچہ کا باپ مرگیا وہ یتیم ہے۔ (بحوالہ قاموس) بالغ ہونے کے بعد شرعی اصطلاح میں اس کو یتیم نہیں کہا جائے گا، لَا يُتۡمَ بَعۡدَ اِحۡتِلَامٍ بلوغت کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف) ﴿ خِفۡتُمۡ ﴾ اندیشہ ہو تمہیں۔ ﴿ نِحۡلَةً ﴾

خوش دلی کے ساتھ، خوشی خوشی مصدر اور اسم ہے۔ ﴿ هَنِيْٓـًٔا ﴾ سازگار، مُوافق۔ ﴿ مَّرِيْٓـًٔا ﴾ ذوق شوق، خوش گوار سمجھتے ہیں ﴿ طِبْنَ ﴾ بخش دیں، خوشی دیں۔ ﴿ السُّفَهَآءَ ﴾ کم عقل، نا سمجھ، ناداں۔ ﴿ اكْسُوْهُمْ ﴾ ان کو پہناتے رہو، اسو، کسو سے ہے معنی پہننے اور پہنانے کے ہیں فعل امر کا صیغہ قواعد کے لحاظ سے۔

تَشْرِیح وتَوضِیحات آیت ۱ تا ۵

آیت ۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ سب انسانوں کو تخلیق کرنے والی ذات اللہ کی ہے، اور سب کو اس کے حکم کی تکمیل اور تعمیل کرنی چاہئے براہِ راست بنی نوع انسان ہے! اے انسانو! رَبّ کی مخالفت سے ڈرو۔[1] جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی ایک وجود سے دوسرے کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کو نسلِ انسانی بڑھانے اور پیدا کرنے کا سبب بنا دیا اور اس طرح جہانِ رنگ وبُو میں مرد اور عورت کو پھیلا دیا، رَبّ کی خاص شان کا ذکر اس انداز سے ہوا کہ اُس نے اپنی حکمت اور رحمت سے تم سب کی تخلیق کی اور تمام انسانوں کو ایک ہی فردِ واحد حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام سے پیدا کر کے سب کو رشتہ اُخوّت رشتہ ناطے کے ایک مضبوط بندھن میں باندھ دیا، خوف باری تعالیٰ اور آخرت کے اس رشتہ اُخوّت کا تقاضائے باہمی تو یہی ہے کہ ایثار، ہمدردی، بھائی چارہ اور خیر خواہی کے پورے حقوق کو ادا کیا جائے اور جہاں رنگ وبُو میں گُھو کر ملّت میں گم ہو جانے کے مصداق نسلی اور انسانی تعصّب سے امتیازات کو یکسر ختم کر کے خیر خواہی کے جذبات اور احساسات کو اُجاگر کر کے اہلِ قربت یتیموں، زوجین کے مَابین حقوق کی ادائیگی، دل وجان سے کی جائے اور تم ایک دوسرے سے اپنے حق طلب کرتے رہو، رشتوں کو توڑنے سے اجتناب کرو "قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے" جان جائیے رشتوں اور قرابت داروں سے لاتعلقی اور بے نیازی خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے ہو اس سے بچو، اور اُن کے ساتھ ساتھ صلۂ رحمی اختیار کرو، قطع رحمی کے سلسلے میں سخت وعید آئی ہے حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" آدمی وہ جو حقوق قرابت کی پاسداری نہیں کرتا وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

آیت نمبر ۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ اور یتیموں کو اُن کے مال دے دو، اس آیت میں وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ یتیموں کے مال اُنہی کو پہنچاؤ۔

اس آیتِ مبارکہ میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم ہے اور اس میں کسی بھی انداز سے خُورد بُرد کرنے کی تاکید آئی ہے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اچھی چیز کا تبادلہ بُری شے سے مت کرو، یتیم کے ولی کی یہ ذِمّہ داری میں شامل ہے کہ یتیم کے اموال کو نہ خود کھائے، نہ خود اس کے زیاں کا مرتکب ہو، اس کے فرائض میں بھی شامل ہے کہ اس مال کی نگرانی اور حفاظت کرتے ہوئے اُس کو اس قابل بنائے کہ یتیم کی سنِ بلوغت کے بعد اس کو اس کا مال مل جائے یتیموں کے اَموال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھایا جائے، یتیم کے اموال کو الگ رکھو، اس بات کا خیال رکھا جائے کہ یتیم کا مال تمہارے ذاتی تصرّف میں نہ آنے پائے۔ سُورۃُ البقرہ آیت نمبر ۲۲۰ پارہ نمبر ۲ سَیَقُوْلُ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط

اور یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہو اُن کی حالت سُدھارنا اچھا بہتر کام ہے

[1] ..... حضرت محمد ﷺ اس آیۂ مبارکہ کو خطبۂ نکاح میں پڑھا کرتے تھے "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ" خطبۂ نکاح میں اس کا پڑھنا مسنون ہے۔

آیت نمبر۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ اگر تمہیں اس بات کا امکان ہو کہ یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے کے بعد تم عدل برقرار نہ رکھ سکو گے بلکہ تمہارے طرزِ عمل سے اُن کی حق تلفی ہو جائے گی، تو تمہارے لئے اور بہت سی حلال اور پسندیدہ عورتیں ہیں اُن سے نکاح کراو۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ذی حیثیت، صاحبِ ثروت، اور صاحبِ حسن جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیرِ نگرانی ہوتی، تو وہ اس کے مال اور جمالِ حسن سے متاثر ہو کر اس سے نکاح کر لیتا، اور اس کو دیگر عورتوں کی طرح حقِ مہر بھی ادا نہ کرتا، رَبّ کریم نے ستمِ ناروا اور ظلم سے روکا،'' اور اگر تم زیرِ کفالت یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو تم اُن سے شادی مت کرو تمہارے لئے اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے عقد کی راہ کھلی ہوئی ہے'' (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

اس آیتِ مبارکہ میں ایک طرف تو اس بات کی قطعی اجازت دے دی گئی کہ ایک سے زیادہ، دو دو، تین تین، اور چار چار، عورتیں نکاح میں رکھ سکتے ہو، بشرطیکہ کہ ہر ایک کے ساتھ عدل و مساوات مساوی کیا جائے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو ایک پر اکتفا کرو۔

اسلام سے پہلے بھی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم عام تھی، قرآنِ حمید نے عام معاشرہ کے اس طلسم دل رُبا اور ظلم عظیم کو ختم کرنے کی تلقین کی اور تعداد ازواج پر پابندی عائد کی، اور چار سے زائد عورتوں کو بہ یک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا۔

قیس بن الحارث رضی اللہ عنہ کا قول ہے'' کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے حضرت محمد ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان میں چار کو رکھ لو اور باقی ماندہ کو طلاق دے دو۔'' (بحوالہ ابوداؤد)

تاریخ اسلام کے صفحات پر نظر ڈالئے تو احساسِ علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو قولی اور عملی طور پر دنیا میں پھیلا دیا، گویا آپ ﷺ بتاتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے ذرا یہ بھی تو بتائیے انسانی زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ کی رہبری کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ہو، پابندی نماز سے لے کر بیویوں کے حقوق اور تعلقات تک پچیس (۲۵) سال کی عمر مبارک سے لے کر پچاس (۵۰) سال کی عمر عزیز تک تنہا حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی زوجہ رہیں، اُن کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کو اُمہات المؤمنین ہونے کا شرف عطا ہوا۔

اِس گفتگو کا خلاصہ یہ کہ اگر عدل نہ کر سکنے کی صورت میں ایک ہی زوجہ پر اِکتفا کرنا، یا باندی کنیز کے ساتھ گزارہ کر لینا یہ ایسا عمل ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد ظلم سے بچ سکو گے۔

آیت نمبر۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ اور اپنی عورتوں کو اُن کے مہر خوشی خوشی سے ادا کر دو، یہ نہ ہو کہ اُس کے والدین اس کے حق دار بن جائیں یا شوہر ہی اس کا حق دار بن جائے یا اس کو مجبور کر کے معاف کرا لیا جائے، یہ تمام صورتیں قطعی طور پر جائز نہیں البتہ بر رضا رغبت مہر یا اس کی رقم کا کچھ حصّہ شوہر کو معاف کر دے یا لے کر واپس کر دے تو اس کو شوق سے بَرتو، اس میں کوئی مُضائقہ نہیں۔

باری تعالیٰ کی شانِ کریمی کے قربان ہو جایئے، آیت نمبر۳ میں کثرت ازواج کی بناء پر جو عورتوں پر جَور و ظلم ہوتا تھا اُس کا ازالہ تھا اس آیتِ کریمہ میں عورتوں کے ایک خاص حق کا تذکرہ ہے اور اس سلسلے میں ظلم و زیادتی ہوتی تھی اس کا ازالہ ہے عورتوں کا مہر ایک حقِ واجب ہے اس کی ادائیگی لازمی ہے۔ جس طرح دیگر اُمورِ واجبہ کو حسنِ سلوک کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح ''حقِ مہر'' بھی ادا کرنا ہے شریعت کا ایک ضابطہ ہے کسی کا ذرّہ بھر مال بھی کسی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ فرمان ہے۔

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ

خبردار! ظلم نہ کرو اور اچھی طرح سمجھ لو کسی شخص کا مال کسی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

آیت نمبر۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ ناداں کم عقلوں کو اموال اُن کے سپرد مت کرو، اُن کی خوب جانچ کرتے رہو، جب اموال کی حفاظت کا احساس، اور اُن کے مصارف کی سُوجھ بُوجھ اُن کے اندر غالب آجائے تو اَموالِ اُن کے سپرد کر دو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں واضح ہدایت ہے کہ ''اپنا پورا مال کم عقل بچوں، اور عورتوں کے سپرد کر کے خود محتاج نہ ہو جانا۔ باری تعالیٰ نے تم کو منتظم بنا دیا ہے تم مال کو اپنی زیرِ نگرانی رکھ کر بقدرِ ضرورت اُن کے کھلانے اور پہنانے پر صَرف کرو، اگر وہ مال کو اپنی تحویل میں لینے کا مطالبہ کریں تو بھلے اَنداز میں مَعقول تکلّم کے ساتھ انہیں سمجھا دو، تا کہ اُن کی دل آزاری نہ ہو، اور مال کا زِیاں بھی نہ ہو''۔

ناسمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں اُن کا وہ مال مت دو جس کو باری تعالیٰ نے آدمیوں کے لئے مَعیشت کا ذریعہ بنایا ہے، بلکہ اس کی پوری طور پر دیکھ بھال کرو، جب تک ان کو نفع ونقصان کی بابت معلوم نہ ہو جائے اُن کو اسی میں سے کھلاؤ، پہناؤ، اور تسلی دیتے رہو۔ (بحوالہ تفسیر امام حافظ طبریؒ)

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور یتیموں کو سنِ بلوغت ریہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح کی عمر کو، سدھارتے اور آزماتے رہو، پس اگر چہ محسوس کرو، اگر تم ان میں عقل کی سمجھ بوجھ ردانائی اور صلاحیت حسنِ تدبیر تو اُن کے مال اُن کے سپرد رحوالے کردو، اور ان کے بڑے ہوجانے کے خوف سے اُن کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچی سے نہ کھاجانا ،یتیم کی خبر گیری کرنے والا رسرپرست اگر آسودہ حال رمال دار ہے تو اسے چاہیے کہ یتیموں کے مال سے پرہیز کرے اور سرپرست اگر محتاج رمسکین ہوتو واجبی طریقہ سے رمناسب مقدار سے تو وہ کھالے، اور جب یتیموں کا مال اُن کے سپرد رحوالے کرو تو گواہ رشاہد بنالو، اور حساب لینے کو تو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ (۶)

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

مردوں کے لئے حصّہ راور قریبی رشتہ داروں کے لئے ترکہ ہے اُس میں سے جو ماں باپ چھوڑ گئے اور عورتوں کے لئے بھی حصّہ اس میں سے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار نے چھوڑا ہو، اس ترکہ سے خواہ مال کم ہو یا زیادہ، یہ حصّہ من جانب باری تعالیٰ مُقرر ہے۔ (۷)

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸

اور جب تقسیم وراثت کے وقت حاضر ہوں قرابت داروں کے ساتھ، غیروارث، رشتہ داریتیم بچے، مسکین اور محتاج تو تم اس میں تھوڑا بہت انہیں دے دو، اور بات کہو تو اُن سے نرم لہجہ رشیریں تکلم میں بھلے آدمیوں کی طرح اچھی بات کرو۔ (۸)

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْھِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹

اور چاہیے کہ وہ اس بات سے خوف کھائیں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ، ناتواں اولاد (ننھے ننھے بچے) تو وہ کتنے فکرمند ہوتے رتو اُن کا کیسا خطرہ انہیں لاحق ہوتا، پس چاہیے انہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہر طرح بچنا چاہیے اور جب بات کہی جائے تو ٹھیک اور سیدھی بات کہی جائے۔ (۹)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

بے شک جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنا شکم رآگ کے انگارے رشُعلوں سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور آتشِ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ (۱۰)

الفاظ و معانی آیت نمبر ۶ رتا ۱۰

﴿وَابْتَلُوا﴾ اور آزماتے رہو۔ ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ سِن بلوغت سے پہلے ہی معمولی معمولی

معاملات خرید وفروخت اُن کے حوالے کر کے اُن کی صلاحیت اور اہلیت کا امتحان لیتے رہو، مفہوم یوں سمجھئے کہ بچوں کی مخصوص اُفتادِ طَبع اور اُن میں عقل وشعور کے اعتبار سے ان کے تین درجات ہیں ۔اوّل...... بلوغ سے پہلے۔ دوئم...... بلوغ کے بعد۔ سوئم...... سمجھ بوجھ اور ہوشیاری کے بعد۔ بلوغ سے پہلے بچوں کے سرپرست/ولی ان کی تعلیم وتربیت کی کوشش کریں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ نابالغ بچے جو معاملات لین دین اپنے ولی کی اجازت سے کریں وہ صحیح اور درست طور پر نافذ العمل ہے ، جب وہ سنِ بلوغت کی حد کو تجاوز کرلیں اور اُن کی عمر نکاح کو پہنچ جائے تو اب تمام تر اُمور تجربہ کے لحاظ سے ان کے اموال کی جانچ کرو اور نفع اور نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت اور اہلیت پاؤ تو اُن کے مال اُن کے سپرد کر دو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر شرعاً بالغ قرار پائیں گے خواہ آثارِ بلوغیت پائے جائیں یا نہیں۔ ﴿ اٰنَسْتُمْ ﴾ تم نے محسوس کیا، یہ اِیْنَاس سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ ﴿ بَلَغُوْا ﴾ وہ پہنچے یہ بُلُوْغ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے قواعد کے مطابق۔ ﴿ رُشْدًا ﴾ عقل کی پختگی، رُشد کا مفہوم ہے مالی اُمور اور کاروبار کی سُوجھ بُوجھ، قرآنِ حمید میں لفظ رُشدًا نکرہ لاکر اس طرف اشارہ واضح کردیا کہ بھرپور ہوشیار اور دانش مندی کوئی لازمی شرط نہیں، کسی قدر صلاحیت ہوشیاری بھی اس کے لئے کافی ہے۔ ﴿ یَّکْبَرُوْا ﴾ وہ بڑی عمر کے ہوجائیں گے کِبَر" مصدر ہے قواعد کے مطابق فعل مضارع مذکر غائب۔ ﴿ یَسْتَعْفِفْ ﴾ وہ بچتا رہے، پرہیز کرے۔ اِسْتِعْفَاف مصدر ہے قواعد کے مطابق فعل امر واحد مذکر غائب۔ ﴿ بِدَارًا ﴾ جلدی جلدی کے ساتھ سرعت سے کام لینا اسم ہے۔ ﴿ فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ پس وہ کھائے دستور کے مطابق یعنی جو ولی محتاج مسکین، اور یتیم اور اس کا کوئی اور ذریعۂ معاش نہ ہو تو وہ یتیم کے مال میں ایک مقدار جس سے حاجاتِ ضروریہ کی تکمیل ہوسکے کھا سکتا ہے۔ ﴿ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ اسم ہے اُس میں سے جو ماں باپ ترکہ چھوڑیں اور رشتہ داران دو الفاظ میں وراثت کے دو اساسی اُصول بتلائے گئے ہیں، ایک تو رشتۂ ولادت، جو ماں باپ اور اولاد کے مابین ہے، جس کو والدین سے واضح کیا گیا ہے دوسرے عام رشتہ داری اَقْـرَبُـوْنَ ہر نوعیت کی قرابت داری اور رشتہ داری پر حاوی ہے خواہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے ازواجی رشتے یا عام خاندانی رشتے اَقْـرَبُوْنَ سے اس بات کی قطعی وضاحت ہوگئی کہ مطلق اسی لفظ اَقْـرَبُوْنَ سے اس بات کا پتہ چلا کہ جس طرح مردوں کو وراثت کا استحقاق حاصل ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کو اس حق سے قطعی طور پر الگ نہیں کیا جاسکتا، گویا لفظ اَقْرَبُوْنَ سے اس بات کی بھرپور تکمیل ہوگئی کہ وراثت کے مال کی تقسیم کا انحصار ضرورت کے معیار سے بلکہ قرابت کے معیار سے ہے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عرب میں میراث کی تقسیم کا کُلّیہ یہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے اپنے وفات پانے والے باپ اور شوہر کی وراثت سے بالکل محروم سمجھے جاتے، ذرا ستم ظریفی تو دیکھئے! کہا یہ جاتا کہ جو میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت نہ پائے وہ میراث پانے کا مستحق نہیں!۔ ﴿ اَقْرَبُوْنَ ﴾ قرابت دار، رشتہ دار، اس کا واحد اَقْـرَب، اسم ہے۔ ﴿ قَلَّ ﴾ کم، تھوڑا۔ ﴿ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ﴾ جو تھوڑا ہو یا اس سے زیادہ ہو، ایک جاہلانہ رسم یہ مروج تھی کہ بعض اقوام کو بعض مال کو بعض خاص وارثوں کے ترکہ کے لئے مخصوص کردیا تلوار گھوڑا اور اسلحہ مردوں کے لئے مخصوص تھا قرآن نے اس ہدایت کو بتایا کہ متوفی کی ملکیت میں جو کچھ موجود ہے سب میں وراثت کا حق ہے۔ ﴿ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ حصہ مقرر ہے اس میں وضاحت ہے کہ مختلف وارثوں کے جو مختلف حصے قرآنِ کریم نے بتائے ہیں یہ حصے اللہ کی جانب سے طے شدہ ہیں اس میں کمی وبیشی اور تغیر وتبدل کا کسی کو کوئی استحقاق نہیں۔ ﴿ فَارْزُقُوْهُمْ ﴾ پس انہیں بھی دو اس میں سے۔ ﴿ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ ان سے بھلے انداز میں گفتگو / بات کرو۔ ﴿ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ﴾ وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۶ تا ۱۰

آیت ۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ یتیموں کی آزمائش کرتے رہو، جب وہ سنِ بلوغت کی حد کے قریب قریب پہنچ رہے ہوں تو اس بات کا احساس کرنا چاہیئے کہ اُن کے شعور اور عقلی نشوونما کی کیا کیفیّت ہے اِن میں اپنے معاملات کی خود اپنی ذمّہ داری کے ساتھ سرانجام دینے کی کس حد تک صلاحیّت اور اہلیت ہے اور اُن میں ایک گونہ تمیز، دیکھو تو اُن کے اَموال ان کو دے دو، مال سرمایۂ حیات ہے اور اس کی حفاظت ایک ضروری اَمر ہے اَموال کی نگرانی کے بارے میں ایک عام کوتاہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اکثر لوگ، طبعی محبت رفطرت سے مامُور ہو کر نابالغ اور ناواقف عورتوں کو اپنے اَموال سپرد کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت جلد اَفلاس اور تنگدستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے مُفسّرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں کہ قرآن الحکیم کی اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اپنا پورا مال ومتاع کم عقل بچوں اور عورتوں کو دے کر خود اُن کے دستِ نگر اور محتاج نہ ہو جاؤ تم کو نگراں کار اور منتظم بنایا گیا ہے حسنِ تدبیر کے مال کو اپنی حفاظت میں رکھ کر حسبِ ضرورت اُن کے کھلانے اور پہنانے اور تربیت میں خرچ کرتے رہیں تاکہ کوئی بات اُن کو گراں بھی نہ گذرے اور دل آزاری بھی نہ ہونے پائے یہی بات اور تفسیر، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بھی بیان کی ہے اور حافظ امام طبریؒ بھی اس قول سے مُتفق ہیں۔

اہلِ عرب میں میراث کی تقسیم کے دَستور کا کُلیہ تو یہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے مرنے والے مرحوم باپ اور شوہر کی وراثت سے یکسر محروم کر دیئے جاتے تھے اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ جو میدان کارزار میں دادِ شجاعت پانے کے قابل نہ ہوتا وہ میراث کا بھی حق دار نہ تھا وارثت کا حق دار صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو کر اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے اس کا مالِ غنیمت اکٹھا کرے۔ (بحوالہ روح المعانی جلد چہارم)

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں انقلاب آفرین اور فکر انگیز بیان یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے ماں باپ اور اُقارب کے مال میں حصّہ دار ہوں گے انہیں اب وراثت سے یکسر محروم نہیں کیا جاسکتا تاہم یہ بات اور ہے کہ لڑکی کا حصّہ لڑکے کے حصّہ سے آدھا ہے۔

آیت ۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں، بچے، بیٹے، بیٹیاں اور ماں باپ اقارب کے مال میں شریکِ حصّہ ہوں گے انہیں قطعی طور پر محروم نہیں کیا جاسکتا، اچھی طرح جان لیجئے کہ اسلام کا قانونِ میراث، مساوات، انصاف اور عدل کے تقاضوں پر مُبنی ہے یہ قرآن کی ایمان آفرین اور انقلابِ آفرین آیۂ مبارکہ ہے جس نے عورتوں کو مردوں کی طرح وارث قرار دیا۔ ورنہ تو دنیا میں قانونِ وراثت کا کوئی جامع اور مربوط نظامِ مساوات عدل موجود ہی نہ تھا ستم ظریفی تو بھارت میں ہے کہ عورت وارث تصور ہی نہیں کی جاتی تھی تہذیب کے علمبردار ہونے کا دعوٰی کرنے والے ملک یورپ میں صرف بڑا لڑکا وارث قرار دیا جاتا ہے اور دیگر لڑکے وراثت سے محروم رہتے ہیں، تاہم یہ بات یاد رہے کہ لڑکی کا حصّہ لڑکے کے حصّے سے نصف ہے۔ اِس گفتگو کا خلاصہ یہ کہ اس آیت مبارکہ میں پانچ (۵) قانونی احکامات بتائے گئے ہیں۔

- اوّل...... یہ کہ میراث صرف مردوں کا ہی حصّہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کا استحقاق رکھتی ہے۔
- دوئم...... یہ کہ میراث بہرِ نوع آپس میں تقسیم کی جائے خواہ کتنی ہی کم ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک وارث دوسرے وارث سے اُن کا حصّہ خرید سکتا ہے۔

سوئم ...... یہ کہ وراثت کا قانون ہر نوع کے مال پر لاگو ہوگا خواہ اس کی نوعیت مَنقولہ ہو یا غیر مَنقولہ، زرعی ہو یا صنعتی۔

چہارم ...... میراث کا حق اُس وقت حاصل ہوگا جب مورث کوئی مال چھوڑ کر وفات پا گیا ہو۔

پنجم ...... یہ کُلیّہ بھی ذہن میں رہے کہ قریب تر اقارب کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا، یہ سمجھ جائیے کہ جو میّت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہوگا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق سمجھا جائے گا۔

آیت ۸ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ میراث کی تقسیم کے وقت خاندان اور برادری کے لوگوں کے ساتھ یتیم محتاج اور مسکین بھی آ جاتے ہیں جن کا کوئی حصّہ شرعی ضابطہ کے مطابق اس میراث میں نہیں ہے از روئے شرع ان کا حصّہ نہ سہی مصلحتِ وقت اور وسعتِ قلب کے مظاہرے کی خاطر ترکہ میں کچھ نہ کچھ اُن کو بھی دے دیں اور ایسے محتاجوں کو جھڑکو مت! اور اُن کو حقیر نہ جانو، اُن کی عزّت و تکریم کا خیال رکھو، اُن سے تُرش لب ولہجہ میں گفتگو نہ کرو جس سے اُن کی دل شکنی ہو۔

میراث پانے والوں کی اَخلاقی ذمّہ داری ہے کہ اس ترکہ کے مال میں سے کچھ حصّہ محتاج اور مسکین کو بھی دے دیں یہ عمل اُن کے لئے مُوجبِ ثواب ہے ایسی صورتِ حال میں جب ایک مال، بغیر کسی محنت، مشقت کے حاصل ہو رہا ہے تو صدقہ خیرات فی سبیل اللہ کا جذبہ دل میں موجزن ہونا چاہئے اور بطورِ شکرانہ دوسروں کو کچھ عطا کی جائے سورۂ اَنعام آیت ۱۴۱ پارہ ۸ وَلَوْ اَنَّنَا میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

كُلُوْامِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآاَثْمَرَوَاٰتُوْاحَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ

"کھاؤ اس کا پھل جب پھل آئے اور اس کا حق دو جس دن کٹے"

بتایا جا رہا ہے جب کھیتی سے غلّہ کاٹ کر صاف کر لو، اور پھل درختوں سے توڑ لو تو اس کا حق ادا کرو گویا اس کا حق نکال کر فقراء اور مساکین کو دے دو۔ اسی آیت میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ جو دُور کے رشتہ دار، مساکین اور یتیم، میراث میں حصّہ سے محروم ہو رہے ہوں اگر وہ تقسیم میراث کے وقت حاضر ہو جائیں تو میراث میں حصّہ لینے والوں کا اَخلاقی فَریضہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ حصّہ اُن کو بھی دے دیں ان کا یہ عمل مُوجب ثواب ہے اور یہ ایک نوعیّت کے صدقہ میں شمار ہے اس لمحہ کو غنیمت سمجھ کر کہ صرف ایک مال کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا اور دُور کے عزیز و اَقارب کی دِل آزاری اور حسرت و مایوسی کا بھی ازالہ ہو جائے گا اور ان سے گفتگو بھی نرم لب ولہجہ میں پیار محبت کے اندازِ تکلّم میں کرو تا کہ بات بھلی لگے۔

آیت ۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ جذبہ موجزن ہونا چاہئے اور اس بات کا احساس کرتے ہوئے خود، خوفزدہ ہونا چاہئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے، بے بس اور ناتواں اولاد چھوڑتے تو موت کے وقت انہیں اپنے بچّوں کے حق کے بارے میں کیا کیا خطرے اور اَندیشے رونما ہوتے، میّت کے پیچھے، اُن کی اولاد بے سہارا ہو جاتی ہے اس لئے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اس احساس کے ساتھ فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ میت کی اولاد کے حقوق میں اور ورثہ دلانے میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے ہمیں چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ سلوک اور معاملہ کریں جو ہم خود اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہیں یتیموں سے سیدھی اور بھلی بات کہو جس سے نہ تو ان کا دل ٹوٹے گا اور نہ کوئی تکلیف اور نقصان، بلکہ ہر لحاظ سے ان کی اصلاح ہوتی رہنی چاہئے۔

"فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ" پس جو ولی رسرپرست محتاج ہو تو واجبی طور پر اُس کو اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر ولی صاحبِ ثروت اور صاحبِ حیثیت ہو تو یتیم کے مال سے اس کی کوئی اُجرت طلب نہ کرے، مگر گواہوں کی موجودگی میں یتیم کا مال جب اُسے دیا جائے تو حساب وکتاب سے بطریق آحسن سمجھا دیا جائے۔ گویا مال سپُرد حوالے کرتے وقت گواہ بنانا چاہئے تا کہ کسی نزاع

جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ ''وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا'' اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے کے لئے۔' گویا عوام وخواص کی توجہ اور مرکوز کی گئی ہے جیسے ربِّ جلیل کے محاسبہ کا احساس ہو وہی ناجائز مال سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ بہت ذمّہ داری کے کام ہیں، رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابوذر میں تمہیں ضعیف رکمزور دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دونوں آدمیوں میں امیر نہ بننا، نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سرپرست''۔ (بحوالہ صحیح مسلم شریف کتاب الامارہ)

اسی آیت میں کس قدر دلنشیں، مؤثر اور اندازِ نصیحت کے ساتھ اظہارِ بیان ہے کہ لوگوں کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے بے بس اور کمزور اولاد چھوڑ کر وفات پا جاتے ہیں تو انہیں اپنی اولاد کے بارے میں کتنے اندیشے لاحق ہوتے ہیں۔ میّت کے پیچھے اس کی اولاد بے سہارا ہو جاتی ہے لہٰذا لوگوں کو لازمی طور پر اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، کہ مرنے والے کی جگہ ہم ہوتے اور اپنی بے بس اولاد کے بارے میں ہمیں کتنی اور کیسی کیسی فکر ہوتی اس احساس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میّت کی اولاد کے حقوق اور ترکہ از روئے شرعیہ دلانے میں ایمان والوں کی طرح کوشش کرنی چاہئے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے میراث تقسیم کریں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اپنا تمام کا تمام مال یا نصف مال صدقہ کرنے سے روک دیا اور صرف ایک تہائی مال کو صدقہ کرنے کی اجازت دے دی (بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الوصایا) کیونکہ تمام تر مال یا نصف مال صدقہ کر دیا جاتا تو وارثوں کا حصّہ ختم ہو جاتا یا اس کی کمی واقع ہو جاتی۔

آیت ۱۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ یتیم کا مال ظلمًا کھانا اپنے پیٹ میں انگارے بھرنا ہے اس آیت مبارکہ میں یتیم کے مال ومتاع کو دوزخ کی آگ قرار دیا ہے، اچھی طرح سمجھ جایئے مالِ یتیم جو شخص بھی ناروا طور پر کھائے گا وہ یقینی طور پر اپنے پیٹ میں آتشِ جہنّم بھر رہا ہے اور عنقریب اسے بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے گا بعض روایات میں مذکور ہے یتیم کا مال ناحق کھانے والا یومِ قیامت اس حالت میں اُٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر آگ کے شُعلے اور اس کی لپیٹیں، اس کے منہ، کان، ناک، آنکھوں سے نکل رہے ہوں گے، حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے ''ایک قوم یومِ قیامت اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اُن کے منہ آگ کے شُعلے بھڑک رہے ہوں گے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے حبیب (ﷺ) یہ کون لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے قرآنِ مجید میں نہیں پڑھا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا۔ (بحوالہ ابنِ کثیر جلد اوّل)

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ جو شخص ناجائز طور پر یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے شکم میں آتشِ دوزخ بھر رہا ہے، آیۂ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ یتیموں کا مال ناحق کھانا گویا آگ کھانا ہے کیونکہ وہ سبب ہے عذابِ باری تعالیٰ کا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ یتیم کا مال ومتاع ناحق کھانے والا قیامت کے دن اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کے شعلے اس کے چہرہ، ناک، کانوں اور آنکھوں سے نکل رہے ہوں گے۔ العیاذ باللہ

خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص بھی ناروا انداز میں مالِ یتیم کھائے گا وہ یقینی طور پر اپنے شکم میں آگ بھر رہا ہے اور عنقریب اسے بھڑکتی ہوئی آگ رآتشِ جہنّم میں ڈالا جائے گا۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ
فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ
وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ
فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ
اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

تمہاری اولاد کے بارے میں (میراث کے لئے) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے، ایک لڑکا کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، پس اگر لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زائد ہوں تو ترکہ میں اُن کو دو تہائی ملے گا جو میّت نے چھوڑا، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف/آدھا ہے، اگر میّت کے ماں باپ ہیں تو اس میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصّہ ملے گا، بشرطیکہ میّت کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ/والدین ہی ہوں تو اُس کی ماں کا تیسرا حصّہ باقی سب باپ کا، اگر میّت (مرنے والے کے) کئی بہن بھائی ہوں تو اُس کی ماں کو چھٹا حصّہ ملے گا میّت کی وصیّت پوری کر دینے کے بعد، اگر میّت (مرنے والے کے) ذمّے جو قرض ہو اُس کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے مال میں یہ حصّے نکالے جائیں، تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون نفع پہنچائے تم کو زیادہ/نفع پہنچانے میں سب سے قریب تر کون ہے، یہ سب حصّے تو اللہ تعالیٰ نے مقرّر کر دیئے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب علم اور حکمت کا جاننے والا ہے۔ (۱۱)

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ
وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ
يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ
فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ
غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اور تمہاری بیویاں جو مال چھوڑ جائیں، اور انہیں اولاد نہ ہو تو اُن کے مال میں تمہارا آدھا/نصف حصّہ ہے اور اگر اُن کی اولاد ہو تو اُن کے چھوڑے ہوئے مال میں تمہارے لئے چوتھائی حصّہ ہے اُن کی جو وصیّت ہو اُسے پورا کرنے کے بعد، اور اُن پر جو قرض ہو (واجب الادا ہے) ادا کرنے کے بعد اور تمہاری عورتوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہیں اولاد نہ ہو تو ایک چوتھائی ملے گا، اور اگر تم اولاد چھوڑ کر مرو/وفات پاؤ تو تمہاری بیویوں کو آٹھواں حصّہ ملے گا، اس وصیّت کے بعد جو تم کر گئے ہو، اور قرض کی ادائیگی کے بعد، اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد (کلالہ) ہو یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ ہے، اور اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک/شامل ہیں، اس وصیّت کے بعد جو کی جائے، اور قرض کے بعد جب کہ کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو، یہ نظامِ حکم وارثت ہے یہ مقرّر کیا ہوا ہے ربّ کی طرف سے، اور اللہ جلّ شانہٗ بھی خوب جاننے والا اور بڑا اُبردبار ہے۔ (۱۲)

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرّر کردہ ہیں جو شخص اللہ جلِ شانہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری بجالائے گا اللہ تعالیٰ اُسے جنّت کے باغوں میں داخل کرے گا، جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی عظیم/زبردست کامیابی ہے۔ (۱۳) اور جو شخص رَبِّ جلیل اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا اور اللہ جلِ شانہٗ کے مقرّرہ حدوں سے تجاوز کرے گا اُسے آتشِ جہنّم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رُسوا کن/ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۴)

الفاظ معانی آیت ۱۱/تا۱۴

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے/ہدایت کرتا ہے۔ ﴿حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ حصّہ دولڑکیوں/عورتوں کا۔ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ ان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسا ضابطہ/کُلیہ جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو باہم میراث کی تقسیم میں حق دار بنادیا، اور ہر ایک کا الگ الگ حصّہ بھی متعیّن کردیا اس سے اس اُصول کا علم ہوا کہ جب میّت (مرنے والے کی) اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو اُن کے مال کا حصّہ اس طرح تقسیم ہوگا، ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں دُوگنا مل جائے، مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کسی نے ایک لڑکا دولڑکیاں چھوڑ کر وفات پائی ہے تو مال کے چار حصّے کرکے ۲/۴ لڑکے کو اور ۱/۴ لڑکی کو دیا جائے گا، قرآنِ حمید نے لڑکیوں کو حصّہ دلانے کا اس قدر اہتمام اور اِنْصِرام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصّہ کو اصل قرار دے کر لڑکیوں کا حصّہ مقدر کردیا۔ ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' ایک مرد (لڑکے) کا حصّہ برابر ہے، دوعورتوں (لڑکیوں) کے حصّہ کے، گویا اولاد کے وارث ہونے کی چار اشکال ہیں۔

اوّل)......لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی، ایسی صورتِ حال میں لڑکے کو دو حصّے اور لڑکی کو ایک حصّہ ملے گا۔

دوئم)......صرف ایک لڑکی ہو تو ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر لڑکی آدھی/نصف جائیداد کی وارث ہوگی۔

سوئم)......صرف دولڑکیاں ہوں، تب بھی انہیں دو تہائی حصّہ ہی دیا جائے گا

چہارم)......یا دو سے زائد لڑکیاں اور لڑکا کوئی نہ ہو ان دونوں صورت حال کے پیشِ نظر لڑکیوں کو جائیداد کا دو تہائی حصّہ ملے گا جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے۔ ''فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ'' اس کے معانی ہوئے اگر اولادِ نرینہ نہ ہوں اور صرف لڑکیاں ہوں اور ایک سے زائد ہوں تو اُن کو مالِ وراثت سے دو تہائی مال ملے گا جب تمام تر لڑکیاں مساوی/برابر کی شریک ہوں گی اور ایک تہائی دوسرے ورثاء کو مثلاً میّت (مرنے والے) کے والدین، اہلیہ/زوجہ یا خاوند وغیرہ میراث کے حق داروں کو ملے گا۔

دولڑکیاں اور دو سے زیادہ سب دو تہائی میں شریک ہوں گی۔ ﴿وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ اور اگر مرنے والے نے اپنی اولاد میں صرف ایک لڑکی چھوڑی اور اس کی کوئی اولادِ نرینہ نہ ہو تو اُس کو اُس کے باپ یا ماں کے چھوڑے ہوئے مالِ موروث کا نصف (آدھا) حصّہ ملے گا اور باقی دوسرے ورثاء کا حق ہوگا۔

﴿ وَلِاَبَوَیْهِ ﴾ اور اس کے ماں باپ سے۔ ﴿ لِكُلِّ وَاحِدٍ ﴾ ہر ایک کا۔ ﴿ مِّنْهُمَا ﴾ ان دونوں میں سے۔ ﴿ السُّدُسُ ﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿ مِمَّا تَرَكَ ﴾ جو اس میں سے ترکہ چھوڑا۔

والدین کے وارث بننے کی تین اشکال ہیں۔

اوّل)...... ماں باپ بھی موجود ہوں اور اولاد بھی ہو، خواہ لڑکا یا لڑکی، ایک یا ایک سے زیادہ اسی صورت میں السُّدُسُ چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، اور باقی ۶/۴ اولاد کو حسبِ کلّیہ/قاعدہ منقسم ہوگا۔

دوئم)...... صرف ماں باپ/والدین وارث ہوں میّت (مرنے والے) کی اولاد بھی نہ ہو، اور بھائی بہن بھی نہ ہوں تو اس صورتِ حال کے پیشِ نظر ماں کا ۳/۱ حصہ اور بقیہ دو تہائی حصہ باپ کا، اس صورت حال کا حکم ہے جب کہ مرنے والے کے ورثاء میں اس کا خاوند یا اس کی زوجہ/اہلیہ بھی موجود نہ ہوا گر خاوند اور زوجہ موجود ہے تو سب سے پہلے ان کا حصہ الگ/مختص کیا جائے گا، اور باقی ۳/۱ ماں اور ۳/۲ باپ کو ملے گا۔

سوئم)...... میّت (مرنے والے) کی اولاد تو نہ ہو لیکن بہن بھائی ہوں جن کی تعداد دو ہو، خواہ دو بھائی ہوں، خواہ دو بہنیں، یا دو سے زائد ایسی صورت حال کے پیشِ نظر ماں کو سُــدُسِ چھٹا حصّہ ملے گا اور اگر کوئی وارث نہیں، تو باقی مائدہ ۶/۵ حصہ باپ کو مل جائے گا، بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی سے ماں کا حصہ کم ہو گیا لیکن بہن بھائی کو بھی کچھ نہیں ملے گا کیونکہ باپ/والد، بہن بھائی کی نسبت اَقْرَبَ ہے۔ جو بچے کا باپ کو مل جائے گا ایسی صورت میں ماں کا حصہ ۳/۱ کے بجائے ۶/۱ ہو گیا ''فرائض'' کی اصطلاح میں اس کو ''حجب'' خسارہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ بہن بھائی کی وجہ سے ماں باپ کے حصے میں تخفیف/کمی ہو رہی ہے خواہ حقیقی ہوں، خواہ باپ شریک ہوں، خواہ ماں شریک ہوں، ہر دو صورتوں میں اُن کے وجود سے مال کا حصہ گھٹ/کم جائے گا بشرطیکہ ایک سے زیادہ ہوں۔

﴿ الثُّلُثُ ﴾ تہائی حصہ ہوگا۔ ﴿ اِخْوَةٌ ﴾ بھائی۔ ﴿ یُّوْصِیْ ﴾ وہ وصیّت کرے۔ ﴿ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ ماں باپ تمہارے۔ ﴿ اَبْنَآؤُكُمْ ﴾ بیٹے تمہارے۔ ﴿ لَا تَدْرُوْنَ ﴾ تمہیں معلوم نہیں۔ ﴿ یُّوْصِیْ ﴾ اس نے وصیّت کی/ اِیْـصَـاءٌ مصدر واحد مذکر غائب ﴿ الثُّمُنُ ﴾ آٹھواں حصہ اسم ہے۔ ﴿ اَزْوَاجُكُمْ ﴾ بیویاں تمہاری۔ ﴿ الرُّبُعُ ﴾ چوتھا حصہ اسم ہے ﴿ یُّوْصِیْنَ ﴾ انہوں نے وصیّت کی قواعد کے مطابق فعل۔ ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ﴾ تمہارے لئے نصف ہے جو چھوڑ جائیں۔ تمہاری عورتیں/بیویاں اگر نہ ہوں اُن کے اولاد۔

یہاں پر ان الفاظ و معانی کے مفہوم کے مطابق خاوند اور بیوی کے حصّوں کا تعیّن بتایا جا رہا ہے گویا بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی دو اشکال ہیں۔

اوّل)...... اگر متوفیہ زوجہ کی کوئی اولاد نہ ہو، نہ لڑکا نہ لڑکی، نہ تم سے ہو یا کسی دوسرے سابق خاوند سے، تو ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر آدھا حصہ خاوند کو ملے گا اور باقی ماندہ نصف دیگر وارث میں حسبِ ضابطہ اصول شرعیہ تقسیم ہوگا۔

دوئم)...... دوسری صورت میں اس کی کوئی اولاد ہو تو ایسی صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چوتھائی حصہ خاوند کو ملے گا اور بقیہ حصہ دیگر وارثوں کو دیا جائے گا۔

خاوند کی وراثت کی تقسیم کی دو اشکال ہیں۔

(اوّل)...... خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو، لڑکا نہ لڑکی، نہ حالیہ/موجودہ بیوی سے، کسی دوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ۔

(دوئم)...... اگر خاوند کی اولاد ہو تو زوجہ/بیوی کو آٹھواں حصّہ ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ، بقیہ اور دوسرے وارثوں میں مُنقسم ہوجائے گا۔

﴿ یُوْرَثُ ﴾ جس کی میراث ہو، اِیْرَثٌ مصدر ہے، وہ شخص جس کی میراث تبدیل/منتقل ہوتی جارہی ہو، مضارع واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿ تُوْصُوْنَ ﴾ تم وصیّت کرتے ہو، اِیْصَاءٌ سے فعل مضارع کا صِیغہ قواعد کے مطابق۔ ﴿ کَلٰلَۃً ﴾ سے مراد وہ میت جس کا باپ ہو نہ بیٹا، یہ کلیل سے مشتق ہے اکلیل ایسی شے کو کہا جاتا ہے جو کہ سر کو اس کے اطراف یعنی کناروں سے گھیرلے کلالہ کو کلالہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُصول وفُروع کے لحاظ سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف اور دیگر جانب سے وارث قرار پائے (بحوالہ فتح القدیر و ابن کثیر)

کلالہ کی کئی تعریفیں بیان ہوئی ہیں علاّمہ قُرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جس مرنے والے کے اُصول اور فُروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں آتا ہے اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا جو صعف پر دلالت کرتا ہے باپ بیٹے والی قرابت کے، قرابت کو کلالہ کہا گیا ہے اس لئے وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کے مقابلے میں کمزور ہے پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ باپ، اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا، جو انتقال کرنے والے ولد کا ولد اور باپ کا ہو، لغت کے لحاظ سے اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ ''ذ'' مقدّر رہو اور کلالہ بمعنیٰ ذو کلالہ ہوگا گویا اس کا مفہوم یہ سمجھا جائے کہ ضعیف رشتہ دار، پھر اس مال مورث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا جو ایسے میّت نے چھوڑا ہو، جس کی کوئی ولد اور باپ نہ ہو، خلاصہ گفتگو یہ کہ اگر کوئی شخص/مرد، عورت یا مرد انتقال کرجائے اس کے نہ والد ہو نہ دادا، اور نہ اولاد ہو، اور اس نے بہن اور بھائی شریک مال چھوڑے ہوں تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو اس کا چھٹا حصّہ ملے گا اور نہیں ہے تو بہن کو چھٹا حصّہ مل جائے گا، اگر ایک سے زیادہ ہوں فرض کیجئے ایک بھائی ایک بہن ہو یا دو بھائی، یا دو بھائی، یا دو بہنیں ہوں، تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصّے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر کو مؤنث سے دوگنا/دوہرا نہیں ملے گا۔ (بحوالہ روح المعانی)

''وَمَن یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ/پیغمبر کی۔ ﴿ غَیْرَ مُضَآرٍّ ﴾ بغیر نقصان پہنچاتے ہوئے، اس کا مادہ ضَرٌّ ہے قواعد کے مطابق اسم فاعل واحد مذکر ہے اگرچہ قید ایسی جگہ بیان کی گئی ہے لیکن اس سے قبل دو مقامات پر وصیّت کی۔

﴿ وَصِیَّۃٍ ﴾ وصیت کی۔ اور ﴿ اَوْ دَیْنٍ ﴾ (یا قرض ادا کرنے کے بعد) کا ذکر ہے وہاں پر بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے وصیّت یا دَیْن/قرض کے ذریعہ وارثوں کو نقصان/خسارہ پہنچانا جائز نہیں۔ دَیْن یا ادائیگی قرض وصیّت کے ذریعہ نقصان پہنچانے کی کئی اشکال ہیں مثال کے طور پر ممکن ہے قرض کا جھوٹا اقرار کرلیا جائے، کسی دوست وغیرہ کو دلانے کے لئے یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کی ذاتی ملکیت ہے یہ بتائے کہ فلاں شخص کی امانت ہے تاکہ اس میں

میراث نہ چلے یا ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کرے یا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شخص پر قرض ہو اور وہ وصول نہ کیا گیا ہو لیکن دروغ رجھوٹ کہہ دے اس سے قرض وصول ہو گیا تا کہ وارثوں کو نہ مل سکے یا ایک صورت یہ بھی ممکن ہو سکتی ہے کہ ''قریب المرگ'' یا ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کر دے۔

وارثوں کو محروم رکھنے کا ارادہ رکھنا ہو تا اور اس ارادہ پر عمل کرنے کی ممانعت آئی ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔وارث کے حق میں وصیّت کرنا باطل طرزِ عمل ہے اگر کسی نے اپنے لڑکے، لڑکی، خاوند یا زوجہ کے لئے یا کسی ایسے فرد کے لئے وصیّت کی جس کا میراث میں حصّہ ملنے والا ہے تو اس وصیّت کا کوئی اعتبار نہیں، وارثوں کو صرف میراث کا حصّہ ملے گا اس سے زیادہ ان کا استحقاق نبی اکرم ﷺ نے ''حجۃ الوداع'' کے خطبے میں ارشاد فرمایا۔

''اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''

اللہ جلِ شانہٗ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیّت مُعتبر نہیں۔(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابوداؤد)

﴿ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ حصّے مقرّر کیئے گئے ہیں اور ادائیگی جو کرنی ہے قرض اور وصیّت کے بارے میں جو تاکید بتائی گئی ہے اُس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بُردبار ہے اللہ کی صفتِ حلم یعنی اس کی نرم خوئی کا ذکر کیا گیا ہے اگر فوراً گرفت بھی نہ کرے تو ایک دن سب کچھ اس کے سامنے آجائے گا یاد رہے کہ وارث کے لئے صرف نسب ہی کافی نہیں ہے بلکہ جو حدیث مبارکہ میں ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ'' ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا''۔(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ یہ حدیں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی مقرّر کردہ ہیں یہاں پر ربِّ جلیل کی صفتِ علم کا اظہار کئی وجوہات سے کیا گیا ہے اول یہ کہ اگر اس قانون کی خلاف ورزی کی جائے گی تو اللہ کی گرفت سے کوئی فرد نہیں بچ سکے گا۔دوئم یہ کہ جو حصّے اور جس طرح سے مُقرّر کردہ حصّے ہیں وہ بالکل درست ہیں کیونکہ بندوں کی رازِ مصلحت جن اُمور میں مُضمر ہے اللہ تعالیٰ اس کو خود بندوں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔(بحوالہ قاموس القرآن)

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی۔﴿ يَتَعَدَّ ﴾ نکل جائے گا، فعل مضارع۔
﴿ مُّهِيْنٌ ﴾ ذلیل و خوار کرنے والا، قواعد کے لحاظ سے اسم ہے، مھانۃ سے صفت مشبہ واحد مذکر۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۱ تا ۱۴

آیت ۱۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں باری تعالیٰ ہدایت کرتا ہے کہ ''مرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہے'' گویا میراث کے معاملے میں یہ اصولی ہدایت ہے کہ مرد کا حصّہ عورت سے دُوگنا ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زائد ہوں تو انہیں مال متروکہ دو تہائی ملے گا، اگر اولادِ نرینہ کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی گویا کُل مال کے تین حصّے الگ الگ کرے دو سے زائد لڑکیوں کو دیا جائے گا اور اگر صرف دو ہی بیٹیاں رلڑکیاں ہوں ایسی صورت حال میں بھی انہیں دو تہائی حصّہ کا حق دار قرار دیا جائے گا حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ سعد بن ربیع ﷺ نے غزوۂ اُحد میں جام شہادت نوش کیا اس کی دو صاحبزادیاں تھیں مگر

حضرت سعد ﷺ شہید کے تمام تر مال پر ان کے ایک بھائی قابض ہو گئے، حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا رعم سے دو ثلث رتیسرا مال دلوایا۔ (بحوالہ ترمذی شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ، کتاب الفرائض)

میت کے والدہ اور والد میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ، اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصّہ ہے ایک دوسری صورت اگر یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (اور والدین ہی اس کے وارث ہوں) تو یہ بات ذہن نشین رہے پوتا پوتی بھی اجمالاً طور پر اولاد میں شامل ہیں اس صورت شکل میں ماں کے لئے تیسرا حصّہ ہے ماں باپ کے سوا، کوئی اور وارث ہو تو ۳/۲ باپ کو ملے گا ورنہ ۳/۲ میں باپ اور دوسرے ورثاء شریک ہوں گے۔

اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مردوں کی زوجہ راہلیہ یا مرنے والی عورت کا خاوند بھی حیات ہے تو رائج قول کے مطابق زوجہ (بیوی) یا خاوند کا حصّہ نکال کر بقیہ مال میں سے ماں کے لئے ثلث (تیسرا حصّہ) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے گویا ماں کا تیسرا حصّہ اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔

ایک تیسری شکل یہ ہے کہ والدین کے ساتھ مرنے والے کے بہن بھائی بھی حیات ہیں مگر خواہ اس کا رشتہ سگّے (عینی) ہوں یعنی ایک ہی والدہ اور والد کی اولاد ہوں یا باپ روالد ایک ہو، مائیں مختلف ہوں یعنی جن کا شمار علاتی بھائی بہن میں ہو، یا والدہ ایک ہو اور والد مختلف ہو، گویا اخیافی بھائی بہن ہوں حالانکہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وارث کے مستحق نہیں ہوں گے۔

لیکن ماں کے لئے حجب (خسارے کا سبب) بن جائیں گے اس کا مطلب یہ سمجھئے کہ جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے تیسرے حصّے کو سُدُس" چھٹے حصّے میں تبدیل کر دیں گے بقیہ سارا مال ۶/۵ والد کے حصّے میں شمار کیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی اور وارث نہ ہو، حافظ ابنِ کثیر رقمطراز ہیں "جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی حکم وہی ہے جو دو سے زائد بھائیوں کا مذکور ہوا" اس سے اس بات کی وضاحت ہوئی کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو ایسی صورت حال میں ماں کا تہائی حصّہ برقرار رہے گا وہ چھٹے حصّے میں تبدیل نہیں ہوگا۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

آیت نمبر ۱۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا، اس کا نصف حصّہ تمہیں ملے گا اور اگر وہ لا ولد ربے اولاد ہوں تو ایسی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصّہ تمہارا یہاں پر خاوند اور بیوی کے حصّوں کی تقسیم کا تعین ہے اور پہلے شوہر رخاوند کا حصّہ بتایا

اس آیتِ مبارکہ میں قانونِ وراثت کا بیان ہے اس کو یوں سمجھئے کہ قانونِ وراثت میں عورت کے مال میں شوہر کو آدھا، گرچہ عورت کو اولاد نہیں ہے لیکن اگر انتقال کر جانے والی عورت صاحبِ اولاد ہو یا اس مرد سے قبل کسی سے نکاح کیا تھا اس سے اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی حصّہ ملے گا، اس طرح شوہر کے مال میں بیوی کو چوتھائی حصّہ ملے گا، اگر مرد کو اولاد نہ ہو اور اگر شوہر کی اولاد ہے تو پھر بیوی کو آٹھواں ۸/۱ حصّہ ملے گا اور ہر قسم کا مال زر نقد، سامانِ تجارت، زیور، مکان، اور باغات وغیرہ شامل ہیں یہ سب کچھ سامانِ وراثت میں شامل ہے۔

یاد رکھئے کہ کلالہ اس میّت کو کہتے ہیں جس کے اولاد نہ ہو، اور والدین بھی حیات نہ ہوں، صرف بھائی بہن ہوں اگر سگے نہ ہوں تو اُن کی جگہ سوتیلے بھائی بہن بھی وراثت میں حق دار ہوں گے، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ میراث میں ہر شخص کے رشتے ناتے کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ معاملہ جاری وساری ہوتا ہے، بہتر اور احسن عمل تو یہ ہے کہ تفصیل علماء کرام سے دریافت کر لی جائے تا کہ کسی

نادانی کے سبب تقسیم وراثت میں گناہ کا امکان قطعی نہ رہے، بتایا جا چکا ہے کہ وصیت ۱/۳ سے زیادہ مال پر معتبر اور مستند نہیں، جس کو شرعی حصہ ملنا ہے انہیں زیادہ دلوانے کی وصیت بھی غیر مناسب طرزِ عمل ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ میراث کے احکامات کے ساتھ ساتھ تیسری مرتبہ کہا جارہا ہے کہ وراثت کی تقسیم، وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے، اس بات سے اندازہ تو کیجئے ان دونوں اُمور پر عمل کس قدر ضروری ہے یہ بات بھی اتفاق رائے سے طے شدہ ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت میں عمل بعد میں کیا جائے گا ان تینوں مقامات پر وصیت کا ذکر قرض ''دَیْن'' سے پہلے کیا گیا عام طور پر وصیت پر عمل کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر تغافل برتتے ہیں اس لئے وصیت کا ذکر پہلے کر کے اس کی افادیت اور اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ (بحوالہ روح المعانی)

یہ بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اگر بیوی کا ''حق مہر'' نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی دین رقرض میں شمار کیا جائے گا اور اس کا ادا کرنا بھی وراثت کی تقسیم سے قبل ضروری ہے ذرا اس بات پر بھی توجہ مذکور رہے کہ عورت کا حصہ شرعی، اس مہر کے علاوہ ہوگا۔

آیت ۱۳ میں واضح طور پر بتایا جارہا ہے کہ یہ باری تعالیٰ کے احکامات ہیں اور اُس کی مقرّر کردہ حدود ہیں اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت ہی جنّت الفردوس کی ضمانت ہے جس کی نعمتوں اور رحمتوں میں کوئی کمی نہیں، اور جس میں داخل کردینے کے بعد وہاں کسی کو بے دخل نہیں کیا جائے گا، حدود اللہ کی اہمیت کا اظہار اس انداز میں کیا جارہا ہے کہ یہ تقسیم وراثت، میراث اور مختلف رشتوں کے حصے حق تعالیٰ کے مقرّر کردہ ہیں ان پر عمل ہی نجات کا راستہ ہے جو ایک عظیم کامیابی ہے۔

آیت ۱۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی وہ نہ صرف عذاب میں مبتلا ہوں گے بلکہ ہمیشہ کی آگ اُن کا مقدّر ہے ذلّت اور رُسوائی کا عذاب اور دُو عالم کی رسوائی اُن کے نصیب میں لکھ دی گئی۔

اس آیتِ مبارکہ کے مطالعہ سے اگر ربِّ جلیل نے آپ کو شعور و آگہی عطا کی ہے تو لرزہ براندام ہو جائیے کہ اس میں اُن لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رُسوا کُن سزا اور ''عَذَابٌ مُّهِيْنٌ'' ذلّت والا عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو قانونِ وراثت کو تبدیل کریں یا اللہ تعالیٰ کی مقرّر کردہ حدود کو پامال کریں، مقامِ افسوس ہے کہ اس قدر سخت ترین عذاب کی خبر کے بعد مسلمان یہودیوں کے طرزِ عمل کو اپنانے کی جسارت کر رہے ہیں۔ رَبّ کے قانون کو بدلا اور اس کی حدود کو توڑا، میں یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

ع اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

ذرا سمجھنے کی کوشش تو کیجئے اس قانونِ وراثت کے ساتھ جو نافرمانیاں سرزد ہوئیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کُھلی بغاوت کی حد تک پہنچتی ہیں، غور تو فرمائیے! کہیں عورتوں کو میراث سے مستقل طور پر محروم کیا جاتا ہے، تو کہیں صرف بیٹے کو میراث کا حق دار کیا جاتا ہے کہیں تو یہ ہورہا ہے کہ تقسیم میراث کے طریقے کو ترک کر کے ''مشترک خاندان'' جائیداد کا طریقہ اپنایا جارہا ہے، کہیں مردوں اور عورتوں کا حصہ مساوی کر دیا گیا، اب بھی ان قدیم رَسم و رواج اور بغاوتوں کے ساتھ تازہ ترین بغاوت کی صورت حال تو یہ ہے کہ بعض ریاستیں، اہلِ مغرب کی تقلید میں ''دفعاتِ محاصل'' دفعات ٹیکس (Section Of Taxes) کو مروّج کرنے میں کوشاں ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی مُقرّر کردہ حُدود کو توڑے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرے، وہ آتشِ جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس میں ہمیشہ ہی رہنا ہے اور وہاں رُسوا کُن عذاب ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری / بے حیائی کی مُرتکب ہوں، اُن پر اپنوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، اگر وہ گواہی / شہادت دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں مقید رکھو، یہاں تک کہ انہیں آجائے موت یا موت اُن کا کام تمام کر دے، یا پھر اللہ تعالیٰ اُن کی نجات کی کوئی سبیل / راستہ نکال دے۔ (۱۵)

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

تم میں سے جو مرد، عورت، بدکاری کا ارتکاب کریں تو خوب اُنہیں ایذا دو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو، بلاشبہ اللہ جلِ شانہٗ توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ (۱۶)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىِٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾

درحقیقت / دراصل اللہ جلِ شانہٗ تو ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو کر بیٹھتے ہیں گناہ نادانی / بے سمجھی سے، اور جہالت کے سبب، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، پس ایسوں پر اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ عنایت / رحمت سے مُتوجہ ہو جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ بھی اُن کی توبہ مبرُور / قبول کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (۱۷)

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

اور ایسوں کی توبہ نہیں / اُن کی توبہ ہرگز توبہ قبول نہیں، جو بُرائیاں کرتے چلے جائیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں، اُن کی بھی توبہ مبرُور / قبول نہیں جو کُفر کی حالت میں مرجاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۸)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾

اے وہ لوگو! وہ ایمان لائے ہو اب تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ انہیں روک کے رکھو، اور اپنا مال واپس لینے کے لئے ان کو تنگ بھی مت کرو، البتہ کسی عورت نے بدچلنی / کھلی بدکاری کا ارتکاب کیا ہے (تو اور بات ہے) ان عورتوں کے ساتھ بھلے طریقہ / رہن سہن / بود و باش رکھو، اگر وہ تم کو اچھی / بھلی نہ لگیں تب بھی ممکن ہے تم کسی چیز کو بُرا جانو / ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائی اور بہتری رکھی ہو / تمہارے لئے خیر کثیر ہو۔ (۱۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۵ تا ۱۹

﴿ اَلْفَاحِشَةَ ﴾ بدکاری۔ ﴿ عَلَیْهِنَّ ﴾ اُن پر۔ ﴿ اَرْبَعَةً ﴾ چار، عربی زبان میں ایک سے دس تک کی گنتی میں یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ عدد مذکر تو مَعْدُوْد شمار کیا ہوا (گنا ہوا) مؤنث (عَدّ، اسم مفعول واحد مذکر) اور عدد مؤنث ہوگا

تو معدود مذکر، یہاں اربعۃ کا استعمال چار (۴) کا عدد مؤنث ہے اس لئے اس کا معدود جس کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے یقینی طور پر مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال (مرد) یعنی (اربعۃ رجال چار مرد) مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ اس طرح یہ بات معلوم ہوئی اثبات زنا کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا لازمی ہے جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر ہے اور اس کے اثبات کے لئے گواہوں کی شرط لگادی گئی ہے یعنی چار مرد، چشم دید گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں سمجھا جائے گا گواہ ایسے جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں، اس سلسلے میں عورتوں کی گواہی مُعتبر اور مُستند نہیں۔ (بحوالہ معارف القرآن)

﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ ﴾ تو بند رکھوان کو۔ ﴿ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴾ ان کے لئے کوئی اور راستہ، یہاں اس راستے سَبِیل سے مراد وہ سزا ہے جس کا بعد میں تعین کیا گیا یعنی شادی شدہ زنا کار مرد عورت کے لئے رجم ہے اور غیر شادی شدہ بدکار مرد، عورت کے لئے سو سو کوڑے ہیں جس کا ذکر سورۂ نور پارہ ۱۸ اور احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس ''سبیل'' کی تفسیر کے بارے میں بیان کرتے ہیں ''یَعْنِیُ اَلرَّجْمَ لِلثَّیِّبِ وَالْجَلْدَ لِلْبِكْرِ'' شادی شدہ کے حق میں زنا کی حد اُس کو سنگسار کر دینا ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے اس کو کوڑے لگانا۔'' (بحوالہ بخاری شریف کتاب التفسیر)

''سبیل'' کا بیان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وضاحت کے ساتھ ثابت ہے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہر ایک کے لئے جُدا جُدا حکم بیان کیا گیا حضرت محمد ﷺ نے قبیلہ اَزد کی ایک عورت اور حضرت معاذ بن مالک رضی اللہ عنہ پر زنا کی حد جاری فرمائی، اور یہ دونوں شادی شُدہ تھے اس لئے ان کو سنگسار کر دیا گیا، اس کے علاوہ ایک یہودی کو بھی زنا کے سبب رجم کیا گیا اور اس کے حق میں یہ فیصلہ توراۃ کے حکم کے مطابق صادر ہوا۔ غیر شادی شُدہ کا حکم قرآن مجید کی سورۂ نور آیت نمبر ۲ پارہ نمبر ۱۸ قَدْ اَفْلَحَ میں آیا ہے

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

''زنا کار مرد عورت میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے لگاؤ''

﴿ فَاٰذُوْهُمَا ﴾ پس ان دونوں کو ایذا / اَذیت دو، اُوذُوْ، اِیــــذَاءٌ سے فعل امر کا صیغہ ﴿ اَلَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا ﴾ جو دو مرد تم سے بدکاری کریں، بعض مُفسّرین نے اس سے مُراد ''غلام بازی'' لی ہے یعنی عملِ لواطت دو مردوں کا باہم، آپس میں ارتکاب بدفعلی کرنا اور بعض مُفسّرین اِس سے باکرہ عورت مرد مراد لئے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے، وہ باکرہ (کنواری، کم عمری) ہوں یا شادی شُدہ علاّمہ ابنِ جریر طبری نے دوسرے مفہوم یعنی باکرہ مرد عورت کو ترجیح دی ہے۔ (بحوالہ تفسیر طبری)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تفسیرِ مظہری میں رقمطراز ہیں

وہ میرے نزدیک اَلَّذَانِ يَاْتِيَانِهَا کا مصداق وہ لوگ ہیں جو غیر فطری طریقہ پر قضائے شہوت کرتے ہیں''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (الحدیث بحوالہ الترغیب الترہیب)

مَلعون ہے وہ شخص جو لوط کی قوم والا عمل کرتا ہے

حدیثِ مبارکہ میں قومِ لوط کے عمل کا ذکر آیا ہے حضرت لُوط جس قوم کی طرف مَبعوث ہوئے تھے وہ قوم کُفر و شرک میں تو مبتلا تھی

ہی،اس کے علاوہ اس قبیح اور غیر فطری فعل کی بھی مرتکب تھی اور جب حضرت لوط کی دعوتِ حق اور تبلیغ کا اُن پر اثر نہ ہوا تو حق تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے اس قوم کی بستیوں کو زمین سے اُٹھالیا اور پھر اُوندھا کر کے زمین پر پھینک دیا اس کا بیان سورۃ الاعراف آیت ۸۱ پارہ ۸ وَلَوْ اَنَّنَا میں ہے

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○

''تم مردوں کے ساتھ شہوت زنی کرتے ہو،عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد سے گذر گئے ہو''

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور ہشام بن عبدالملک ؓ نے اپنے اپنے دور میں ''غیر فطری فعل کا ارتکاب کرنے والوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا'' (بحوالہ حافظ زکی الدینؒ ترغیب وترہیب)

عورتوں کے ساتھ بھی غیر فطری فعل پر شدید وعید آئی ہے۔حضرت ابوہریرہ ؓ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے اپنی اہلیہ/زوجہ کے ساتھ جماع کرتا ہے۔الحدیث (بحوالہ الترغیب والترہیب)

﴿ فَاَعْرِضُوْا ﴾ تم درگذر کرو، پیچھا چھوڑ دو، اعراض، سے امر کا صیغہ قواعد کے مطابق۔﴿ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ﴾ توبہ قبول کرنا، لغت میں توبہ کے معنی رجوع کرنا لوٹ آنا، پلٹ آنا ہیں یعنی جس سمت آپ چلتے چلے جارہے ہیں ادھر سے منہ کا رُخ پھیر کر دوسری سمت راہ اختیار کریں شرع میں توبہ کا مفہوم یہی ہے کہ انسان مُعصیت وگناہ کی جس روش پر اپنی کم فہمی، کم عقلی اور کج فہم ہونے کے سبب بھاگا چلا جارہا ہے تو اس سے رُخ بدل کر، موڑ کر نیکی اور تقوٰی کی راہ اختیار کر کے اہلِ محققین نے قبول توبہ کی کئی شرائط بیان کی ہیں۔

☆......احساس ندامت۔☆......اس گناہ سے اسی وقت رفوری طور پر باز آجانا۔☆......دوبارہ یہ گناہ ہونے کا عزم پختہ کا ارادہ کرنا۔☆......یہ سب کچھ اللہ جلّ جلالہٗ سے شرمسار شرمندہ ہو کر حق بندگی ادا کرنے کی خاطر کرے ایسی توبہ کو متبرور کرنے کا ربّ جلیل نے وعدہ فرمایا۔﴿ بِجَهَالَةٍ ﴾ نادانی، جہل، تجہل کا مصدر ہے جہالۃ کے معنی نہ جاننا ہے اور اس سے مراد ایسی کیفیت کا احساس ہے جب کہ انسان ہوائے نفس رذیل خواہش نفس اور عالم غُصّہ میں اتنا مغلوب ہو جائے کہ اپنے کئے ہوئے اعمال کے نتائج اس سے پوشیدہ ہو جائیں قرآن کریم میں لفظ ﴿ بِجَهَالَةٍ ﴾ کا مفہوم بظاہر یہ ظاہر کرتا ہے کہ غیر ارادی انجانی اور نادانی سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی بالفاظ دیگر جہالت کا لفظ اس جگہ حماقت اور بے وقوفی کے معنی میں ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ سورۃ یوسف آیت ۸۹ پارہ ۱۳ وَمَآ اُبَرِّئُ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○

''اس نے کہا کہ جانتے ہو،تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ نادانی کی حالت میں کیا کیا''

اس مقام پر بھائیوں کو جاہل کہا گیا اگرچہ انہوں نے جو کام سرانجام دیا وہ کسی خطا یا بھول سے نہیں کیا گیا بلکہ قصداً ارادہ سے جان بوجھ کر کیا گیا بلکہ اس فعل کے انجام سے غفلت رلا پرواہی کے سبب انہیں جاہل کہا گیا۔

ابوالعالیہ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام ؓ اس بات پر اتفاق رکھتے تھے کہ ''فَهُوَ جَاهِلَةٌ عَمَدًا كَانَ اَوْ غَيْرَهٗ'' یعنی جو بندہ گناہ کرتا ہے خواہ بلا ارادہ ہو یا بالقصد بہر حال جہالت ہے۔

امام تفسیر مجاہدؒ کا قول ہے ''جو شخص کسی کام کے سرانجام دینے میں ربّ جلیل کی نافرمانی کر رہا ہے وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہے اگرچہ وہ بڑا عالم اور باخبر ہے۔(بحوالہ ابن کثیر)

حضرت عکرمہؒ کا قول ہے ''اُمُوْرُ الدُّنْيَا كُلُّهَا جِهَالَةٌ'' دنیا کے تمام تر کام جو ربّ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں سب کے سب جہالت کے مُوجب ہیں''۔

﴿ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ ﴾ پھر توبہ ۱؎ کرتے ہیں جلدی سے، یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ قبولِ توبہ کے لئے یہ شرط وضاحت کے ساتھ بتادی گئی ہے قریب زمانہ میں ہی توبہ کرلی جائے توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرے توبہ کرنے میں تساہل سے کام نہ لے دیر نہ کرے اس کو یوں سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر حدیث مبارکہ میں ارشاد کی "اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ" اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر موت اور نزع رُوح کا غرغرہ طاری نہ ہو جائے۔"

سبحان اللہ کیا شان ہے بندہ مؤمن کی جو اہلِ ایمان رمؤمن موت سے ایک ماہ قبل پہلے ایک دن پہلے اور ایک گھڑی رساعت پہلے توبہ کرلے ربِّ جلیل اس کی توبہ قبول فرمائیں شرط ہے اخلاصِ نیت کے ساتھ سچی توبہ کی جائے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

مِنْ قَرِيْبٍ کی تفسیر جو حضور پُرنور ﷺ نے فرمائی اس سے پتہ چلا کہ انسان کی تمام عمر کا زمانہ قریب میں ہی داخل ہے حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ تفسیر بیان القرآن میں رقمطراز ہیں۔

> "موت کے قریب دو صورتیں پیش آتی ہیں ایک تو محرومی کی، یاس و نا اُمیدی کی جب انسان تدبیر اور دوا سے عاجز ہو کر یہ جان لیتا ہے کہ موت آنے والی ہے اس کی حالت رصورت کو 'یأس بالیاء' سے تعبیر کیا گیا۔ دوسری حالت اس کے بعد کی ہے جبکہ نزع رُوح کا آغاز ہو جائے اور غرغرہ کا وقت آجائے اس حالت کو 'باس بالباء' کہا جاتا ہے پہلی صورت یعنی حالتِ یاس تک تو مِنْ قَرِيْبٍ کے مفہوم میں آتا ہے اور توبہ ۲؎ اس کی قبول رمبرور ہوتی ہے مگر دوسری حالت رصورت یعنی" حالتِ باس" توبہ مقبول نہیں جبکہ فرشتے اور عالم آخرت کی چیزیں انسان کے سامنے آجائیں کیونکہ وہ من قریب کے مفہوم میں داخل نہیں۔ (بحوالہ تفسیر بیان القرآن)

﴿ تَعْضُلُوْهُنَّ ﴾ تم ان کو روکو بند کرو، یہ عضل سے ہے سختی سے روکنے کے ہے قواعد کے مطابق مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿ تَرِثُوْا ﴾ تم وارث بن جاؤ۔ ﴿ تَذْهَبُوْا ﴾ تم جاتے ہو ذَهَابٌ سے مضارع کا صیغہ۔ ﴿ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ﴾ جو دے دیا تم نے اُن کو۔

﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ﴾ عورتوں کو اپنی پسند رمرضی کے نکاح کرنے سے نہ روکو اس گمان پر کہ جو مال تم نے یا تمہارے اعزا نے اُن کو بطور مہر یا بطور تحفہ ہدیہ کیا ہے وہ ان سے واپس لے لو، دیا ہوا مہر واپس میں جبرً امعاف کرائیں یہ ناجائز اور حرام ہے۔

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ مگر یہ کہ کھلی طور پر بدکاری کا ارتکاب کریں اس جگہ سے فاحشہ سے مراد ناشائستہ حرکت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فاحشہ سے مراد اس مقام پر بے حیائی اور زنا لیا ہے۔ حضرت ابنِ عباس ﷺ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ضحاک ﷺ کے نزدیک فاحشہ سے مراد شوہر کی نافرمانی اور بدکلامی ہے بالفاظ دیگر اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان عورتوں سے بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا ہے یہ انکا شیوہ نافرمانی اور بدزبانی ہے جس کو مرد گوارہ نہیں کر رہا ہے اور آمادۂ طلاق ہے تو چونکہ قصوروار عورت ہے اس لئے خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو اس وقت میں اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے دیا ہوا مال واپس نہ مل جائے یا مقرّ رکردہ مہر واپس نہ کرالے۔

﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ ﴾ پس اگر ناپسند کرو اُن کو، مفہوم یہ ہے کہ خوابوں کی دنیا اور حقیقتِ دنیا میں بڑا فرق ہے اگر تمہاری شریکِ زندگی کا معیار حسن و جمال، سیرت اخلاق پاکیزہ، ایسے مثالی نہیں جس کا تصوّر تم نے کر رکھا ہے تو شدّتِ جذبات اور احساسِ محرومی میں مبتلا ہو کر اِس رشتہ ازدواج کو مت توڑو بلکہ اس کی کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔

۱؎ ..... امام غزالی احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں کہ گناہ پر اقدام کے درجے ہیں۔ (۱) کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ ہو یہ فرشتوں کی صفت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی۔ (۲) گناہ پر اقدام کرنے اس پر اصرار جاری رکھے کبھی اس پر ندامت نہ ہو اور ترک کا خیال نہ آئے یہ درجہ شیطان کا ہے۔ (۳) بنی آدم گناہ پر نادم ہو، ترک کا پختہ عزم کرلے۔

۲؎ ع این در ما گہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بھلائی رکھ دی ہو،

عورت کو گلِ رعنا مت سمجھو، اس کو دورِ جدید کی رنگین مزاج تتلی مت جانو اس کے عارض و کاکل کے دامِ فریب میں آ کر اپنی بیوی کو طلاق مت دو اگر بیوی خوبصورت نہ ہو اس کی کوئی ایسی بات ہے جس کی بناء پر وہ خاوند کو پسند نہ آئے تو یہ مناسب عمل نہیں کہ دل برداشتہ ہو کر بیوی کو چھوڑا جائے تحمل اور بُردباری سے کام لیجئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ اللہ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو بھنورے کی طرح پُھول پُھول کا مزہ رذائقہ چکھتے پھریں۔" الحدیث

تشریح و توضیحات آیت ۱۵ تا ۱۹

آیت کریمہ ۱۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ تمہاری عورتوں رمنکوحہ بیبیوں سے جو بے حیائی کا نام رزنا کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے اپنوں میں سے چار گواہ آدمی، مسلمان، آزاد عاقل اور بالغ طلب کرو اور تم ان کو گھروں میں مُقید رکھو، یہاں تک کہ موت اُن کا خاتمہ کردے اگر چار آدمیوں سے کم تعداد میں لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی شہادت غیر مُعتبر ہے ایسی صورت حال میں مدعی اور گواہ کاذب رجھوٹے قرار دیئے جاتے ہیں سورۂ نور آیت ۱۳ پارہ ۱۸ قَدْ اَفْلَحَ میں ارشادِ ربانی ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○

"ایسا جھوٹا پر چار کرنے والے اس گواہ پر چار گواہ کیوں نہ لائے جب الزام کے ثبوت میں ان کے ساتھ گواہوں کی شہادت موجود نہیں تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔"

آیت مبارکہ ۱۶ میں واضح طور پر بتایا جا رہا ہے کہ تم میں دو مرد بد فعلی کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو تکلیف دو، گویا منکوحہ عورت کی تخصیص نہیں بلکہ کوئی بھی عورت و مرد یعنی زنا کی کوئی بھی صورت ہو لواطت راغلام بازی کریں اور اُن پر شہادت کا تقاضا پورا ہو جائے تو انہیں ایذاء دی جائے (ایذاء دینے میں مارنا پیٹنا، سخت سست کہنا اور اس کی تذلیل شامل ہے) یہ بات یاد رکھی جائے کہ والذان سے اکثر مفسّرین نے لواطت ہی لیا ہے۔

اگر دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاحِ نفس کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کر لیں تو اُن سے تعرض مت کرو، گویا سزا تجویز کرنے کے بعد انہوں نے توبہ کر لی تو پھر انہیں ملامت اور نگاہِ تذلیل سے مت دیکھو اور مزید ایذاء مت دو لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ توبہ سے سزا معاف ہو گئی اس لئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد بتائی گئی ہے توبہ اُخروی مواخذہ کے لئے کارآمد اور مفید ہے کیونکہ ربِّ جلیل توبہ قبول کرنے والے اور رحمت والے ہیں۔

آیت مبارکہ ۱۷ میں اظہارِ خیال ہے کہ اگر کوئی نادانی میں بُرائی کر بیٹھے اور پھر جب اس کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر اس فعل بد کا مرتکب ہوا اور پھر فوراً اللہ کے حضور حاضر ہو کر توبہ کرے اور اپنی اس حرکت پر شرمندہ پشیمان ہو کر توبہ کرے تو باری تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

بے شک توبہ ایک ایسا عمل ہے کہ زنا اور لواطت جیسے سنگین جُرم بھی اللہ جل جلالہ معاف کر دیتا ہے لیکن اس بات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا جائے کہ ربِّ جلیل نے اپنے فضل و کرم سے توبہ مبرور کا ذمہ لے لیا ہے اور وہ صرف اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو نا سمجھی اور انجان پن میں کوئی گناہ کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام تر باتوں کی خبر رکھنے والا الحکیم و دانا ہے۔

آیت ۱۸ میں واضح بیان ہے کہ اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں، جو بُرائیاں کرتے چلے جائیں اور عمر بھر جرأت کے ساتھ معصیت اور گناہ میں ملوث رہیں اور جب موت سر پر آ پہنچے اور وقت نزع، روح آ گھیرے، موت کے فرشتے، سامنے آنے لگیں تو اس وقت کہا جائے اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ بے شک میں توبہ کرتا ہوں یہ بھی یاد رکھئے اُن کی توبہ بھی قبول نہیں جو کُفر کی حالت میں مریں اور جو عمر بھر کُفر پر ہی قائم ودائم رہیں جیسے فرعون نے غرق ہونے کے وقت پکارا اور بار بار پکارا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رَبّ پر ایمان لاتا ہوں تو ارشاد ہوا کہ اب ایمان لائے جب وقت بیت گیا اب کیا حاصل! جیسے کہ آیت ۹۰ سورہ آل عمران پارہ ۳ تِلْكَ الرُّسُلُ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝

''بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کُفر کی راہ اختیار کی پھر اپنے کُفر میں بڑھتے ہی چلے گئے ان کی توبہ مقبول نہ ہوگی ہرگز ہرگز، یہی گُمراہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں''

یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے اُن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں، وہ بدبخت ہے جو کُفر پر مرتا ہے

آیت کریمہ نمبر ۱۹ میں اظہارِ بیان ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے مال اور جان کے جبراً مالک بن جائیں یہ بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ مال کے مالک ہونے کی تین اشکال ہیں۔

(اوّل)...... یہ کہ اس عورت رمنکوحہ کا جو حق شرعی میراث کا ہے اس کو بہ نفسِ نفیس خود لے لیا جائے۔

(دوئم)...... یہ کہ اس کو نکاح کرنے کی اجازت نہ دی جائے یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو جائے، پھر اس کا مال لے لیں۔

(سوئم)...... یہ کہ شوہر اس کو بلاسبب مجبور کرے کہ وہ اس کو کچھ مال دے تب یہ اس کو چھوڑے یعنی آزاد کرے گا۔

اسلام نے ظلم کے ان طریقوں سے منع کیا ہے اور قرآنِ حمید میں اس فساد، فتنہ اور اس کے تحت ہونے والے تمام مظالم کی روک تھام رانسداد کے لئے ارشاد ہوا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا

''اے ایمان والو! تم کو حلال نہیں کہ زبردستی اور اُن کی مرضی کے خلاف عورتوں کے وارث بن جاؤ''

اپنا دیا ہوا مال اُن سے واپس لینے کے لئے اُن کو تنگ کرو، بیوی کے ساتھ حُسنِ معاشرت اور احسن طرزِ عمل اختیار کرنے کو کہا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے

لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ سَخِطَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ

''مؤمن مرد (شوہر) مؤمنہ عورت (بیوی) سے بُغض نہ رکھے اگر ایک عادت اُسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔'' (بحوالہ مسلم شریف کتاب الرضاع)

گویا بتایا جا رہا ہے کہ بدفعلی ربدکاری اور عصیان کے علاوہ بیوی میں کچھ کوتاہیاں خامیاں ہوں جن کی بناء پر انہیں ناپسند کرتا ہے تو عجلت کو پسِ انداز کر کے طلاق نہ دے بلکہ دامن صبر وتحمل کو اپنائے ممکن ہے کہ اللہ جل جلالہ اپنی رحمت خاص سے خیر کثیر عطا فرمائے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ''ایک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے'' کہ مصداق قرآن اور حدیث کی ان ہدایات پر مسلمان عمل نہیں کرتے اور ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی عورتوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾

اگر تم ایک بیوی (عورت) کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہتے ہو اور پہلی کو بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس میں سے بھی کچھ واپس نہ لینا، کیا تم اُسے بہتان لگا کر (زمانہ جاہلیت کی طرح) اور کھلا گناہ کر کے یہ کیوں واپس لیتے ہو۔ (۲۰)

وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾

اور اس طرح دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے کو مل چکے ہو تنہائی میں (لُطف اندوز ہو چکے ہو) اور ان عورتوں نے تم سے پُختہ عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ (۲۱)

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے، اُن سے ہرگز نکاح نہ کرو جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، بے شک یہ بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا ناپسندیدہ اور بغض کا سبب ہے اور بہت ہی بُرا بد چلنی کا راستہ ہے۔ (۲۲)

الفاظ و معانی آیت ۲۰ تا ۲۲

﴿ اَرَدْتُّمْ ﴾ تم چاہو۔ ﴿ اسْتِبْدَالَ ﴾ بدلنا رتبدیلی چاہنا، قواعد کے مطابق فعل مصدر۔ ﴿ قِنْطَارًا ﴾ مال کثیر ربہت سا مال، سونے کا تودا یہ قناطیر کا واحد ہے۔ (بحوالہ قاموس القرآن)

﴿ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴾ اپنا دیا ہوا مال کیا تم لوگے اس سے بُہتان، الزام لگا کر جس کا تم میں کُھلا گُناہ عظیم ہونا عیاں ہے اس کے بعد اس رقم کی واپسی کے ظلم و گناہ ہونے کے کئی مرحلوں میں وضاحت کی گئی ہے کیا تمہاری یہ مرضی ہے کہ بیوی رعورت پر زِنا کی تُہمت کا بُہتان لگا کر زمانہ جاہلیت کی طرح کُھلا گُناہ کر کے اپنے مال کی واپسی کی راہ تلاش کرو گویا جب اس بات کا علم ہو چکا کہ مال کی واپسی اس وقت جائز ہے جبکہ بیوی غیر شائستہ عمل رفعل کی حرکت کا ارتکاب کرے تو اب اس سے مال لینا تو اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ اس نے کوئی غیر اخلاقی حرکت یا بے حیائی کی ہے خواہ زبانی طور پر اس پر زنا کی تہمت لگائے یا نہ لگائے بہر نوع یہ بھی ایک صورت بُہتان اور الزام کی ہے۔ ﴿ اَفْضٰى ﴾ وہ پہنچا وہ بے حجابانہ مل گیا افضاء سے ہے قواعد کے مطابق ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ۔ ﴿ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ گویا اب تم اُن سے اپنا مال اُن سے کیونکر واپس لے سکتے ہو۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ صرف عقد رنکاح ہی نہیں ہوا بلکہ خلوت صحیحہ اور ایک دوسرے سے باہم بے حجابانہ ملنا بھی ہو چکا، مطلب یہ کہ صحبت رہم بستری رمُجامعت ہو چکی، رَبِّ جلیل نے کنایۃً یہ بیان کیا ہے کیونکہ یہ تو ایسی صورتِ حال ہے کہ عورت ربیوی نے اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دیا اگر دیا ہوا مال بطور تحفہ ہدیۃً دیا ہے اب اس کی واپسی ممکن نہیں۔ یہ آیت دلیل ہے اس پر کہ خلوتِ صحیحہ سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے۔ (بحوالہ کنز الایمان از مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) ﴿ اَفْضٰى ﴾ مرد اور عورت کا تنہائی میں ملنا خواہ صحبت کے بغیر ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کو خلوت صحیحہ کہا جاتا ہے اس سے سارا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ (بحوالہ ضیاء القرآن)

﴿ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴾ اور ان عورتوں نے تم سے پختہ پیمانِ وفا کیا ہوا ہے، اس سے مراد وہ عہدِ عقد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم بھلے طریقہ سے پیش آنا اور احسان کے ساتھ چھوڑنا۔ ﴿ مِّیْثَاقًا ﴾ عہد۔ ﴿ غَلِیْظًا ﴾ واثق رپختہ۔

﴿ مَقۡتًا ﴾ نکاح نہ کرو۔ ناپسندیدہ، اور ناخوشی کی بات۔ ﴿ وَسَآءَ ﴾ بُرا ہے۔ فعل ذم ہے سُوۡءٌ سے فعل ماضی کا صیغہ۔

اور نہ نکاح کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے۔ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے جبراً شادی کر لیتا تھا، اس آیت کے نزول کے بعد جبراً شادی کی رسم تو ختم ہو گئی لیکن دونوں کی رضامندی سے یہ سلسلہ ترک نہ ہوا اس آیۂ کریمہ میں بالکل ممانعت کر دی گئی۔ علامہ قُرطبیؒ نے بہت سے لوگوں کے نام بتائے ہیں جنہوں نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کیا اور اُن سے اُن کی اولاد بھی ہوئی۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی) یہاں پر وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے روکا گیا اور اس کو باری تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ٹھہرایا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ والد کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۰ تا ۲۲

آیت ۲۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ اگر تم اپنی بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور اسے مال کثیر دے چکے ہو اس میں کچھ واپس نہ لینا اسلام سے پہلے تو یہ بھی ہوتا تھا کہ جب مرد اپنی مرضی سے پہلی بیوی رعورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کو اپنے نکاح رعقد میں لائے تو عورت پر بُہتان لگاتا اور دیگر مختلف طریقے اپنا کر اس پر ظلم و زیادتی کرتا تا کہ سختی کے سبب وہ عورت مجبور و بے بس ہو کر مہر واپس کر دے اِس آیۂ کریمہ میں ممانعت آئی پہلی عورت کو جو مال دے چکے ہو، اس سے واپسی کا مطالبہ مت کرو، صریحاً ظلم کر کے مال کا واپس لینا زوجہ اولیٰ سے ہرگز جائز نہیں کتنا بھی حق مہر دیا ہو وہ واپس نہیں لے سکتے اگر ایسا کرو گے تو اچھی طرح جان لو! یہ ظلم اور کھلا گناہ ہے۔

آیت ۲۱ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ اس طرح دیا ہوا مال کیونکر واپس لینے کے خواہش مند ہو جب تم ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ (خلوتِ صحیحہ) میں لَذّت حاصل کر چکے ہو یعنی مجامعت کر چکے ہو اور اُن عورتوں نے عقدِ مسنونہ کر کے نکاح میں آ کر تم سے عہد و پیمان کا باضابطہ عہدِ مُصَمّم وفاداری کا پکّا اقرار کر لیا، اب اگر مرد اپنی خواہش سے اس عہد کو توڑتا ہے تو اُسے وہ معاوضہ لینے کا استحقاق نہیں جو اس نے معاہدہ کرتے وقت کیا تھا۔

آیت ۲۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو، اُن سے نکاح مت کرو یہ بڑی بے غیرتی ر بے حیائی، اللہ تعالیٰ کے غضب و عتاب اور نفرت کرنے کی بات ہے یہ بہت ہی بُرا طریقہ ہے یہ بات یاد رکھئے کہ تمدّنی اور معاشرتی مسائل میں ایامِ جَاہلیّت کے غلط اور باطل طریقہ پر عمل کرنے کو قرآنِ حمید نے حرام قرار دیا ہے فرقانِ حمید کا واضح بیان ہے جو ہو چکا سو ہو چکا ماضی میں کم مائیگی عمل اور نادانی کے سبب جو کچھ خطا تم کرتے رہے اب اُن پر گرفت نہیں جائے گی لیکن لازمی شرط ہے کہ اب احکامات کے آ جانے کے بعد اپنے طرزِ عمل کی خوب اچھی طرح اصلاح کر لی جائے جو کام بُرے ہیں انہیں ترک کر دو، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایک بے حیائی کا کام ہے اور قطعی طور پر ناپسندیدہ فعل اور بہت ہی بُرا طرزِ عمل ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

حرام کی گئی تم پر، تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہن، اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں (بھائی کی لڑکیاں) بھانجیاں (بہن کی لڑکیاں) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، وہ بھی تم پر حرام ہیں اور تمہاری دودھ شریک (رضائی) بہن اور تمہاری بیوی کی مائیں (ساس) اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں پرورش پارہی ہیں اور جن عورتوں سے تم صحبت رمباشرت رمجامعت کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے اُن سے صحبت ردخول رمباشرت نہ کی ہو، تو کوئی حرج نہیں، تم پر تمہاری صلب رجو پُشتوں سے ہیں یعنی سگے بیٹوں کی بیبیاں بھی حرام ہیں اور دو سگی بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے مگر جو پہلے ہو چکا تو سو ہو چکا، یقینی طور پر اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۳)

الفاظ و معانی آیت ۲۳

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ﴾ حرام کردی گئیں تمہاری مائیں گویا معنیٰ ہوئے اپنی ماں سے نکاح حرام ہے یہاں پر ﴿ أُمَّهٰتُكُمْ ﴾ کے عمومی معنی میں دادیاں اور نانیاں سب کا شمار ہے۔ ﴿ وَبَنٰتُكُمْ ﴾ اور بیٹیاں تمہاری اپنی صلبی رنسبتی رپستی لڑکی سے نکاح حرام ہے اور بیٹی کی بیٹی سے بھی اور بیٹے فرزند کی لڑکی سے بھی، اس کے معنیٰ ہوئے، بیٹی پوتی، پرپوتی، نواسی پڑنواسی ان سب سے نکاح حرام ہے اگر کسی شخص نے کسی خاتون سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں آتی ہے اس سے بھی نکاح درست نہیں۔ (بحوالہ معارف القرآن)

﴿ وَأَخَوٰتُكُمْ ﴾ اور بہنیں تمہاری، حقیقی بہن، علّاتی (باپ شریک) بہن اُخیافی (ماں شریک) بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔

﴿ وَعَمّٰتُكُمْ ﴾ اور پھوپھیاں تمہاری، اپنے والد کی حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن گویا تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ ﴿ دَخَلْتُمْ ﴾ تم داخل ہوئے تم نے مباشرت کی رتم نے جماع کیا یہ دُخُول سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے قواعد کے مطابق۔ ﴿ بَنٰتُ الْأَخِ ﴾ بھائی کی بیٹیاں ﴿ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ ﴾ بہن کی بیٹیاں۔ ﴿ أُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ ﴾ اور وہ مائیں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، اس کے معنی ہوئے، جن عورتوں کا دودھ پیا گیا ہے گو کہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے سلسلے میں ماں کے حکم میں ہے نبی اکرم ؐ کا ارشاد ہے کہ إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ

"رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہے جس زمانے میں دودھ پینے سے ہی بچہ کی نشو و نما ہوتی ہے"۔ (بحوالہ بخاری شریف، مسلم شریف)

﴿ أَرْضَعْنَكُمْ ﴾ اُن عورتوں نے تم کو دودھ پلایا، اَرْضَعْنَ قواعد کے مطابق صیغہ جمع مؤنث غائب۔ ﴿ رَبَآئِبُكُمْ ﴾ پرورش پانے والی تمہاری۔ ﴿ حُجُوْرِكُمْ ﴾ تمہاری گود۔ ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴾ جس خاتون کے ساتھ

نکاح کیا اور نکاح کے بعد مباشرت کی، حقِ شرعی ادا کیا، تو اس عورت کی بیٹی جو دوسرے خاوند سے ہے اس کی پوتی اور نواسی بھی حرام ہوگئی اُن سے نکاح کرنا ناجائز ہے لیکن اگر جماع رمباشرت رصحبت نہیں کی، صرف عقد ہوا، تو صرف نکاح سے مذکورہ اُمور میں وہ حرام کے دائرہ کار میں نہیں، البتہ نکاح کے بعد اس کو شہوت کے ساتھ چُھوا یا اس کی اَندامِ نہانی (فرج) کی جانب نگاہِ شہوت سے دیکھا تو اس کا شمار بھی صحبت رمجامعت میں ہوگا، ایسی صورت حال میں بھی اس عورت کی بیٹی حرام ہوجاتی ہے ﴿ حَلَآئِلُ ﴾ بیویاں رزوجہ حلیلۃ کی جمع یہ حل، یحل سے ہے جس کے معنیٰ اترنا ہے۔ ﴿ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ پشتوں رنسب میں سے مِنْ اَصْلَابِكُمْ کا مفہوم اور معانی یہ ہے کہ اس سے متبنّٰی رلے پالک کو الگ کرنا مقصود ہے اس کی بیوی نکاح حلال ہے یہ قید اس لئے بڑھادی گئی ہے۔

﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ اور دو بہنوں کو باہمی طور پر نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے حقیقی بہنیں ہوں، عَلاتی ہوں اخیافی ہوں نسب کے تعلق سے ہوں یا رضاعی دودھ شریک بہنیں ہوں، یہ حکم سب کے لئے ہے البتہ اس بات کی اجازت ہے کہ طلاق یافتہ ہوجانے کے بعد، دوسری بہن سے نکاح ہوسکتا ہے لیکن جواز یہ ہے کہ ایام عدت گزر جائیں۔ یہ بات یاد رہے کہ جس طرح ایک ساتھ بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے اسی لحاظ سے، پُھوپھی، بھتیجی، اور سگی خالہ بھانجی کو کسی ایک شخص کے نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ

قَالَ النَّبِيُّ لَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَخَالَتِهَا۔ (بحوالہ بخاری شریف، مسلم شریف)

﴿ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ مگر جو کچھ ہوچکا سو ہوچکا، اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایامِ جاہلیت میں جو کچھ ہوتا گیا وہ ہوا، اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، آیت نمبر ۲۲ میں بھی بتایا گیا، ایامِ جاہلیت میں جو کچھ تم نے کیا، سو کیا اب آئندہ کے لئے احتیاط اور اجتناب لازم ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، وضاحت کے ساتھ کہا جارہا ہے اسلام سے پہلے جو کچھ نادانی اور حماقت سرزد ہوئی اب اسلام لانے کے بعد ربِّ جلیل ان سے دَرگزر فرمائے گا اور اُن کی طرف اپنی عطائے خاص، رحمتِ خاص سے توجہ فرمائے گا۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۳

اس آیۃ مبارکہ میں اُن عورتوں کا تفصیلاً بیان وضاحت کے ساتھ کیا جارہا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے یہ حرمت اس طرح بیان کی گئی ہے۔ (۱) حُرمت نسب۔ (۲) حُرمت رضاعت۔ (۳) حُرمت مصاہرت۔

① ..... حُرمتِ نسب: سات نسبی محرمات ہیں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پُھوپھیاں، خلائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں شامل ہیں۔

② ..... حُرمت رضاعت: ردودھ شریک محرمات میں رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی شامل ہیں

③ ..... حُرمت مصاہرت: سسرالی محرمات جس میں بیوی کی والدہ یعنی ساس خوش دامن (اس میں بیوی کی دادی اور نانی کی بھی شمولیت ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور بغیر حق شرعی ادا کئے بغیر جماع مباشرت کے ہی طلاق دے دی گئی تب بھی اس کی والدہ خوش دامن سے نکاح حرام ہوگا البتہ کسی عورت سے نکاح کرکے اسے بغیر جماع رمجامعت کے طلاق صادر کردی تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ (بحوالہ فتح القدیر)

پہلی بیوی کے شوہر کی لڑکی اس کی حرمت مشروط ہے گویا اس کی ماں سے مباشرت رصحبت کر لی گئی ہے تو ربیبہ ربیوی کے پہلے شوہر سے لڑکی کا نکاح حرام ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی شامل ہیں گویا اُن کی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہے بلکہ اسی صورت کو مدّنظر رکھتے ہوئے رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہیں۔

اِن بیٹیوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری پُشت سے ہوں، دراصل یہ قید اہلِ عرب کی ایک فرسُودہ غلط رسم کو ختم کرنے کے لئے بڑھائی گئی ہے جن سے وہ متبنّٰی بنایا کرتے تھے ان کی بیویوں کے مطلقہ ہونے یا بیوہ ہونے کے بعد اُن سے نکاح کرنا حرام تصوّر خیال کرتے تھے گویا لے پالک رمتبنّٰی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے حضرت محمد ﷺ نے اپنے متبنّٰی حضرت زید ؓ کی طلاق یافتہ عورت سے نکاح کیا۔

دو بہنوں خواہ وہ حقیقی ہوں یا رضاعی، ایک نکاح میں اکٹھا کرنا بھی حرام ہے رسولِ اکرم ﷺ نے پھوپھی، بھتیجی، خالہ بھانجی کا ایک ساتھ عقد میں ہونا ممنوع فرمایا ہے اور اس کی دلیل یہ بتائی کہ یہ رشتے باہم اُخوّتِ محبّت اور ادب کے ہیں۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

الحمد لِلّٰہ پارہ ٤ لن تنالوا کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی

۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ

عذر ہائے من پذیر

پارہ ۴/ لن تنالوا کے مطالعہ مضامین پر ایک اجمالی نظر سورۂ آل عمران ۳ آیت ۹۲ تا ۲۰۰

خلاصۂ آیات پارہ ۴ آیت ۹۲ تا ۲۰۰ کی روشنی میں رکوع ۱۰ تا ۲۰

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۛ

''تم ہر گز کامل نیکی نہ پاسکو گے، جب تک کہ خرچ نہ کرو اللہ کی راہ میں ان چیزوں سے جنہیں تم عزیز رکھتے ہو''

الحمد للہ! اللہ ہے، کی سب سے بڑی دلیل خود میرا اپنا وجود ہے مجھے زندگی میں جو کچھ عطا ہوا، رزق، اولاد، عزت، قلم بیان یہ سب اللہ سُبحانہٗ کے انعامات ہیں یہ سب کچھ انعام واکرام اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے کوئی نہیں دے سکتا تھا، یقین جانئے یہ کہنے پر حق بجانب ہوں کہ میں نے اپنے وجود سے اپنے رَبّ کو پہچانا ہے، یہ میرے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ مجھے مضامین قرآن کے مطالعہ کی سعادت ملی، یہ اللہ تعالیٰ کا لُطفِ بے پایاں اور رحمت لِلعٰلمین کی کرم گُستری ہے کہ پارہ چہارم لَنۡ تَنَالُوۡا پر مطالعہ کی سعادت حاصل ہو رہی ہے. جی چاہتا ہے عرض کرنے کی جسارت کروں، جس طرح زمزم صدیوں سے اُبل رہا ہے اور اُس کا پانی ختم نہیں ہوتا، اسی طرح قرآن کی عظمت اور عشقِ نبی ﷺ کے تذکرے کی حد یا کنارہ نہیں، ہم جیسے جو کچھ لکھنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی بخشش کے لئے لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر کو ہمارے قلم و زبان کی احتیاج نہیں حاجت مند ہم ہیں کہ اُن کے ذکر سے اپنی دُنیا سنوارتے اور آخرت کا توشہ پاتے ہیں، میرے چمنِ خیال میں جو کچھ تھا روشنی کے اِس سفر کو تحریر کی شاخوں پر کھلا دیا ہے۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، جس کی جانب ہر نبی نے اپنے اپنے دَور میں اپنی اپنی اُمتوں کو دعوت دی، اس دعوت کو ''دعوتِ توحید'' سے موسوم کیا جاتا ہے، قرآن الحکیم نے توَرات، زَبُور اور اَنجیل کی تصدیق کی، اور غلط باتوں کی تردید کی، اور ان اُمور کی وضاحت کی اور دعوت دی جو تمام اَنبیاء کرام علیہم السلام ہر زمانے میں دیتے رہے۔

قرآنِ حمید نے دین ومذہب کے نام پر اِنسانیت کی وَحدت کا شیرازہ بکھیرنے والوں کے مُحرکات پر ضرب کاری لگائی،

یہ بات آپ کو بھی معلوم ہے کہ ''عقیدہ توحید'' سے زندگی آراستہ ہوگی، نیک عملی، زندگی کا شیوہ بن جائے تو اپنی زندگی پر ناز فرمایئے، ''زندگی پیہم رواں، ہر دم جوان ہے'' کے مصداق کسی دوسرے کے عمل تو ہمارے کام آنے کے نہیں، ہم نے سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کیا تو اس اُمر کی وضاحت کے ساتھ تصریح ہوگئی کہ انسان کی ہدایت کے لئے اِس کے خالق نے جو ضابطہ دیا ہے وہ ایک ہی ہے اور اس کا نام ''دینِ اسلام'' ہے، اچھی طرح جان لیجئے اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو حق ہے اور حق ایک ہی ہوا کرتا ہے قرآنِ حمید نے دینِ، مذہب کے نام پر انسانیت کی وحدت کا شیرازہ بکھرنے والوں کے محرکات پر ضرب کاری لگائی، اور وحدت

بقائے انسانیت کے لئے ایک ایسی محکم، جامع اور مربوط اساس مہیا کردی کہ جب بھی انسان اپنی ذاتی فکری اور قومی فکر ونظر کی خود غرضیوں آزادی/رہائی پانے میں کامران ہوگیا تو سمجھ جایئے وہ محبت، اُخوت اور اتحاد باہمی کے رشتہ میں منسلک ہوجائے گا

اپنے مرکز سے ہٹو گے تو بکھر جاؤ گے

اِس سورۃ مُبارکہ میں مسلمانوں کو اپنے مقامِ اعلیٰ اور فرائضِ منصبی کی تکمیل سے آگاہی کا بیان ہے بتایا گیا کہ تم ''خیرالامم'' ہو تمہیں باہمی اتفاق اور محبت کی شدت سے ضرورت ہے اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے نہ تھام لیا اور اُخوتِ اسلامی کے جذبہٴ سے سرشار نہ ہوئے تو تمہاری اپنی ناموس اور بقا خطرے سے ہمکنار ہوجائے گی۔ بقول شاعر اقبال عظیم

ع اپنے مرکز سے ہٹو گے تو بکھر جاؤ گے — خاک ہوجاؤ گے افسانوں میں ڈھل جاؤ گے

اے طالبِ حُسنِ وعشق! اچھی طرح جان لو! اقتصادی اور معاشی ناہمواریاں قوم کی صفوں کو درہم برہم کردیتی ہیں، معاشی ناہمواری کا وجود پندونصیحت پر مؤثر ثابت نہیں ہوتا اُس کی ایک بڑی وجہ سود کا ظالمانہ نظام ہے جو کائنات کے لوگوں کو اضطراب، انتشار اور ذہنی کرب میں مُبتلا کررکھا ہے ذرا فکر رسا کے دائرہ عمل تو دیکھئے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا، جو سراسر توحید باری تعالیٰ کے منافی ہے قرآن مجید توحید کا داعی ہے اُس نے اس باطل عقیدہ کی تکذیب کی، اے عقل وخرد سے بے نیاز لوگو! تم اپنے زعم باطل کے مطابق مسلمانوں کو مشرک خیال کرتے ہوئے انہیں توحید کی تعلیم دیتے وقت حضور پُرنُور حضرت محمد ﷺ کی شایانِ رسالت مآب میں بے باکیاں/گستاخیاں کرتے ہو!، اور حضور اکرم ﷺ کے کمالاتِ علمی اور عملی کو بھلا کر اپنے فنِ خطابت کی خوشہ چینی کو کمالِ معراج سمجھ رہے ہو، یہ تمہاری گمراہی ہے! اچھی طرح سمجھ لو! کیا تم قرآن اور اس کی تعلیمات کا اتباع کررہے ہو، یا قرآن کے اُسلوب کے مُنحرف ہورہے ہو۔

اے صاحبِ حسن وعشق! کیا اب بھی دنیا کو ''مُحسنِ انسانیت ﷺ'' کے فیضان کے حقیقی اور مکمّل ادراک میں وقت لگے گا! صدیوں کے سفر کے بعد جب غُنچے سے کلی، اور کلی سے پُھول بننے کا عمل مکمّل ہوگا تو پوری کائنات رنگ وبُو، رحمت تمام ﷺ کے پیغام کی خوشبو کو، اس کی بھرپور کیفیت کے ساتھ محسوس کرنے لگے گی مگر آج بھی کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کی جرأت کرسکے کہ توحید کے اس سب سے بڑے پیغام پر حضرت محمد ﷺ نے ہی انسانوں کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کی نویددی، [۱]

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

تمام مظاہرِ فطرت اور تمام عناصر اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں اس لئے وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کے آگے سجدہ ریز ہونا انسان کو زیب نہیں دیتا۔

[۱]......اقوام متحدہ کے چارٹر (منشور) انسانی حقوق کے منشور نسلی وصنفی امتیاز کے اجلاس (کنونشن) سفارت کاروں کے ضابطہٴ اخلاق جنگی قیدیوں کے تحفظ، معذوروں اور کمزوروں کے لئے قوانین وضع کرنے ماہرین کے عشرعشیر بھی پیش کرنے میں ناکام رہے جو آج سے ۱۴سو برس پہلے قرآن پوری جامعیت کے ساتھ نہ صرف دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ اُن پر کامیابی سے عمل کرنے والی امتوں کے لئے راہِ ہدایت بھی متعیّن کردی۔

نیکی کی اصل روح اللہ جل جلالہ سے محبت ہے

اے اہلِ آرزو! سوچو تو سہی اگر کسی آدمی کو کسی طرح کا مال اور نفع اتنا عزیز ہو کہ اس کو حاصل کرنے کی جستجو میں اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ اسلام کو کیسے پا سکتا ہے یعنی مال ومتاع اس قدر پسندیدہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں تو ایسا فرد برِ نیکی کو کیسے پا سکتا ہے، جس طرح یہود نے طلبِ دنیا میں کھو کر اور اقتدار حاصل کرنے کی خاطر دین کو ذریعہ سمجھ رکھا تھا، اقرار ایمان کے بعد مؤمن کو چاہیے سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول ﷺ کو رکھے، یہ خیال کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرے تا کہ مکمل اجر اور حضور ﷺ کا قرب حاصل کر سکے کیونکہ نیکی کی اصل روح اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

جو جھوٹ اور بُہتان باندھیں، وہی ظالم اور بے انصاف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر جب یہود کوئی اُصولی اور جامع اعتراض کرنے سے قاصر رہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا جو چیزیں بنی اسرائیل کی شریعت میں حرام تھیں وہ اسلام میں کیسے حلال ہو گئیں اور ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ''کہ تم درست نہیں کہتے ہو'' بلکہ کھانے کی سب چیزیں نزولِ تورات سے پہلے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء نے انہیں حلال خیال کیا تھا، جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ لیا تھا وہ تو حرام نہیں تھیں، وہ تو خود یہود نے اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں قطعی حرام نہ تھیں۔

دنیا کے بُت کدے میں، پہلا وہ گھر خُدا کا ہم اِس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

ایک اعتراض یہود نے یہ بھی کیا کہ اگر قرآن کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی راہ جُدا نہیں، تو کیوں بیتُ المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا، جواب دیا گیا اللہ تعالیٰ کی پہلی عبادت گاہ جو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کی، وہ بیت اللہ مکّہ مکرّمہ میں ہے مرکز فلاح ونجات ہے اور اس کے فیوض وہ برکات تمام عالمین کے لئے ہیں، بیتُ اللہ کو باری تعالیٰ نے ظاہری وباطنی اور برکتوں سے سرفراز فرمایا ''فِیہِ آیَاتٌ بَیِّنٰتٌ'' بیتُ اللہ میں کھلی اور واضح نشانیاں موجود ہیں زمزم حطیم اور صفا ومروہ، غرض کیا بتایا جائے ہر ایک ذرّہ اپنے اندر نشانیاں رکھتا ہے اس میں ایک عظیم نشانی مقامِ ابراہیم ہے اس کو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے اس نشانیوں میں سے ایک نشانی اس قدر عظیم تر ہے کہ جو وہاں داخل ہوا امن پالیا اس کی دُعا مستجاب ہوئی، اس کی عبادت مقبول ہوئی

صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے

اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر بشرطِ استطاعت حج فرض کر دیا ہے اگر کوئی اس کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے حج کی فرضیت کا منکر تو کافر ہے، حج ایک ایسی جامع عبادت ہے جس پر عمل، ہر ہر لمحہ اُس ربِّ جلیل کے جذبۂ عشق ومحبت کا اظہار ہے، جس طرح حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات ﷺ نے حرمِ کعبہ کی عبادت اور مناسکِ حج کی وضاحت کی اُس کا تقاضا اور تاثیر یہ ہے کہ کسی مسلمان کو حج کی توفیق ہوتی ہے اور وہ اذنِ حضوری سے اس مسعود اور مبارک سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کا قلب بندگی اور تعلق باللہ کے ایک مخصوص جذبۂ سے معمور ہو جاتا ہے اور اپنے آپ میں ایک خاص قسم کی

عبدیت کے آثار کو نمایاں پانے لگتا ہے۔

اے اہلِ آرزو! اس سے پہلے شاید تم نے کبھی یہ جذبہ محسوس نہیں کیا تھا اسی جوش وولولہ کے علاوہ ایک اور فکر بھی دامن گیر ہوتی ہے اور وہ فکر یہ ہوتی ہے کہ اے کاش! ہمیں اس برکت ورحمت سے صاحبِ حُسن وعشق بن جانے کی سعادت مل جائے پھر بندگی کی روح کو بیدار کرنے کی خاطر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ع　یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بَردُوش جا پہنچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

اے اہلِ کتاب! تمہارے عقل وخرد کو کیا ہو گیا ہے حالانکہ تم پر حق وصداقت کے تمام تر اُمور واضح ہو گئے وائے ناکامی ''کارواں سے احساسِ زیاں جاتا رہا'' کے مصداق عجیب حال ہے تمہارا، ایک تو تم خود ایمان نہیں لاتے ہو، بلکہ تم دوسروں کو بھی راہِ حق پر آنے سے روکتے ہو! اِذنِ عام ہے مسلمانوں کو! یہود ونصاریٰ کی گمراہیوں میں تمہارے لئے درسِ عبرت ہے تم اُن کے مکروفریب کے راستوں سے اپنے وجدان دل وجان کو بچا کر رکھو، اگر تم نے اُن کی خواہشات کی تکمیل کی اور گمراہی کا اتباع کیا تو نتیجہ صاف ظاہر ہے، راہ ہدایت پانے کے بعد بھی ضلالت اور گمراہی میں مُبتلا ہو جاؤ گے، اے راہِ حق کے طلب گارو! تمہارے لئے کفر باطل کے نظریات اپنانے کا اب موقع نہیں، یہ تمہاری بڑی خوش نصیبی ہے کہ تم میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ﷺ موجود ہے، حقیقتِ اَحوال تو یہ ہے کہ وجودِ رحمت للعالمین ابدآلاباد تک کُفر کو مٹانے والا اور حق کو پھیلانے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اَطہر پر قرآن نازل ہوا حضرت محمد ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور تعلیمات تم تک پہنچ گئی ہیں اِن روشن دلیل کو سرچشمۂ فیضانِ رحمت سمجھ کر رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کا دامن مضبوطی سے پکڑو! اب تمہارا کام ہے کہ تم کائنات کے انسانوں کے لئے صراطِ مستقیم کی روشنی لے کر ''اُمّتِ وَسط'' کا اہم فریضہ سرانجام دو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے

اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اہلِ ایمان کو اَسبابِ ہدایت کی توفیق حاصل ہے ''دعوت الی الخیر'' ایمان والوں کا شیوہ ہے اہلِ ایمان کو دعوت عام ہے اللہ جلِ شانہٗ سے ایسے ڈرتے رہو، جیسا باری تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے، ہر بشر کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اصلاح آپ کرے، اصلاح کی طرف رجوع ہونے کی شرط اوّل تقویٰ ہے۔

اے راہِ حق کے طلب گارو! اپنی استطاعت کو بروئے کار لاتے ہو، جادۂ اِمروز فردا، اور اپنی تمام تر زندگی میں شعارِ ایمان پرہیز گاری کو اپناتے ہوئے سوچ لیجئے! کہ تادَمِ مرگ، آپ کا مرنا اور جینا اسلام کے لئے ہو۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور نافرمانی نہ کرے، ذکر کرے اور کبھی نہ بھولے، شکر کرے اور کبھی ناشکری نہ کرے۔

ایک ہوں مُسلم حَرم کی پاسبانی کے لئے

اختلاف نہ کرو، اتفاق میں برکت ہے، اجتماعی طور پر اتحادِ اُمّتِ مُسلمہ کی خاطر جماعتی تفرقہ سے اجتناب کرو اور اللہ تعالیٰ کی رسی، تعلیماتِ قرآن، احکاماتِ قرآن کو مضبوطی سے تھام لو ''حَرم کی پاسبانی کے لئے مسلم کو ایک ہونا چاہئے'' دین کی بقا کے لئے سب مسلمانوں کا نصب العین دُنیا میں ایمان کی سَر بلندی اور سَرفرازی ہونا چاہئے اور اس پر دائم اور قائم رہنے کے لئے جہاد فی

سبیل اللہ ناگزیر ہے اگر شعورِ جہاد مسلمانوں میں بیدار ہا تو پھر کوئی وجہ نہیں مسلمان طاغوتی نظام پر قابو نہ پالیں۔

اے نورِ شوق کے متوالو! اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآنِ حمید تمہیں تاریکی اور ظلمت سے نکال کر نُور کی سمت لے جاتی ہے اگر تعلیمِ قرآن سیکھنا ہے تو حضرت محمد ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق باہم مُتفق ہونا ہی اَصل اَساس اتفاق کا مفہوم ہے ورنہ تفاوت اور تفریق ہے جس سے حق تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، قرآن کا مفہوم وہی مُعتبر ہے جو اَحادیثِ صحیحہ اور اَسلافِ صالحین کی تصریحات مُتفقہ کے عین مطابق ہو، ارشادِ ربی ہے ''وَلَا تَفَرَّقُوْا'' اور پھوٹ نہ ڈالو گویا یہود اور نصاریٰ کے مثل دین میں نااتفاقی مت کرو۔

کون نہیں جانتا! دعوتِ حق میں مخالفت کرنا یہود کا شیوہ ہے ایامِ جاہلیت میں تم ایک دوسرے کے عدو تھے اللہ تعالیٰ نے تم میں جذبۂ اُخوت کی توفیق بخشی، اور تم بھائی بھائی ہو گئے۔

اے طالبِ حُسن وسُرور! اگر تمہیں راہِ حق پر ثابت قدم رہنے کی آرزو ہے تو تم میں ایک ایسی جماعت ایسی ضرور ہو جو ''داعی الی الخیر'' کی عملی تطہیر اور تشکیل کرے، اور انسانوں کو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے، اس طرح معاشرہ مُنتشر ہونے سے بچ جائے گا اور پاکیزہ ہو جائے گا، اور لوگ راہِ حق، راہِ ہدایت سے سرفراز ہو جائیں گے۔

اے اہلِ ایمان! نیکی اور نیک عملی اپناؤ گے تو تمہارے چہرے نورِ تاباں سے متور اور روشن ہوں گے، جو مُرتد بن جائیں تو کُفر ونفاق، فِسق وفُجور میں مبتلا ہونے کے سبب اُن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

اچھی طرح سمجھ لیجئے! کہ روزِ قیامت یہی دلوں کا نُور یا ظُلمت چہروں پر نمایاں ہوگا، جن کے چہرے نُور سے مَعمور ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، یعنی بہشت میں۔

اے صاحبِ آرزو! بہشت محض عمل سے پانے کی چیز نہیں، علامہ اقبال کے الفاظ میں ''عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنم بھی'' کے مصداق صرف عمل ہی جنّت میں داخل ہونے کا وسیلہ نہیں، بلکہ جنّت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملتی ہے محمد ﷺ کی شفاعت سے، جہاں باری تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے اَسباب مہیّا کیے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیلیں ہیں، جو حضور پُر نور ﷺ پر نازل کی گئی ہیں خلق کا کام ہے اس سے ہدایت پائے، ذرا شانِ کریمی تو دیکھئے! مؤمن کو دنیا میں بھی نیکی کا صلہ/ اجر ملتا ہے اور آخرت میں اس کا اَجر ملتا ہے اگر بھلائی کا کام کرے تو بھی کیا وہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں کرتا، اس لئے آخرت میں اَجر سے محروم ہوگا۔

رَبِّ جلیل کسی پر ظُلم نہیں فرماتا جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب کچھ باری تعالیٰ کا ہے تمام اُمور اس کی طرف رجوع ہوں گے سب کام اللہ کی دستِ قدرت میں ہیں رَبّ کے سوا کوئی صاحبِ اختیار نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی اُمّت تمام اُمّتوں سے افضل اُمّت ہے

قرآنِ حکیم کے پارہ نمبر ۱۵ اسُبْحٰنَ الَّذِیْ سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۵ میں ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ

ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت اور برتری دی ہے۔ (آیت ۵۵ سورۂ بنی اسرائیل)

اے اہلِ حُسن وعشق! تم اپنے آپ کو صاحبِ عطائے رَبِّ جلیل جانو! کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام اُمتوں میں بہترین اُمّت قرار دیا ہے تمہارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حسنِ عمل سے انجام دیتے رہو، نیکی کی تلقین کرتے رہو، اور بدی اور ظلم وزیادتی کو مٹانے کی کوشش میں مصروف عمل رہو، اب تمہیں اپنے آپ میں وہ صفات اپنانے کی ضرورت ہے۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' یہ بات قابلِ ذکر ہے جو جلال وحُسن وکمال اہلِ ایمان کے ایمان باللہ میں ہے وہ اس سے پہلے کسی اُمّت کو نصیب نہیں ہوا، اس اُمّت کے خیر الاُمم ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام تر فیوض وبرکات کا سلسلہ صرف اپنے کے لئے خاص نہیں، بلکہ سب کے لئے عام ہے یہ وہ اعزاز ہے جو کسی اور اُمّت کو نہیں ملا، یہ وہ عطائے رَبّ ہے جو کسی اور اُمّت کے حصے میں نہیں، سابقہ اقوامِ عالم کی نسبت اس اُمّت کے داعی، مُبلّغ اور مُرشدین کی ہدایت میں زیادہ اثر ہے جو لوگوں کو رَبّ کی طرف لے جاتے ہیں۔

اگر اہلِ کتاب اہلِ ایمان کی طرح ایمان لے آتے، تو یہ اُن کی خوش بختی ہوتی!

اگر اہلِ کتاب بھی اہلِ ایمان کی طرح ایمان لے آتے تو یہ اُن کی خوش بختی ہوتی وہ بھی خیر الاُمم میں شامل ہو جاتے، لیکن اُن کی اکثریت نے نافرمانی کی روش اختیار کی، اور دعوتِ حق کی مُخالفت میں یہودیوں نے سازشوں میں نمایاں حصّہ لیا، اپنی بداعمالیوں اور شرّ انگیزی کے سبب یہ لوگ عتاب باری تعالیٰ یعنی عذاب کے مستحق ہوئے۔

سوائے بُہتان تراشی اور اذیّت کے سوا یہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، آپ ﷺ کو ان کی مُخالفت اور پُر فریب چال سے تردّد میں پڑنے کی قطعی ضرورت نہیں، وہ ساعت دُور نہیں جب ان کی باقی ماندہ طاقت بھی ختم ہو جائے گی۔

فُیوضِ بَرکات سے محرومی کا مُوجب صرف کُفر ہے

سب اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں، ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے دینِ حق کو قبول کیا ہے، انہیں باری تعالیٰ پر کامل ایمان کی دولت عطا ہوئی، اُس کا شمار صالحین میں ہے، گویا فُیوض وبرکات سے محرومی کا مُوجب صرف کُفر ہے اگر کُفر ختم ہو جائے اور ایمان کی حلاوت اور شیرینی مل جائے تو ہر بشر اپنی حیثیت کے مطابق صلاح وفلاح پا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات کسی خاص جماعت یا گروہ کے لئے نہیں، نیک عمل کرنے والے کو ضرور اس کا صلہ دیا جائے گا، اصل دولت ایمان ہے جو دُنیا اور آخرت میں باعثِ برکت ہے تمام متاعِ دنیا، ثروت، اولاد، نسل، اعزاز، سرداری انسان کے کچھ کام آنے کا نہیں، حصولِ ثروت کی تمنا، صنم کدہ کائنات کی طلب آخرت کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔

ع　نہ دولت سے نہ دنیا سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلّی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

جنہوں نے کُفر کا رویّہ اختیار کیا اُنہوں نے خود اپنے ہاتھوں ظلم ڈھایا ہے کُفر تو قبولِ انعامات کی راہ میں رکاوٹ ہے باری تعالیٰ کی ذات تو کرم کرنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اے راہِ حق کے طلب گارو! جب آدمی اللہ تعالیٰ سے سرکشی کا رویّہ اختیار کرے، تو اس کی نیکی بھی اسے ایمان سے بغاوت کی پاداش کی سزا سے نہیں بچا سکتی، اور یہی طرزِ عمل اگر مسلمان اپنا لے تو جُرم کی سزا سے کون اس کو بچا سکے گا، آپ اپنے اندر

جھانکنے کی زحمت نہیں کرتے، ایسا کیوں ہے، سوچو تو سہی! سمجھو تو سہی، ایمان کی روشنی لے کر اپنے عمل کو اطاعت باری تعالیٰ کے لئے وقف کرو۔

کافر تو مسلمانوں کے قطعی دوست نہیں ہو سکتے!

اے اہلِ ایمان! سوائے اپنوں کے کسی کو اپنا راز داں مت سمجھو! یہ کُفار تمہیں نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، ان سے دوستی کا دم مت بھرو، یہ کافر ہیں ان کے قلب نفرتوں سے مَعمور ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ تم سے اظہارِ اُلفت کرتے، کیونکہ اہلِ ایمان ان انبیاء اور ان کی کتابوں، صحیفوں، تورایت، انجیل اور زبُور کو بھی مانتے ہیں! لیکن ستم بالائے ستم تو دیکھئے یہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اور کتاب کا انکار کرتے ہیں اس لئے تم بھی ان کو اپنا ہم راز نہ بناؤ۔

مُشکلات اور مَصائب کا پامَردی سے مقَابلۂ صبر کے دائرہ کار میں آتا ہے

کافروں کی اسلام دشمنی اور ان کے اظہارِ غضب کا تو اُن غزوات سے پتہ چلتا ہے جب سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی اسلام کی بقاء احیاءِ استحکامِ اسلام کے لئے شمشیر بکف ہونا پڑا، غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے واقعات کے مطالعہؑ سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ کہ صبر اور تقوٰی کو اپنائے بغیر کبھی نُصرت حق تعالیٰ حاصل نہیں ہو سکتی مُشکلات اور مَصائب کا پامردی سے مقابلہ صبر کے دائرۂ کار میں آتا ہے اور تقوٰی کی اصل یہ ہے کہ احتیاط اور پرہیز گاری سے کام لیا جائے، غزوۂ بدر میں صبر اور تقوٰی مسلمانوں کی کامرانی کی نوید ہے چنانچہ نتیجہ صاف ظاہر ہے تعداد میں کم ہونے کے باوجود مسلمانوں نے دُشمن کی کثیر تعداد کو شکست سے ہمکنار کر دیا۔

لیکن غزوۂ اُحد میں مسلمانوں نے تساہُل سے کام لیتے ہوئے کمزوری کا احساس دلایا، اور صبر اور تقوٰی کی کسوٹی پر پورے نہ اُترے، نتیجہ یہ نکلا کہ خسارے سے دوچار ہوئے اور عُدو کو وقتی طور پر شکست سے ہمکنار نہ کر سکے، یہ بات اتفاق رائے سے طے پا گئی تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دُشمن کا مقابلہ کیا جائے اور دُشمن کے زور اور طاقت کا منہ پھیر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تقوٰی کی روش اختیار کرنا، درحقیقت طریقۂ شکر ہے!

رَبِّ جلیل نے مسلمانوں کے دلوں میں جرأت، عزم و ایثار اور حوصلے کے جذبات پیدا کئے اور قلت اور کثرت کا تصوّر دل سے دُور کر دیا، ارشادِ حق تعالیٰ ہوا اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنے والوں اور صَبر و اِستقامت سے اُمور کو سرِ انجام دینے والوں کے لئے فتح و نُصرت مژدۂ نویدِ مسرّت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، پرہیز گاری کی روش اختیار کرنا، درحقیقت طریقہ شکر ہے، شکر بجالانے کی عملی کیفیّت یہ ہے کہ اخلاص نیت سے باری تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی تمام تر کوشش بروئے کار لائی جائے اہلِ تصوف کا کہنا بھی یہی ہے کہ یہ تصوّف اور سلوک کی منزل کا ماحصل ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تقویت اور مددؔ اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ نے تین ہزار (۳۰۰۰) ملائکہ کے لشکرِ جرار سے کی، جن کا نُزول آسمان سے ہوا، اگر کافر تم پر اچانک حملہ کر دیں تو پانچ ہزار (۵۰۰۰) جو نشان زدہ گھوڑوں پر سوار ہوگا تمہاری مدد کو پہنچ جائے گا۔

اگر قُربِ باری تعالیٰ نصیب ہو جائے تو نُورانی کیفیّت کا اظہار ہوتا ہے

اے طالبِ حُسن وسرور! ذرا خیال تو کرو کہ انسان ذکرِ باری تعالیٰ سے بے نیاز ہو جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت دامن گیر نہ ہو تو دل ذکرِ الٰہی سے خالی ہو جائے تو دل نُور سے یکسر خالی ہو جائے گا، اور شیطان کی قرار گاہ بن جائے گا، پھر جیسے جیسے شیطان موقع پاتا ہے ویسے ویسے تاریکی اور ظلمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، لیکن اگر قُربِ باری تعالیٰ نصیب ہو جائے تو نُورانی کیفیّت کا اظہار ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ ملائکہ مُقرّبین کا نُزول قلبِ مؤمن پر ہونے لگتا ہے۔

ہدایت کا پانا، بخشش کا ملنا، اور سب کچھ عطا کا اختیارِ کُل ربُّ للعالمین کا ہے

اے صاحبِ آرزو! ہر بشر کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے کسی کو ہدایت کا دینا، بخشش کا ملنا، اور سب کچھ عطا کا اختیارِ کل ربّ للعالمین کا ہے بندہ کو کچھ بھی تو اختیار نہیں، اور نہ انسان کا علم محیط و بسیط ہے ربِّ جلیل جو چاہے کرے، گرچہ کُفار تمہارے دُشمن ہیں اور ظُلم کرنے کے عادی ہیں لیکن ربّ چاہے تو اُن کو ہدایت دے یا عذاب نازل کرے، گویا کل کائنات میں اللہ وحدہٗ لا شریک کا اختیارِ کُل ہے جس کو چاہے ایمان کے نُور سے مَعمور کر دے، اور جس کو چاہے کُفر کرنے کے جُرم میں سزا دے۔

انسان بہر نوع اظہارِ عجز و اِنکساری کرے، یہی معراجِ انسانیت ہے، اَرض وسماء میں جو کچھ ہے ان میں سب کا مالک کُل ربِّ جَلیل ہے۔

مالِ حرام کا کھانا توفیقِ باری تعالیٰ کی کمی کا مُوجب ہے

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کہ زندگی میں رزق کی تلاش ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے گرد انسان کی تمام تر توجّہ اور کوشش گردش کرتی نظر آتی ہے سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ حلال وحرام کا فرق اور طلبِ رزق کے جائز ذرائع اختیار کرنا ایک مُشکل ترین عمل ہے، مالِ حرام کا کھانا، توفیقِ باری تعالیٰ کی کمی کا مُوجب ہے، یہ بات یاد رکھیے کہ ہر ایک اَمر کی انجام دہی کے لئے مؤمن کی نگاہ آخرت کے نتیجہ پر مَرکوز ہونی چاہئے ''کھُویا نہ جا صَنَم کدہ کائنات میں'' کے مصداق دُنیا میں دل لگا کر طَمع کی حرص ہی میں آکر ایسے ذرائع اختیار کرنے سے اِجتناب کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عین خلاف ہوں اور احساسِ توکّل اور عمل توکّل کے مطابق نہ ہوں، رزق حلال کی جستجو میں مؤمن کا شیوہ ہے۔ علاّمہ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے

ع اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کُوتاہی

طَمع اور حرص کا اصل مُوجب سُود ہے

اے طالبِ حُسن وسُرور! اپنے آپ کو اُن آلودگیوں سے مُبرّا رکھو، جو تمہارے دلوں میں حُزن و ملال کا روگ پیدا کرنے والی ہیں، جان لو! جب تک مال وثروت کی حرص وطلب دل میں جاگزیں ہے جان نثاری کی اصل رُوح اور سچّی روح پیدا ہونے کے امکانات نہیں، اس طَمع اور حرص کا اصل مُوجب سود ہے، سُود لینے اور کھانے کی ممانعت ہے، سود مفرد ہو یا مرکب سُود دونوں قطعی طور پر حرام ہیں، سود کھانے میں بھلائی نہیں ہے بلکہ بھلائی کا راز تو اس میں مُضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے، خوف کھاتے ہوئے سود لینا ترک کر دو، سُود کھانے والا آتشِ دُوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے اور جہنّم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اے اہلِ آرزو! مانا کہ سود کا چھوڑنا اُفتادِ طَبع پر گراں اور نا گوار گزرتا ہے لیکن تزکیۂ نفس کے لئے ضروری ہے حرام استعمال

کرنے سے صَلاحیت نظم وضبط اور اطاعت کی صَلاحیت سَلب ہو جاتی ہے،انسان بُخل اور کنجوسی کی سمت مائل ہو جاتا ہے۔

اے راہِ حق کے طلب گارو! رَبِّ جلیل کی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کو شعار بناؤ،تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پاسکو،اللہ تعالیٰ سے اپنی مَغفرت طلب کرو،اور جنّت کے حصول کی فکر کرو،اللہ تعالیٰ کی رضا پانے ،اور حضور اکرم ﷺ کی اطاعت وتعلیمات کو اپنانے میں اپنی تمام تر صلاحیت اور توانائی وقف کر دو،محبوبانِ حق کا تو یہ طریقۂ عمل ہے کہ تنگی ہو یا خُوش حالی اپنی تمام تر صَلاحیت اللہ تعالیٰ کے لئے صرف کرتے ہیں،دُکھ کا اظہار نہیں کرتے،غُصّہ پر قابو پانے کی فکر میں مُنہمک رہتے ہیں۔

اہلِ تقوٰی عفوودرگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں،نیکی کرنا،احسان کرنا،اُن کی زندگی کا طرزِ عمل ہے

اے صاحبو! محبانِ حق کی تو خوبی یہ ہے کہ صرف اپنے قلب کو روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کے دلوں کو منوّر اور تاباں کرنے کی جستجو اور آرزو میں لگے رہتے ہیں کون نہیں جانتا! خطا اور نسیان بشریّت کا حصّہ ہے اُن سے بھی خطاٗ ہوتی ہے اہلِ ایمان کا شیوہ تو یہ ہے کہ اگر کسی غلطی یا گناہ کے مُرتکب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں،توبہ استغفار کرتے ہیں،اہلِ تقوٰی عفوودرگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں نیکی کو اپنائے رکھنا اور احسان کرنا ان کی زندگی کا طرزِ عمل ہے ایسی ہی خصوصیات رکھنے والے متقی لوگوں کو باری تعالیٰ اَجر دے گا اور دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے یہی بہشت کے وارث ہوں گے جس کی وَسعت اَرض وسماء کے مساوی ہے۔

اے صاحبِ حسن وعشق! جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے،آیا ہے یہ صرف تمہارے ہی لئے نہیں ہے قانونِ باری تعالیٰ یہی رہا کہ جو جماعت احکامِ حق پر کاربند رہی،کامیابی پر گامزن رہی جس نے اعراض کیا،تباہی وبربادی اُس کا مقدّر رہنا۔

دیکھو مجھے جو دِیدۂ عبرت نگاہ ہو!

اے نورِ شوق کے متوالو! ماضی کے واقعات سے عبرت پکڑو،تم سے قبل بہت سے لوگ اور قومیں جنہوں نے اپنے نبی اور رسولوں کی تکذِیب کی ،اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق اور اطاعت سے رُخ پھیر لیا،مَعصیت،ظُلم وجبر پر اصرار کرتے رہے،ان کا کیسا دَردناک انجام ہوا،اگر تم اُن کے انجام کی خبر سے قطعی طور پر بے خبر ہو تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چل پھر کر دیکھو،''دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو'' کے مصداق،زمین کے گوشے گوشے میں برباد قوموں کے آثار،اوراُجڑے دیار کے کھنڈر اور سَربہ فلک عمارتوں کو زمین بُوس دیکھو یہ سب نشانِ عبرت کی داستان بنی ہوئی ہیں کہنے کا مطلب یہ کہ

ع　دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو　　میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے　　غالبؔ

اے راہِ حق کے طَلب گارو! کہیں ایسا تو نہیں،تم کشمکش زندگی سے تنگ آ گئے ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جہاں کو بے دلی سے ٹھکرا دو،ایسا نہ کرنا،متاعِ زندگی کو عزیز جانو! کبھی کبھی عارضی شکست سے جو چوٹ لگتی ہے اس سے دل بَرداشتہ نہ ہو جانا،مانا کہ غزوۂ اُحد میں عارضی طور پر تم زخم خوردہ ہوئے،تو کیا ہوا،حق وباطل کی کشمکش کی تاریخ میں عارضی شکست وفتح کی کوئی خاص اَہمیّت نہیں،اصل بات تمہارے دلوں کی ایمانی طاقت ہے اگر تمہارے اندر ایمان کی اصل رُوح بیدار ہے تو پھر دُنیا میں غلبہ تمہارا ہی ہوگا،یاد رکھو! مسلمانوں کے دلوں میں جو کمزوریاں نظر آئی تھیں وہ اب دُور ہو گئیں۔

''جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں'' کے مصداق مسلمانوں کا عزم،حوصلہ،جرأت اور ہمّت اور بڑھ گئی وہ پہلے سے زیادہ مستحکم اور منظّم ہو گئے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن

اے طالبِ حسن وسرور! کیا خیال ہے تمہارا کمالِ انسانیت کے بلند مرتبہ پر یُونہی پہنچ جاؤ گے اچھی طرح سمجھ لو!''جہادِ زندگانی میں ہیں مردوں کی شمشیریں'' کے مصداق، زندگی کی کامرانی کے لئے آزمائش اور جہاد کا راستہ طے کرنا ہوگا، اہلِ بہشت کا راستہ آسان بھی نہیں!''شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن'' کے مطابق شہادت کی آرزو رکھنے والوں کو آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جو قومیں اپنے اصول اور نظریات کے لئے ایثار و قربانی سے کام نہیں کیا کرتی ہیں اُن کے نصیب میں کامیابی کہاں! مشکلات کا مقابلہ کرنا، صبر اور استقامت سے کام لینا ہی دُنیا و آخرت میں کامیابی کی دلیل ہے۔

رسول ﷺ کا وصفِ امتیاز یہ ہے کہ اُن پر وحی الٰہی آتی ہے

اے طالبِ حُسن وعشق! نبی کریم ﷺ اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ کے رسول ہی تو ہیں! جس طرح سابقہ نبی اور رسول اس دارِ فانی سے رُخصت ہو گئے، رسول دُنیا میں ربّ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ سر انجام دے کر قانونِ قدرت کے مطابق، موت سے ہمکنار ہوئے، رسول اللہ ﷺ ایک بشر ہیں ان کا اعزاز وصف رسالت ہے قرآنِ حمید کے پارہ نمبر ۱۶ قَالَ اَلَمۡ سورۃ کہف آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

آپ ﷺ کہہ دیجئے! میں بھی آدمی ہوں تم جیسا، لیکن میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی (اللہ) معبود ہے۔

اے صاحبِ آرزو! سوچو تو سہی، دعوتِ فکر ہے اگر کسی وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم دینِ حق، دعوتِ دین کی خدمت وحفاظت کی راہ سے ہٹ جاؤ گے اور جہادِ فی سبیل اللہ سے کنارہ کش ہو جاؤ گے، اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

اے صاحبو! سجدۂ شکر بجا لاؤ کہ باری تعالیٰ نے تمہیں دین کی خدمت کے لئے چُن لیا ہے حُب رسول ﷺ ہی عین ایمان ہے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم اور تکریم کا ادب تمام نیکیوں کی اَساس ہے تقاضائے اُلفت تو یہ ہے کہ محبوب ﷺ کی اطاعت کو شعارِ زندگی بنایا جائے۔

موت کا ایک دن مُعیّن ہے

اے طالبِ حسن وسرور! موت کا ایک دن مُعیّن ہے اللہ جلِ شانہٗ کے مقرّر کردہ وقت سے پہلے آدمی موت کی آغوش میں آ سکتا نہیں، موت سے ڈرنا کیسا! موت سے گھبرانا کیسا! ساعتِ موت آ جائے تو ٹل سکتی نہیں، تم موت کے خوف سے شرکتِ جہاد نہیں کرتے، یہ تو تمہاری بھول ہے جیسے دُنیا کی آرزو ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا بھی دیتا ہے اور جس کو طلبِ آخرت ہے اس کے لئے آخرت میں اجر ہے، اس سے پہلے بھی اکثر وبیشتر انبیاء علیہم السلام نے جہاد میں حصّہ لیا، اُن پر بھی مشکلات آئیں، صبر اور شکر کی راہ پانے پر وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوئے، دعا ہے اے ربِّ جلیل ہماری خطائیں معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما، ہمیں فتح ونصرت عطا کر۔ آمین

دُونیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا ودریا

مؤمنین کی یہ ذمّہ داری ہے کہ ہمیشہ ارشاداتِ نبوّی پر عمل پیرار ہیں، اگر اہلِ ایمان نے کافروں کی باتوں پر دھیان دیا تو وہ مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر کے کُفر کی دلدل میں پھینک دیں گے، جو ایک عظیم خسارہ ہوگا، خیال تو کیجئے غزوۂ اُحد کی عارضی ناکامی کے بعد اہلِ یہود، اور مُنافقین نے موقع غنیمت جان کر، طعنہ زن ہوکر، الزام تراشی سے کام لیتے ہوئے اس کوشش میں بہرحال لگے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹا کر کُفر کی ظلمت کی طرف لوٹا دیا جائے، اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہود اور مُنافقین کے اس ناپاک عزائم کی خبر دے دی کہ اُن کی کسی بات پر ہرگز یقین نہ کیا جائے اور تمہارا حامی اور مددگار تو باری تعالیٰ ہے۔

اے حق کے طالبو! اچھی طرح جان لو! آخرت میں مُشرک کا ٹھکانا آتشِ جہنّم ہے اور وہ ظالموں کے لئے تیار کی گئی ہے پھر تمہیں ان کی طرف متوجّہ ہونے کی کیا ضرورت ہے تم اُن کے مکروفریب سے ہوشیار رہو، اگر تم حق کی راہ میں ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ عمل کرتے رہے، اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے رہے، تو وہ ساعت دُور نہیں، تمہارے رُعب و جمال وجلال اور ہیبت سے اُن کے دل لرز اُٹھیں گے۔

دُونیم اُن کی ٹھوکر سے صحراو دریا
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی   اقبالؔ

اگر دلوں کے اندر اعتقاد و ہدایت کا عزم مُحکم نہیں، تو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شرک میں مُبتلا ہوجاتے ہیں پھر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ اُن کے عزم ویقین اور ایثار کی وہ روح بیدار نہیں ہوتی جو اہلِ ایمان کا شیوہ ہے مؤمن کی تو یہ شان ہی نرالی ہے

موت سے کس کو رُستگاری ہے

مؤمن کی زندگی میں غم و آلام آتے ہی ہیں غزوۂ اُحد میں آزمائش تھی تا کہ سچّائی ظاہر ہو، اِس غزوۂ میں تم کو غم پہ غم دیکھنا پڑا، درحقیقت یہ بھی اصل تربیت کا حصّہ ہے جس سے اندازہ یہ ہوا کہ کسی بھی کام کے ہوجانے پر مسلمانوں کو اپنی قلبی کیفیّت میں تفاوت پیدا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ باری تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، تم پر جو کچھ پریشانی اور پشیمانی گزری، اس پر حزن وملال کی قطعی ضرورت نہیں، غموں سے دوچار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اُونگھ طاری کردی، یہ یہی اُونگھ باری تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور نُصرت کی دلیل تھی۔

اے صاحبِ آرزو! عجیب حالتِ زار ہے یہ لوگ اپنے دل کے راز مُضمر رکھتے ہیں یہ دلوں کے بھید چھپائیں بھی تو کیا! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاص سے اُن کی لغزش اور خطا کو معاف کردیا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونا باعثِ سعادت ہے اور رحمت ومغفرت کا پانا ہے

مُنافقین کی غلط اور مکّارانہ پُرفریب چال سے اہلِ ایمان کو رکنے کی تلقین کی جارہی ہے اُن کے لئے قتل ہونا مقدّر ہوچکا تھا، یہ غزوۂ اُحد تمہارے لئے باعثِ امتحان بن گیا، مُنافقوں کے بھید آشکار ہوگئے، اور اخلاص والوں کے قلب مزید صاف ہوگئے، موت تو بہرکیف آنی ہے جہاں باری تعالیٰ نے لکھ دی، اُسی مقام پر آنی ہے اگر تم اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے، تب

بھی جن کو قتل ہونا تھا وہ تو قتل ہونے سے کیسے بچ سکتے تھے، کہاں سے بچ سکتے جن کے نصیب میں جامِ شہادت نوش کرنا تھا انہیں تو مقامِ شہادت ملنا ہی تھا۔

اے صاحبِ حُسن وعشق! یہ سوچ اور کرب کا ایک انداز ہے یہ ایک یاس اور حسرت کی گھڑی ہے جو دل کو مُضطرب کر رہی ہے جس سے دلِ بے قرار بے قراری کے عالم میں ہے یہ صرف کافر کے سوچ کا حصّہ ہے ورنہ حیات ممات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ہر ذی روح مرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان، جانِ آفریں سپرد کرتا ہے اور موت سے دوچار ہوتا ہے یا شیطان کی غلط روش سے ہمکنار ہو کر آغوشِ موت میں آتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونا باعثِ سعادت ہے اور رحمت اور مغفرت کا پانا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل رکھنے والے موت سے ڈرا نہیں کرتے۔

ہر خائن رخیانت کرنے والا، خیانت کردہ شے کے ساتھ روزِ محشر حاضر ہو گا

اے طالبِ حُسن سُرور! یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بیکراں کا کرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں شفقت، نرمی اور محبت کا جذبہ اس قدر موجزن تھا کہ آپ ﷺ ہر ایک کے ساتھ عفو ودرگزر سے کام لیتے، اگر کسی کی بات ''آپ ﷺ کی خاطرِ معصوم پر گراں گزرتی'' تب بھی آپ ﷺ حسنِ سلوک سے کام لیتے، اور اس کو معاف فرما دیتے، نبی اکرم ﷺ کی شانِ عظمت تو دیکھئے صلح وآتشی کا معاملہ ہو یا میدانِ کارزار جُملہ اُمور میں مشاورت فرماتے۔

اے نُورِ دشوق کے متوالو! مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل کرتا ہے یہ ایک فطری اَمر ہے توکّل کی منزل بھی جائز اُمور کے لائحہ عمل سے ترتیب دی جاتی ہے ایمان کامل کے ساتھ، نیکی کے ساتھ اور امانت پر قائم رہتے ہوئے، اچھی طرح سمجھ جائیے کہ خیانت کی امید نبی ﷺ سے رکھنا عبث وفضول ہے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کبھی ایسا کر سکتے نہیں، کہ وہ خلق اللہ کی امامت اور فرائض کی تکمیل میں کسی طور پر خیانت کریں، ہر خیانت کرنے والا خیانت کردہ شے کے ساتھ روزِ محشر حاضر ہو گا۔

کر دیا ہم سُخن بندوں کو اللہ تعالیٰ سے تو نے

اے راہِ حق کے طلب گارو! تم کو حضور ﷺ کی عظمتِ شان، عِصمت اور اطاعت کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے نبی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا تابع ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی رَبّ کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے۔

یہ احسان باری تعالیٰ ہے کہ تم ہی میں سے ایک نبی مبعوث ہوئے، آپ ﷺ کی بعثت سے بشریّت کو اعزاز ملا، یہ رحمت تمام ﷺ کی فیوضِ برکات کا ہی فیضانِ کرم ہے کہ انسان اور اس کی زندگی کو فیضِ روحانی عطا کرے اور سنوارنے کے لئے تلاوت آیات کی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ اِن آیات کو پڑھتے ہیں اور یہ کلام اللہ اُن کو شک اور بُت پرستی کی پُر فریب لعنت سے نکال کر پاک کرتے ہوئے تزکیۂ نفس اور تزکیۂ قلب کرتے ہوئے حکمت کی باتیں سکھاتا ہے اور انسان کو وہ عزم، حوصلہ اور طلب بخشتی کہ بندہ اب ذاتِ حق تعالیٰ سے ہمکلام ہے کہاں میں اور کہاں یہ مقام اللہ اللہ، عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم سے آشنا ہو کر اس کلام اللہ کو پڑھ کر سن کر، اور اس کے اَسرار ورُموز سے واقف ہو کر نعمتِ عُظمیٰ پاتے ہیں جو رَبِّ جلیل کا انعام ہے سُبحان اللہ! کیا اعجاز ہے قرآن مجید کا!۔

ع کر دیا ہم سُخن بندوں کو اللہ سے تو نے

شہید کو کبھی مُردہ گمان نہ کرو بلکہ "وہ زندہ جاوید" ہیں

اے طالبِ حُسن وعشق! جنہیں تم مقتول جانتے ہو! وہ تو شہید ہیں اور شہید کے بارے میں یہ گُمان بھی نہ رکھنا کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ "وہ زندہ جاوید" ہیں یہ کہنا غیر مناسب ہوگا کہ یہ حیات روحانی ہے جو ہر مرنے والے کو ملتی ہے مؤمن ہو یا کافر، رُوح دونوں کی زندہ رہا کرتی ہیں، اہلِ قبُور سے سوال وجواب کے بعد نیک لوگوں کے لئے راحت اور فرحت اور کافر کے لئے اور فسق وفجُور میں مبتلا ہونے والوں کے لئے عذاب، قرآن اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، شہید کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی "حیاتِ نو" ملتی ہے جو عام مُردوں کو نہیں ملتی!

صلۂ شہید کیا ہے تب وتاب جاودانہ کے مصداق بعض روایات میں مذکور ہے کہ شہدائے اُحد نے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ کر آرزو کی کہ کاش! ہمارے اِس عیش وراحت کی خبر دوسروں تک پہنچ جائے تا کہ وہ شہادت کی تمنا کریں اور جہاد میں حصّہ لینے کے لئے پُر عزم رہیں۔

کمالِ ایمان کی منزل یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو"

قرآنِ حمید ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، غم وآلام، اور مصائب دُنیا پر صبر کرنا درحقیقت ترقی درجات پانا ہے۔ بندۂ مؤمن مشکلات کے تلاطم میں مُبتلا ہو کر جس قدر اطاعتِ حق تعالیٰ کرے، اُسی قدر اَجر میں اضافہ ہوگا۔ عالم پریشانی میں ایمان والوں کا تو یہ شیوہ ہوتا ہے کہ رَبِّ جَلیل پر کامل بھروسہ اور تَوکّل کرتے ہیں "تَوکّل علیٰ اللہ" کا ایک الگ مقام ہے اور یہ مقامِ اعلیٰ بھی ہے اور ارفع بھی۔

اے اہلِ آرزو! تَوکّل تو یہ ہے کہ جائز اسباب کو دائرۂ عمل میں لایا جائے اور بلا کسی خوف وخطر کے فرمانبرداری پر راہِ استقامت اختیار کی جائے، غیر اللہ سے خوف زَدہ ہونا، مؤمن کو زیب نہیں دیتا، یہ تمام کام شیطان کے ہیں، "مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی" کے مصداق مؤمن کو بتایا گیا کہ تم کو ہرگز، ہرگز کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، کمالِ ایمان کی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، شانِ ایمان تو اس کو کہا جاتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے غضب سے، اس کی ناراضگی سے ڈرا جائے گویا ان تمام اُمور کو ترک کر دینا شانِ مؤمن، ایمانِ مؤمن ہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے مُنافقوں کو رُسوا اور ذَلیل ہونا ہے !!

اے راہِ حق کے طلب گارو! مُنافقین کی حرکات اور سکنات پر غم زَدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں! اِن میں کہاں ہمّت اور سکت کہ، یہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ زک دے سکیں، یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو بھی نقصان پہنچانے کے متحمّل نہیں ہو سکتے، رَبِّ جَلیل اُن کے نفاق کا بدلہ دے گا اور روزِ آخرت یہ سزا سے بچ نہیں سکیں گے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے مُنافقوں کو رُسوا اور ذَلیل ہونا ہے اور اسلام کو غلبہ عطا ہوگا اور اہلِ ایمان کو عزّت ونُصرت ملے گی۔

رَبِّ کائنات کی اِس کارزارِ ہستی میں کچھ اس انداز سے کارفرمائی ہے کہ یہاں نیکی اور بُرائی کو قانونِ مکافاتِ عمل میں مُہلت ملتی ہے۔

اہلِ ایمان میں صبر کا جذبہ ،ایمان کا ذوق اور اطاعت شعاری کا شعور بڑھا ،اور مُنافقین کے نِفاق کا پَردہ چاک ہوا

گویا حق گو، حق پرست، عدل اور انصاف کرنے والے کو اور ظالم دونوں کو مُہلت ہے اور یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانونِ رحمت اس بات کا مُتقاضی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مُہلت اور ڈھیل دی جائے۔

اے صاحبِ حسن وعشق! غزوۂ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی آزمائش کی ،اہلِ ایمان میں صبر کا جذبہ ،ایمان کا ذوق اور اطاعت شعاری کا شعور اور بڑھا ،اور مُنافقین کے نِفاق کا پَردہ چاک ہوا ،حق کی شانِ کریمی تو یہ ہے کہ جب چاہتا ہے غیب کے پوشیدہ اُمور اپنے رسول میں سے جس کو چاہتا ہے بتا دیتا ہے ،کافروں کو جو عارضی مہلت ملتی ہے یہ رَبِّ جلیل کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت تو نہیں ،یہودی مُنافقین مصلحتِ وقت کے قائل تھے ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے لیکن اُن کے دل میں نِفاق تھا۔

اے نُور وشوق کے مَتوالو !اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو تقویٰ کی روش اپنا لو ،یہ تمہارے لئے بڑے اجرِ عظیم کی بات ہے۔

کیا تم کو خبر نہیں ،یہ مال ومَتاع یہ ثَروت ودولت سب کچھ یہیں رہ جائے گا

اے طالبِ حُسن وسرور! فتنہ گر تو یہود ونصاریٰ ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے اوصاف مبارکہ کا اظہار نہیں کرتے ،انہوں نے اِن باتوں کو پوشیدہ رکھ کر شانِ رسالت مآب کے ساتھ بُخل کیا ہے اور لوگ عالمِ اضطراب میں مُبتلا ہو گئے ،کہ دوسروں کو بھی بُخل کی تلقین کی ،کیا تم کو خبر نہیں ،یہ مال ومتاع ،یہ ثروت ودولت ،سب کچھ یہیں رہ جائے گا زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا ،علم کو چھپائے رکھنا ،باوجود استطاعت جہاد سے اِعراض کرنا ،اس جہنّم کی وعید ہے ایسے لوگوں کی گردن میں یوم قیامت طوق ڈالے جائیں گے ،اَرض وسماء میں جو کچھ ہے سب کچھ حق تعالیٰ کی میراث ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے اس میں تمہارے لئے بہتری ہے

اے طالب حسن وعشق! کیا تم کو پتہ نہیں ،ہر زمانے میں اسلام کی دعوتِ حق کی خدمت کے لئے مال ومتاع کی ضرورت پڑتی ہے ،مُنافقین پر یہ بات شاق گزرتی ،وہ بار بار تمسخر اُڑاتے اور بَرمَلا کہتے! کیا رَبّ محتاج ہو گیا ہے آخر بار بار مال کیوں اللہ تعالیٰ کے نام پر طلب کیا جارہا ہے یہ بات قابلِ غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو کمالِ رحمت سے قرض کا نام دیا گیا ہے مال ومتاع بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہماری ہی بھلائی کے لئے حکم صادر ہوا جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے اس میں تمہارے لئے بہتری ہے یہود کی یہ شقاوت رہی کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا ،اَنبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنا اور وہ قتلِ ناحق معصوم اور بے گناہ انبیاء کا ،اہلِ یہود کا بھی عجب حال رہا ،نہ صرف یہ کہ وہ نُبوّت محمدیہ ﷺ کے انکاری ہوئے بلکہ وہ تو نبوّت موسوی کے بھی انکاری ٹھہرے ،اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو باری تعالیٰ آگاہ کررہا ہے اے حبیب ﷺ !اُن کی حرکات سے دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ،یہ تو آپ کو طرح طرح کی اَذیتیں دینے میں مصروفِ عمل ہیں آپ ﷺ تو رُوحِ تقویٰ میں اَستقامت اختیار کیجئے یقینی طور پر فتح اور ''فتح مبین'' آپ کا مُقدّر رہے۔

آیت ۱۸۱ تا ۱۸۹ رکوع ۱۹ کا خلاصہ

اے حق کے طالبو! محض اپنی ذات اور اَنا کی خاطر جنگ کرنا قابلِ تحسین عمل نہیں، بلکہ دین کی بقاء اور بُرائی کے خاتمے اور ظلم وجُور کو مٹانے کے لئے جہاد فرض ہے۔

حق کو پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا! گیتیِ کائنات حق کی شہادت دے رہی ہے

اے طالبِ حسن وسرور! یہود عالموں کی طرح آیات باری تعالیٰ کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں! اسلام حق ہے! حق کو پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا! گیتیِ کائنات حق کی شہادت دے رہی ہے حق کے خلاف سابقہ اُمتوں نے جو کچھ کیا، اس کی وہ سزا پاچکے، طالبِ دنیا کے حصول کی خاطر دین کو فروخت کرنا انتہائی نازیبا کام ہے اس پر دَرد ناک عذاب کی وعید ہے، اگر دنیا میں مال ومتاع، دولت شہرت مل بھی گئی تو کیا حاصل! آخر کار سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے ارض وسماء پر حکمرانی تو باری تعالیٰ کی ہے۔

ذکر اللہ سے قلبِ نہاں کی غفلت دُور ہوتی ہے! فکر وتدُبّر سے درِ مَعرفت کھلتا ہے

لَنْ تَنَالُوْا (۴) سورہ ال عمران آیت ۱۹۰ تا ۲۰۰

اے صاحبِ آرزو! آپ تو جانتے ہو ارض سماء میں جو کچھ ہے سب کچھ رَبِّ جُلیل کے زیرِ فرماں ہے اہلِ خرد! غور وفکر کرنے کے عادی ہوتے ہیں کائنات کی نشانیاں دیکھ کر یقین کی منزل پالیتے ہیں اس کائنات کو تخلیق کرنے والی ذاتِ باری تعالیٰ ہے رَبّ کی بندگی کی جائے، رَبّ کی اطاعت کی جائے، حق کی مَعرفت حاصل کی جائے، اے راہِ حق کے طالبو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو،

اے صاحبو! ذرا تفکّر سے کام تو لو! سوچو تو سہی وہ کون سی ذات ہے جس کا اقتدار اور حاکمیّت ذَرّے ذَرّے میں ہمہ وقت موجود ہے کتنی پیاری بات ہے نورِ معرفت سے دلِ حزیں کو منوّر تو کرو۔

ذہنِ رسا کا خیال جو ذکر اللہ اور اطاعتِ رَبِّ جلیل کی حدود کے اندر ہوگا ذکر اللہ میں شمار ہوگا، پہلی منزل ذکرِ قلبی ہے اور جب قلب کو ذکر اللہ کی دولت مُیسّر آجائے تو فیوض وبَرکات کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے ذکرِ اللہ سے قلب نہاں کی غفلت دُور ہوجاتی ہے فکر وتدَبّر سے درِمعرفت کھُل جاتا ہے۔

اے صاحبِ آرزو! اگر یہ احساس ہوجائے کہ اس دنیاوی حیات کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہے جو کچھ اس فانی زندگی میں کیا جائے اس کے نتائج اور انعام کا صلہ دوسری حیات پر محیط ہے تو روح جوشِ محبّت میں وَجد کرنے لگتی ہے۔

''کتنا بڑا انعام ہے اُس در کی گدائی'' کے مصداق جب بندہ طالب رَبّ کی رضا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں سرِ تسلیم خم کرتا ہے تو رحمت وبخشش اور عطائے خاص رَبِّ جلیل کی طرف سے ملتی ہے۔

اے اللہ! تیری ذاتِ پاک عیوب سے پاک ہے، اے اللہ! ہم تجھ پر، نبی برحق محمد ﷺ پر، آخرت پر ایمان لائے یہ سعادت ہمیں مل گئی، اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے، اے رَبِّ جلیل! ہم نے شافعِ محشر حضرت محمد ﷺ کی دعوت دین قبول کرلی، ہمارے گناہ بخش دے، ہماری لغزشوں سے ہمیں درگزر فرما۔ آمین

جب سے یہ دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے سلسلۂ ہدایت کا آخری پیغام ''اَلْکتاب'' میں موجود ہے

اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان والوں کے ساتھ ہو، اے رحمٰن! جو وعدے نبی سے فرمائے گئے وہ اپنی رحمتِ خاص سے ہمیں عنایت کیجیو! روزِ محشر رُسوائی اور ذِلّت سے بچا، اے اللہ! ہماری بُرائیوں کو ہم سے مَحو کردے۔

اے صاحبِ حُسن وعشق! ذرا فکر وتفکّر کے دائرہ کار میں رکھتے ہوئے اس بات کا احساس رکھو! کُفار کی موجود حالت تمہیں فریب میں مُبتلا نہ کرے، کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا اور کاروباری سَرگرمیوں میں مصروفِ عمل رہ کر دولت کا کمانا، ان کی عیش کُوشی کی مدّت قلیل ہے تم کہیں دھوکے میں نہ آ جانا، ذرا اُن کی دل کی کیفیت کا احساس تو کرو تو پتہ چل جائے گا اُن کے دل کوسکونِ قلب، اور طمانیّت قلبِ مُیسّر ہی نہیں، یہ فائدہ تو وقتی ہے پھر اُن کے لئے آتشِ دُوزخ ہے۔

اے نُورو شوق کے مُتوالو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، کامرانی اور کامیابی پانا ہے تو تقویٰ کو اپنا شعار بنالو، کیا تمہیں خبر نہیں جب سے یہ دُنیا معرضِ وجود میں آئی ہے سلسلۂ ہدایت کا یہ آخری پیغام ''الکتاب'' میں موجود ہے دعوتِ قرآن اپنالو، اسی میں کم یزل نے دنیا وآخرت میں بھلائی رکھی ہے۔

اہلِ ایمان اپنی نیکی وعمل، اِستقامت، صبر اور تقویٰ کے سبب ضرور اَجر پائیں گے

اے صاحبِ آرزو! یہود ونصاریٰ کی جو جماعتیں دعوتِ قرآن کی مخالفت میں اپنی توانائیوں کا زیاں کر رہیٰ ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُن کے نصیب میں سوائے ذِلّت اور رُسوائی کے کچھ بھی تو نہیں، اہلِ ایمان اپنی نیک عملی اور استقامت صبر اور تقویٰ کے سبب ضرور اَجر پائیں گے، اہلِ ایمان ایک جامع دستورُ العمل اور ضابطۂ حیات قرآن کی روشنی میں دُنیا وآخرت میں کامیابی کی خاطر صبر کا دامن تھامے ہوئے ہیں، دشمن کے مدِ مقابل مضبوطی سے باہم ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں ، استقامت، راہِ مستقیم اور اَستقلال سے اسلام کی بقا اور حفاظت کے لئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے نبرد آزما ہیں یقینی طور پر یہی صفات دنیا وآخرت میں فتح کے ایک فیصل ہے۔

الحمدللہ سورۂ آلِ عمران ۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ء کو اختتام پذیر ہوئی

فالحمد للہ علیٰ ذالک

عذرہائے مَن پذیر

پارہ چہارم لن تنالوا کے مطالعہ مضامین کی روشنی میں سورۃ النساء آیت ا تا ۲۰

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اے لوگو! اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے

سورۃ النسآء دُوررَس اصلاحات پر مشتمل اور اسلامی تعلیمات خصوصاً تعلیمِ نسواں، آدابِ نسواں اور حقوقِ نسواں کی اصل ترجمان ہے

یہ سورۃ مبارکہ دُوررَس اصلاحات پر مشتمل اور اسلامی تعلیمات خصوصاً تعلیمِ نسواں، آدابِ نسواں، اور حقُوقِ نسواں کی اصل ترجمان ہے، کون نہیں جانتا! اخلاق، سیرت کردار جو قدریں خواہ مُستحسن ہوں یا اُن میں کوئی کمی ہو، پَست و بالا ہوں یا اُن میں خوبی یا بُرائی کا کوئی پہلو ہو، لوحِ قلب پر رقم کردی جاتی ہے تو اُن کے نقوش دل حزیں پر مدھم نہیں ہوتے، جذبات کا عالم کتنا ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو، حقائق کو سمجھنے کے لئے جب تک عدل، ایثار، صبر اور اِستقامت کو بروئے کار نہ لایا جائے، گھر کو، ماحول کو، صرف مبہم باتوں پر عمل کر کے خوشگوار نہیں بنایا جاتا، اسلامی معاشرہ کے قیام اور تشکیل کے لئے یہ لازم ہے کہ مثبت سوچ، مثبت تدبیر کی راہ حق وصداقت کے پیکرِ عزم میں سمو کر اِن خارجی فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے خاندانی زندگی کی تشکیل نو، اس عقیدہ اور اساس پر رکھی جائے جس کی تفسیر سورۃ النسآء میں بتائی گئی ہے، قرآن کی تعلیمات نے واضح طور پر اپنے ماننے والوں کو صاف صاف بتا دیا ہے وہ یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ اَحسن طریقے سے پیش آئیں، اُن کے حُقوق کی نگہداشت کریں اُن کے مال ومتاع کی نگہبانی کریں بلکہ اُن کے احساسات اور جذبات کا اس حد تک خیال رکھیں کہ کوئی بات ''اُن کی خاطرِ معصوم پر گراں نہ گزرے'' اُن کے ورثا میں ناجائز تصرف، آتشِ دوزخ سے قریب تر کر دیتا ہے۔

اسلام نے عورت کا حق نہ صرف مقرّر فرمایا بلکہ معاشرے میں پُرعظمت مقام دلوایا

اے صاحبِ آرزو! آئینہِ تاریخ کو دیکھو، علم ہو جائے گا عورت کا پہلے معاشرہ میں کیا مقام تھا عرصہ ہائے دراز سے یہ صنفِ نازک جُورو ستم کا نشانہ بنی رہی، مانا کہ مرد کی طرح وہ ذی روح، ذی عقل اور ذی شعور بنائی گئی تھی لیکن اس صنفِ نازک کو مٹی کے کھلونوں کی طرح بہلایا گیا، اُسے زندہ درگور کر دیا جاتا اس کی عزّت وناموس کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی اسلام نے حقوق نسواں کا پرچم بلند کیا، مغرب ومشرق ہو ہر مقام پر عورت تباہ حال تھی اسلام نے عورت کا حق نہ صرف مقرّر فرمایا بلکہ معاشرے میں مناسب اور پُرعظمت مقام دلوایا۔

اے صاحبِ حُسن وسُرور! قرآن کی عظمت پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے کہ جس نے پہلی بار یہ تو یدِ مُسرّت دی کہ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں اس کی اپنی آرا ہے شریعت قانون اس کی رائے کا تقدّس کرتا ہے اس کو اپنے والدین، اپنے شوہر، اور اپنی اولاد کا وارث سمجھا گیا اس کو ملکیت کے حقوق ملے۔

لن تنالو(٤)سورہ النساء رکوع ١ کا خلاصہ

صلۂ رحمی اختیار کرنا، عظمت انسانی کی راہِ عمل ہے

اے راہِ حق کے طالب گارو! قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کو شعارِ زندگی بناؤ، صلہ رحمی اختیار کرنا، عظمت انسانی کی راہِ عمل ہے، بَدسلوکی سے اجتناب کرو، یاد رکھو! یتیم صلۂ رحمی کا اصل معنوں میں مستحق ہے اچھی طرح جان لو! صلہ رُحمی کے حقوق باری تعالیٰ کے قائم کردہ احکام سے اظہارِ وابستگی ہیں۔

اے صاحبو! کہیں ایسا نہ ہو کہ یتیم لڑکی تمہاری حفاظت اور تحویل میں ہو اور اس کی دولت کی طَمع میں آ کر اس سے نکاح کرنے کے طلب میں مصروف ہو جاؤ، اس کو نقصان میں مبتلا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، اگر صاحبِ استطاعت ہو تو ایک سے زائد ازواج یعنی چار تک رکھی جا سکتی ہیں، لیکن شرطِ اوّل ہے کہ سب کے مَابین عدل و انصاف کرو، مہر ایک عطیہ حقِ باری تعالیٰ ہے جو عورت کو اپنے گھر میں آباد ہونے کے لئے مالک بنا دیتا ہے گویا عورتوں کا مہر خُوش دلی سے ادا کرو اگر عورت اپنی مرضی اور منشاء سے اس کا حصّہ معاف کر دے یا اپنا پورا مہر معاف کر دے تو کوئی مُضائقہ نہیں، یہ عورت کا حسنِ سلوک کا ایک انداز ہے۔

مال ہر حال میں امانت ، امانت ہوتی ہے خیانت کا تصوّر تک نہ کرنا

اے طالبِ حُسن وسرور! زیرِ کفالت یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک رَ برتاؤ ایسا رکھو جیسا اپنے بچوں کے ساتھ رکھتے ہو، اگر یتیم سنِ بلوغت کو پہنچ کر اپنے مال کا مطالبہ کریں تو اس مال و متاع کو اپنے تصرف اور فضول خرچی میں قطعی مت اُڑا دینا یہ جُرم عظیم ہے بلکہ گناہِ عظیم ہے یہ مال ہر حالت میں امانت ہے اور امانت، امانت ہوتی ہے، خیانت کا تصوّر تک نہ کرنا، مالِ یتیم جو شخص بھی ناروا انداز میں کھائے گا وہ یقینی طور پر اپنے شکم میں آگ کے شعلے بھر رہا ہے اور عنقریب اُسے بھڑکتی ہوئی آگ، نارِ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

لن تنالو(٤)سورہ النساء آیت ١١ تا ١٤/ رکوع ٢ کا خلاصہ

میراث کی تقسیم کا مسئلہ بڑی اہمیّت کا حامل ہے

اے راہِ حق کے طالبو! ذرا لوگوں کی ستم ظریفی تو دیکھئے! اسلام سے پہلے مال و جائیداد کی وارثت میں لڑکیوں کا کوئی حصّہ رحق نہیں دیا جاتا تھا اس گُمراہی کے خاتمے کے لئے اسلام نے یہ اصول وَضع کر دیئے کہ حق دار ہونے کی صورت میں مرد اور عورت دونوں باہم شریک ہیں انسانی معاشرہ اس بات کا مُتقاضی ہے کہ ترکہ بالفاظ دیگر میراث کی تقسیم کا مسئلہ بڑی اہمیّت کا حامل ہے اگر خاندانی اُمور میں حق و صداقت، انصاف اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے تو معاشرہ میں یک جہتی اور اجتماعی مسائل کے لئے متوازن راہ پر گامزن رہا جائے تو معاشرہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا، میراث کی تقسیم پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رَبِّ جلیل نے انتقال کرنے والوں کے مال میں سب حق داروں کا حصّہ مقرّر کر دیا ہے جس کا کُلیّہ یہ ہے کہ پہلے کفن و دفن رِ تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جائے اس میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، نہ فضول خرچی کی جائے، اور نہ بخل سے کام لیا جائے، پھر مرحوم رمرحومہ کے قرض کو ادا کیا جائے یاد رہے کہ اگر مال نہ بچے تو قانون وراثت لاگو نہیں ہوگا۔

جو حق تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا ابدی راحت کا حق دار ہوگا

اے طالبِ حُسن وسرور! اِس کُلیّہ کو مدّ نظر رکھو! لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصّہ ملنا چاہیے، گویا لڑکی سے لڑکے کا حصّہ دُگنا ہو، اس میں یہ حکمت مُضمر ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ کفالت کا بار مرد ہی کے سُپرد ہے عورت پر کفالت

کی کوئی ذمہ داری نہیں، مرد اپنی اہلیہ کے نان نفقہ اور بچوں کا خود کفیل ہے میّت کی جو کچھ وصیّت ہو بعد از مرگ ہو اس کی تکمیل کرنی چاہئے لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ وصیّت درست سمت میں کی گئی ہو، حق دار کو حق سے قطعی محروم نہیں کیا جا سکتا، ذہن میں رہے کہ دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو اُن کا دو تہائی حصّہ ہوگا، اگر تنہا ایک ہی ہو تو نصف / آدھا حصّہ ملے گا، میّت کے والدین کے لئے چھٹا حصّہ بشرطیکہ اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو تو والدہ کے لئے تہائی اور بقیہ والد کا حصّہ، البتہ میّت کے ایک سے زائد برادر، یا بہن ہوں تو والدہ کا چھٹا حصّہ، اس بات کا خیال رکھا جائے کہ میّت کی وصیت پر پہلے عمل کیا جائے جو ایک تہائی تک صرف کیا جائے، مقرّرہ حصّوں میں دخل دینے کی چنداں ضرورت نہیں، تمہاری بیویاں جو ترکہ چھوڑ کر مریں، خاوند کو مال سے نصف اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصّہ، اگر شوہر ترکہ چھوڑ جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیویوں کا حصّہ چوتھائی اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصّہ شرط یہ ہے کہ پہلے وصیّت پر عمل درآمد ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرّر کردہ حدود ہیں جو حق تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے گا ابدی راحت کا حق دار ہوگا جس نے نافرمانی کی اس کے لئے آتشِ جہنّم ہے۔

درِ توبہ تو کُھلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اے نُور و شوق کے متوالو! اگر کوئی عورت بدچلنی کا ارتکاب کرے اپنے خاندان کے چار آدمیوں کی شہادت لو، اور ایسی صورت میں عورت کو گھر میں مُقید رکھو، یہاں تک کہ عمر عزیز پوری ہو جائے اسی طرح اگر کوئی مرد بدچلنی کا مرتکب ہو تو ان دونوں کو اذیّت دو، درِ توبہ تو کُھلا ہوا ہے اگر دونوں اصلاح کی طرف مائل ہو جائیں تو انہیں چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے

اے اہلِ آرزو! یاد رکھو، سچّی توبہ تو یہ ہے کہ دل کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ کی جائے اور اس احساسِ ندامت کے ساتھ کی جائے کہ اب ایسی خطا سرزد نہیں ہوگی۔

جو کُفر کی حالت میں انتقال کر جاتے ہیں اُن کی توبہ بھی قبول نہیں! توبہ ہرگز قبول نہیں جو بُرائی پر بُرائی کرتے چلے جاتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے ورثے زبردستی لئے بیٹھو

اے حق کے طالبو! عہدِ جاہلیت کی اس رسم کا خاتمہ ہو گیا جب کوئی مرد انتقال کر جاتا تو اس کا مال اس کے وارث کے قبضہ میں آجاتا اور اُن کی بیویوں پر قبضہ ہو جاتا اَب اس نوعیّت کی ناانصافیوں سے روک دیا گیا تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے ورثے لے بیٹھو، عورتوں کو میراث سمجھ کر انہیں روک کر مت رکھو، اگر کوئی بدچلنی کرے تو حسنِ معاشرت سے پیش آؤ، اگر تمہیں عورت ناپسند ہو تو صبر اور تحمّل سے کام لو، یاد رکھو! مرد اور عورت نکاح کے بعد مراجعت کریں تو مہر ادا کرنا مرد پر واجب ہے۔

اے صاحبِ حسن و عشق! ان عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جو تمہارے باپ کے نکاح میں آچکی ہیں عہدِ جاہلیت میں جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔

الحمدللہ پارہ (۴) لن تنالوا مکمّل ہوا

المرقوم ۱۶ مئی ۲۰۰۵ء

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ یوم پیر

رموزِ اوقاف قرآنِ مجید

ہر زبان کے اہل زبان، جب باہم گفت وشنید کرتے ہیں تو کہیں کہیں رُک (ٹھہر) جاتے ہیں کہیں پر رُکنا، اور ٹھہرنا کم ہوتا ہے۔ کہیں پر تو زیادہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اور کہیں پر بالکل کم ٹھہرتے ہیں۔ گو صحیح اندازِ گفتگو، اور بیان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اس اندازِ تکلم اور اندازِ تخاطب کو بڑا دخل ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی عبارت بھی گفتگو کے انداز کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے، اور نہ ٹھہرنے کی مختلف علامتیں مقرر کردی ہیں۔ ان علامات کو رموزِ اوقاف قرآنِ مجید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ امر ضروری ہے ان رموز کو تلاوت کرتے وقت ملحوظ رکھیں۔ یہ علاماتِ رموز درج ذیل ہیں۔

O...... چھوٹا سا دائرہ وہاں لگا دیتے ہیں جہاں بات پوری ہو جاتی ہے۔ دراصل گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقفِ تام کی علامت کہلاتی ہے اس علامت پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ۃ) تو لکھنے کا رواج نہیں رہا۔ اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی ہے چھوٹا سا ''دائرہ'' بنادیا جاتا ہے اس کو آیت کہتے ہیں، دائرہ پر اگر کوئی علامت نہ ہو تو ٹھہر (رُک) جانا چاہیے، ورنہ علامت کے مطابق عمل کیا جائے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علامت ''O'' دائرہ آیت کے ختم ہو جانے کی نشانی ہے۔

جہاں صرف علامتِ دائرہ ہو، وہاں پہنچ کر ٹھہر جانا چاہیے۔ دائرے کے اوپر ''لا'' درج ہو تو ٹھہرنا اولیٰ ہے۔ ضرورت ہو تو ٹھہر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، دائرے پر جو رمز وقف بھی ہوگی۔ وقف و وصل کے لئے اسی کا اعتبار ہوگا۔ یہ آیت کوفی ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م...... لفظ لازِم کا مختصر ہے۔ اس رمز سے پہلے کلمے پر ''ٹھہر'' جانا لازمی ہے۔ گویا یہ علامت وقفِ لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی سے یہ کہنا ہو کہ ''اٹھو۔ مت بیٹھو''، جس میں قواعد گرامر کے لحاظ سے 'اٹھنے' کا اَمر اور 'بیٹھنے' کی نہی ہے۔ تو اٹھو، پر ٹھہرنا لازم ہوا، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ''اٹھو مت۔ بیٹھو'' ہو جائے گا۔ جس میں ''اٹھنے'' کی نہی اور بیٹھنے کے اَمر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط...... وقفِ مطلق کی علامت ہے مُطلَق کا مخفف ہے اس رمز سے پہلے کلمے پر مطلقاً ٹھہر جانا چاہئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب واضح اور پورا نہیں ہوتا، اور بات کہنے والا ابھی مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج...... وقف جائز کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز...... یہ علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔یعنی یہ وقفِ جائز کی رَمز ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔ یہاں سے تجاوز کر جانا ،یعنی گزر جانا چاہئے۔

ص...... یہ علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہ لفظ مُرَخَّص کا مختصر ہے، یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔لیکن پڑھتے پڑھتے ،سانس ختم ہو جائے یا کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو ''ص'' کی رمز وقف سے پہلے کلمے پر ٹھہر جانے کی رخصت ہے۔

صلے...... یہ اَلْوَصَلُ اَوْلٰی کا مختصر ہے۔ وَصَلُ وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق...... قِيْلَ عَلَيْهِ الْوَقْفَ ۔(کہا گیا کہ اس مقام پر وقف ہے) یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل...... قَدیُوْصَلُ کا مخفف ہے یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کہیں نہیں، بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف...... یہ لفظ قِف ہے۔یُوْقَفُ عَلَیْهِ کا مخفف، جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ یہاں سانس روک کر وقف کرنا چاہیے۔

سکتہ...... یہ سکتہ کی علامت ہے، یہاں سانس لیے بغیر کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے، پڑھنے والا ، یہاں کسی قدر ٹھہر جائے سانس نہ توڑے۔

وقفہ...... یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے، یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔لیکن سانس نہ توڑیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ سکتہ اور وقفہ میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ 'سکتہ' میں کم ٹھہرنا چاہیے،اور وقفہ میں قدرے زیادہ۔

لا...... ''لا'' کے معنی 'نہیں' کے ہیں، 'لا' کی علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے،اور کہیں عبارت کے اندر، عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے، آیت کے اوپر تو بعض کا خیال ہے کہ ٹھہرنا چاہیے، بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے، لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب کی وضاحت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

علاماتِ متفرقہ

ک...... کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ جو رمز پہلی آیت میں آ چکی ہے۔اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

...... یہ نقطے' تین نقاط والے ہوتے ہیں دو 'وقف' کے قریب قریب آتے ہیں۔ان کو (مُعَانَقَه) 'معانقہ' یا مُرَاقَبَه کہتے ہیں کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں ۔اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ معانقہ حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تین جملوں میں سے جن دو کو چاہو ملا لو۔ حاشیہ پر 'مع' ہوتا ہے دو آیتوں کے درمیان دو مقام پر '' ∴ ∴ '' دیئے جاتے ہیں۔

وقف معانقہ میں پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کیا جائے ، یا پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کیا جائے۔

قواعد عربی کے چند آسان اصول

۱)......کلمہ: ہر بامعنیٰ لفظ کو "کلمہ" کہا جاتا ہے اس کی تین اقسام ہیں (ا) اسم، (ب) فعل، (ج) حرف۔

(ا) اسم......وہ ہے جو کسی شئے کا نام ظاہر کرے مثلاً کِتَابٌ (کتاب) مَاءٌ، (پانی)۔

(ب) فعل......جو کسی کام کے ماضی، (گذشتہ)، موجودہ اور آئندہ ہونے کے معنیٰ کا اظہار کرے۔ ماضی: گذرا ہوا زمانہ، حال: موجود زمانہ، مستقبل: جن میں آنے والا زمانہ پایا جائے، مثال کے طور پر ذَهَبَ: وہ گیا، یَذْهَبُ: وہ جاتا ہے یا جائے گا۔

فصل کی چار اقسام ہیں، ماضی، مضارع، (حال و مستقبل)، امر و نہی

(ج) حرف...... جو اسم اور فعل کے مابین رابطہ کا کام سرانجام دے، یا باہم دو اسم کو ملا کر ان کے معانی پورے کرتا ہو، کسی بھی حرف کے معنیٰ دوسرے لفظوں سے مل کر واضح ہوتے ہیں۔

عربی زبان کے چند حروف اور ان کے عمومی معانی: فِیْ (میں) مِنْ سے، کَ مانند، علیٰ پر، اِلیٰ طرف، عَنْ سے، حَتّٰی تک یا یہاں تک، بِ ساتھ، لِ لئے وغیرہ وغیرہ، الفاظ کے ساتھ مثالیں۔ فِی الْجَنَّةِ: جنت میں، اِلَی الْبَیْتِ گھر تک، عَلَی الْمَلٰئِکَةِ، فرشتوں پر۔

۲)......حرکات عربی......(َ) زبر، (ِ) زیر، (ُ) پیش، میں سے ہر ایک کو حرکت کہا جاتا ہے، اور اعراب بھی کہا جاتا ہے دو زبر (ً) دو زیر (ٍ) دو پیش (ٌ) کو تنوین کہا جاتا ہے۔ جس حرف پر تشدید (ّ) ہو وہ مُشدّد کہلاتا ہے، مثلاً مُحَمَّدٌ میں دوسرا "م" مُشدد ہے۔

(ا)......رَفَع یا ضمہ پیش (ُ) کو کہتے ہیں۔ وہ حرف جس پر (ُ) پیش ہو مَرفُوع کہلاتا ہے اور وہ لفظ بھی مَرفُوع کہلاتا ہے، جس حرف کے آخر میں پیش ہو جیسے کِتَابُ یا کِتَابٌ اس میں بَ، بُ مرفوع ہیں اور کِتَابُ کِتَابٌ دونوں مرفوع ہیں۔

(ب)......نَصَب، فَتحہ: (َ) زبر کو کہا جاتا ہے اور مَنصُوب، مفتوح وہ حرف، لفظ ہے۔ جس کے آخری حرف پر (َ) زبر یا (ً) دو زبر ہوں۔ جیسے رَحْمَةَ، رَحْمَتَةً، میں ر، م، اور ہ مفتوح ہیں اور رَحْمَةً پورا مفتوح ہے اس لئے کہ آخری حرف پر زبر (َ) یا دو زیر (ٍ) ہیں

(ج)......جَر یا کسرہ (ِ) کو کہا جاتا ہے مجرُور یا مکسور وہ حرف یا لفظ ہے۔ جس پر، یا جس کے آخری حرف پر زیر (ِ) ہو جیسے نَفْسِ۔

(د)......سکون: جزم (ْ) کو کہا جاتا ہے اور مجزُوم یا ساکن وہ حرف یا لفظ ہے۔ جس پر، یا جس کے آخری حرف پر جزم ہو، مثال کے طور پر یَفْتَحْ۔

۳)......مذکر اور مؤنث: ہر اسم ان دو حالتوں مُذکر اور مُؤنث میں ہوتا ہے۔ مذکر کی مثال: رَجُلٌ، مرد، اَحْسَنُ، خوبصورت حسین مرد۔ مؤنث کی مثال:......اِمْرَاةٌ عورت، حُسْنٰی = خوبصورت عورت۔

۴)......واحد: تثنیہ اور جمع، ایک کو واحد، دو کو تثنیہ اور دو سے زائد کو جمع کہا جاتا ہے۔ واحد مذکر کی مثال......عَبْدٌ، بندہ، عَابِدٌ، عبادت گزار۔ واحد مؤنث کی مثال......عَابِدَةٌ، عبادت گزار عورت، مُؤمِنَةٌ، ایمان والی عورت۔

(ا)......تثنیہ بنانے کا قاعدہ: واحد کے آخر میں اِنْ یا یْنِ لگانے سے تثنیہ بن جاتا ہے ان دونوں سے پہلے والا حرف مفتوح ہونا چاہئے۔ مثلاً عَبْدٌ سے عَبْدَیْنِ، اَمَةٌ سے اَمَتَیْنِ۔

(ب)......جمع بنانے کا قاعدہ (یعنی جمع سالم) اسم واحد مذکر کے آخر میں وْنَ بحالتِ رفع یا یْنَ (بحالت نصب وجر) بڑھانے سے جمع بن جاتا ہے مثال کے طور پر، مُسلِمٌ سے مُسلِمُوْنَ، (بحالتِ رفع) یا مُسْلِمِیْنَ، (بحالت نصب وجر) مُؤمِنٌ سے مُؤمِنِیْنَ اسم مؤنث ہونے کی صورت میں اس کے آخر میں، ات کا اضافہ ہوتا ہے، یعنی علامت مؤنث کو حذف کر کے، اگر پہلے سے موجود ہو جیسے مُسْلِمَةٌ سے مُسْلِمَ پھر، مُسْلِمَاتٌ۔ اسے جمع سالم کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں واحد کی صورت، سلامت رہتی ہے۔

(ج)......جمع مکسر: یہ جمع کی ایسی قسم ہے جس کے بنانے کا کوئی خاص/ قاعدہ/ اصول نہیں، بلکہ یہ صرف سننے پر یا چند مخصوص اوزان پر آتی ہے اسے جمع مکسر کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں واحد کی صورت ٹوٹ جاتی ہے مثال کے طور پر، رُسُلٌ، رَسُوْلٌ کی جمع، ہے یاد رہے! بہت سارے لفظوں کی تذکیر و تانیث، وحدت اور جمع غیر قیاسی ہوتی ہے گویا ان کا کوئی قاعدہ/ ضابطہ نہیں ہوتا، جس کی روح سے وہ بنیں، ایسے لفظوں کو "سماعی" کہا جاتا ہے

جو اہلِ زبان سے سنے گئے ہوں۔ مثال: خَلِیْفَةٌ واحد مذکر اس کی ۃ تانیث کی نہیں ہے اسی طریقہ سے سَنَةٌ (سال) جو مؤنث ہے اس کی جمع سِنُوْنَ آتی ہے (جو خلافِ قیاس ہے) اِمْرَاۃٌ کی جمع نِسَاءٌ آتی ہے اسی طرح سے اَرْضٌ مؤنث کا صیغہ ہے (جو بظاہر مذکر معلوم ہوتا ہے)

۵)......قیاسی اور سماعی الفاظ: جو الفاظ کسی قاعدہ کی روح سے بنائے جائیں انہیں قیاسی کہا جاتا ہے جو بغیر کسی کُلیّہ کے یعنی اہلِ زبان کی گفتگو کے مطابق بولے جائیں انہیں سماعی کہا جاتا ہے۔

۶)......مرکبات: دو یا دو سے زائد کلمات باہم مل کر مرکب بنتے ہیں، مرکب کی دو اقسام ہیں

(ا) مرکب تام: مرکب تام وہ ہے جس میں کوئی بات پوری طور پر سمجھ میں آ جائے مثال: اَللّٰہُ لَطِیْفٌ ، اللہ باریک بین ہے، اَلرَّجُلُ حَسَنٌ ، مرد حسین ہے۔

(ب)......مرکب ناقص: مرکب ناقص وہ ہے جس میں بات پوری طور پر سمجھ میں نہ آ سکے، بلکہ وہ بات ادھوری ہی رہے۔ مثال: رَجُلٌ حَسَنٌ ، (کوئی ایک خوبصورت مرد) مرکب ناقص کی کئی قسمیں ہیں پہلے کی صفت/خوبی بتائے مثال: رَجُلٌ ،صَالِحٌ ،کوئی ایک نیک مرد، یہاں لفظ صَالِحٌ لفظ رَجُلٌ کی خوبی نیکی کا اظہار کرتا ہے۔ پہلے لفظ کو موصوف اور دوسرے کو صفت کہتے ہیں، یہ بات یاد رہے کہ اردو میں عربی کے برعکس صفت پہلے آتی ہے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ، بڑا/شدید عذاب، اگر موصوف واحد استعمال ہو تو صفت بھی واحد ہوگی۔ مرکب اضافی وہ مرکب ہے جس کے دونوں جزو اسم ہوں، اور پہلا دوسرے کی جانب منسوب ہو، اگر بزبان اردو ترجمہ کیا جائے تو بالعموم اس میں (کا، کے، کی) میں سے کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثال: رَسُوْلُ اللّٰہِ (اللہ کا رسول) اس میں پہلا لفظ رَسُوْلُ مضاف ہے اور لفظ اللّٰہ مضاف الیہ ہے عربی زبان میں مضاف پہلے آتا ہے اور بعد میں مضاف الیہ۔

۷)......اسم ضمیر: وہ اسم جو دوسرے اسم (ظاہر) کی جگہ آئے اس کو ضمیر کہا جاتا ہے مثال: یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ (اے آدمؑ تو اپنی اہلیہ کے ساتھ رہ) اس میں اَنْتَ (تو) اور کَ ، (تیری) ضمیریں ہیں اور ان کا مَرجع (یعنی جس کی طرف ضمیر لوٹے) اٰدَمُ ہے جو اسم ظاہر ہے۔ ضمیر کی دو قسمیں ہیں منفصل جو فقرے میں بالکل الگ تھلگ مستعمل ہو جیسے، اَنْتَ، اوپر کی مثال میں ملاحظہ فرمائیے۔ اَنْتَ وَزَوْجُکَ. (ب) متصل، جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ مل کر ایک کلمہ کی نوعیت اختیار کریں، جس طرح زَوْجُکَ میں کَ۔

۸)......اَسْماءِ الاشارہ: اسم اشارہ سے مراد جن سے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے یہ دو قسم کے ہوتے ہیں، اشارہ قریب: یہ ایک کتاب ہے ھٰذَا کِتَابٌ اشارہ بعید کے لئے وہ کتاب ذٰلِکَ الْکِتَابُ ان دونوں مثالوں میں ھٰذَا اور ذٰلِکَ، اسماءِ اشارہ میں اور کتاب مشارٌ الیہ۔

۹)......اسم موصول: جس سے کسی خاص چیز کا پتہ چلتا ہو، اس کو اسم موصول کہا جاتا ہے اور جس کا مفہوم اس کے بعد آنے والے جملہ سے پورا ہو، اس جملے کو اس کا صلہ کہا جاتا ہے مثال: بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔

۱۰)......مادہ: عربی زبان میں حروف اصلی یا بنیادی حروف کو مَادّہ کہا جاتا ہے یہ مختلف افعال اور اَسْماء میں سے تین سے پانچ تک ہوتے ہیں تمام تر اسمِ مُشْتق کے حروف اصلی اپنے صیغہ ماضی، (واحد غائب مذکر) سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثال: ناصر اسم مشتق ہے جس کا مادّہ نصر، نَصَرَ سے ہے جو درحقیقت صیغہ ماضی واحد مذکر غائب ہے، نَصَرَ اس نے مدد کی، نَاصِرٌ الف کے اضافے کے ساتھ اسمِ فاعل ہے مصدر: یعنی جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا بغیر زمانے کے معلوم ہو، کسی بھی مادّہ کے معانی کا صدور اس کے مصدر سے ہوتا ہے مثال: عَبَدُ مادّہ ہے جب کہ عِبَادَةٌ/عبادت کرنا، تَعْبِیْدٌ ، غلام بنانا اس کے مصدر میں نصر مادّہ ہے اور نَصْرٌ (مدد کرنا) مصدر ہے۔

۱۱)......فعل ماضی: فعل ماضی کے مختلف صیغوں کی تبدیلی ان حروف کی بناء ہوتی ہے، ا، و، ت، م، ن اور تمن ماضی مطلق حروف کی گردان، یعنی جس کا فعل معلوم ہو اس کو بالعموم حرف ماضی لکھا جاتا ہے۔ فَعَلَ ، اس ایک مرد نے کیا، واحد، غائب مذکر فَعَلَتْ اس عورت نے کیا واحد، غائب مؤنث، فَعَلْتَ تو ایک مرد نے کیا واحد مخاطب/حاضر مذکر، فَعَلْتِ، تو ایک عورت نے کیا، واحد، مخاطب/حاضر مؤنث، فَعَلْتُ۔ میں نے کیا واحد، متکلم مذکر و مؤنث، فَعَلْنَا ہم نے کیا، تثنیہ جمع، متکلم ، مذکر مونث۔ ماضی مجہول: یعنی جس کا فاعل نہ معلوم ہو، ماضی کے پہلے حرف پر (ـُ) پیش اور ماقبل آخری سے پہلے پر (ـِ) زیر لگانے سے ماضی معروف ماضی مجہول بن جاتا ہے جیسے فَعَلَ سے فُعِلَ۔

۱۲)......فعل مضارع: اس میں حال اور مستقبل کے دونوں معنی آتے ہیں ماضی سے پہلے ی، ت، (الف)، ن لگا کر یا اس میں کچھ تبدیلی کر کے مضارع

بنایا جاتا ہے اور انہی کو علامت مضارع کہتے ہیں مضارع معروف جس کا فاعل معلوم ہو، اس کو بھی عام طور پر حروف مضارع لکھا جاتا ہے۔ مثال: یَفْعَلُ / وہ کرتا ہے، کرے گا۔ واحد غائب مذکّر، یَفْعَلُ وہ کرتی ہے، کرے گی، واحد غائب مؤنث اَفْعَلُ، میں کرتا ہوں، کرتی ہوں، /کروں گا، کروں گی، واحد، متکلّم مذکر، مؤنث۔ مضارع مجہول: جس کا فاعل نہ معلوم ہو، مضارع معروف میں علامت مضارع کو (ـُ) پیش اور ماقبل آخر کو (ـَ) زبر دینے سے مضارع مجہول بن جاتا ہے، یعنی یُفْعَلُ، مثال: یُعَلِّمُ / وہ سکھاتا ہے یُعَلَّمُ / وہ سکھایا جاتا ہے، یَقْبَلُ، وہ قبول کرتا ہے یُقْبَلُ وہ قبول کیا جاتا ہے۔

۱۳)......فعل امر و نہی: امر کے معنی حکم کے ہیں فعل امر وہ ہے جس میں کسی کام دینے کا حکم ظاہر ہو، فعل نہی جس میں کسی کام سے روکا جائے۔ امر حاضر جس میں مخاطب کو حکم دیا جائے، فعل مضارع کی علامت ہٹا کر اس کی جگہ، ھمزۃ الوصل، یعنی وہ وصل کر کے پڑھنے میں نہیں آتا، مثال: وَانْصُرُ اس میں "ا" نہیں پڑھا جاتا، لکھا جاتا ہے اور آخری حرف پر جزم آجاتا ہے اِفْعَلْ تو ایک مرد کر، واحد مذکر، اِفْعَلِي تو ایک عورت کر، واحد مؤنث اِفْعَلَا /تم دو مرد کرو، اِفْعَلُوْا /تم سب مرد کرو، جمع مذکّر، اِفْعَلْنَ /تم سب عورتیں کرو، جمع مؤنث۔ نہی حاضر! یعنی جس میں مخاطب کو کسی کام سے روکا جائے لَا تَفْعَلْ تو ایک مرد نہ کر واحد مذکر لَا تَفْعَلِي تو ایک عورت نہ کر واحد مؤنث۔ لَا تَفْعَلَا تم دو مرد / دو عورتیں نہ کرو، تثنیہ مذکّر لَا تَفْعَلُوْا تم سب مرد نہ کرو، صیغہ جمع مذکر لَا تَفْعَلْنَ تم سب عورتیں نہ کرو، جمع مؤنث۔

۱۴)......مُعرب و مبنی: جن لفظوں کے آخر میں اعراب یا حروف بدلتے رہتے ہیں ان کو معرب کہا جاتا ہے یہ اعراب اور حروف کا تبدیل ہونا قیاسی ہوتا ہے جب کہ اس کے علاوہ جو لفظ ہیں ان کو مبنی کہا جاتا ہے۔ مثال: عِلْمٌ کو بعض مرتبہ جملے میں عِلْمًا لکھا جاتا ہے، رَحْمَةٌ یا رَحْمَةً وغیرہ اسم معرب ہے۔

۱۵)......فعل ماضی کی اقسام: ماضی کے شروع میں "ما" لگا دینے سے ماضی منفی بنتا ہے۔ ماضی قریب: ماضی پر قد اضافہ کر دینے سے اکثر ماضی قریب کے معنی ہو جاتے ہیں مثال: قَدْ جَاءَ، وہ آیا ہے۔ ماضی بعید کان ماضی پر لگا دینے سے ماضی بعید ہو جاتا ہے کَانَ ذَهَبَ، وہ گیا۔ ماضی استمراری کان مضارع پر لگا دینے سے یہ ہو جاتا ہے مثال: کَانُوا یَعْمَلُوْنَ، وہ کرتے تھے۔

۱۶)......اسم مشتق و جامد: وہ اسم جو مادّہ و مصدر سے بنایا جائے، اسم مشتق کہلاتا ہے جب کہ جامد وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے نہ نکالا گیا ہو، بلکہ اپنا الگ مستقل وجود رکھتا ہو اسم مشتق کی حسب ذیل قسمیں ہیں، اسم فاعل: یہ اس ذات کو بتاتا ہے جو کام کرنے والا ہو اسم مفعول: یعنی وہ ذات جس پر فعل واقع ہو، صفت مشبہ: یہ اسم اس ذات کو بتاتا ہے جس میں مصدری یا کوئی وصف پائیداری کے ساتھ پایا جائے، اسم تفضیل: اس ذات کو بتاتی ہے جس میں مصدری معنی اوروں کی نسبت زیادتی کے ساتھ پائے جائیں۔ اسم مبالغہ: جو کسی فعل میں کوئی خوبی، کثرت اور شدت کے ساتھ بتائے۔ اسم ظرف زماں، مکاں۔ ظرف مکان وہ ہے جو وقوع فعل کی جگہ کو اور ظرف زماں وقوع فعل کے وقت کو بتاتا ہے۔ اسم آلہ: یہ اس آلہ کو بتاتا ہے جس سے کوئی کام لیا جائے۔ اسم صفت وہ ہے جس میں اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ اسم تفضیل اور اسم مبالغہ موجود ہو۔

۱۷)......کلمات الاستفہام: یعنی وہ حروف جن سے کوئی سوال یا چیز معلوم کی جائے۔ مَا، مَاذَا، اَیُّ، کَیْفَ، اَنّٰی.

محمد شفیق

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف

حکومت سندھ پاکستان

رجسٹریشن نمبر:R.R.OAUQ2002/338

تاریخ:2-08-2005

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر عزیزی پارہ لن تنالوا(۴) کے متن قرآن کریم کو
بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔
اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاءاللہ۔

محمد شفیق

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی


ادارۂ نشریاتِ ولی
18/927 سمن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی،